Nizām al-Malk

Siyāsat nāmah

سیاست نامہ

اُردو ترجمہ

یہ کتاب عالم اسلام کے پہلے آئین ساز وزیرِ اعظم نظام الملک طوسی کی لاجواب تصنیف ہے، نظام الملک طوسی صرف ایک وزیرِ اعظم ہی نہیں تھا، بلکہ ایک بلند پایہ مفکر، ایک عدیم النظیر فلسفی، ایک عدیم المثال مصنف اور بالغ نظر سیاست داں بھی تھا۔ جس کی صدیوں پہلے لکھی ہوئی یہ بلند پایہ تصنیف آج بھی مشرق سے لے کر مغرب تک سیاست دانوں کے لئے رہنمائی کا موجب ہے،

یہ کتاب جہاں بانی وجہاں بینی کا نادر موقع ہے۔

مُترجمہ

شاہ حسن عطا

ایم۔ اے (علیگ)

مُصنّفہ

خواجہ نظام الملک طوسی

نفیس اکیڈیمی

بلاسس اسٹریٹ ـــــــ کراچی (پاکستان)

منصور حیدر راجہ

قیمت سات روپیہ مجلد

Nizām al-Mulk

Siyāsat nāmah

سیاست نامہ

اُردو ترجمہ

یہ کتاب عالم اسلام کے پہلے آئین ساز وزیر اعظم نظام الملک طوسی کی مایۂ ناز تصنیف ہے، نظام الملک طوسی صرف ایک وزیر اعظم ہی نہیں تھا، بلکہ ایک بلند پایہ مفکرّ، ایک عدیم النظیر فلسفی، ایک فقید المثال مصنف اور بالغ نظر سیاست داں بھی تھا، جس کی صدیوں پہلے لکھی ہوئی یہ بلند پایہ تصنیف آج بھی مشرق سے لے کر مغرب تک سیاست دانوں کے لئے رہنمائی کا موجب ہے، یہ کتاب جہاں بانی وجہاں بینی کا نادر موقع ہے۔

مُترجم

شاہ حسن عطا

ایم۔اے (علیگ)

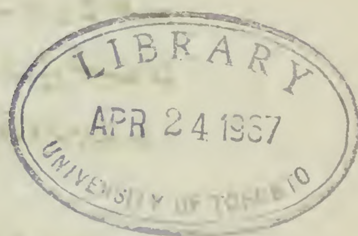
مُصنّف

خواجہ نظام الملک طوسی

نفیس اکیڈیمی

بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی (پاکستان)

قیمت سات روپیہ مجلّد



نوٹ

خیال تھا کہ سیاست نامہ کے ترجمہ کے ساتھ اس کا فارسی متن بھی شائع کر دیا جائے۔ تاکہ اصل کتاب بھی محفوظ ہو جاتی۔ مگر ہمارے ملک میں اب فارسی داں بہت کم ہیں۔ جو فارسی عبارت سے استفادہ کرتے۔ افادۂ عام کے پیش نظر صرف اُردو ترجمہ ہی پیش کیا جا رہا ہے۔

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

فہرست عنوانات سیاست نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ نظام الملک طوسی کی حاصلِ زندگی کتاب

سیاست نامہ

از محمد اقبال سلیم گاہندری

خواجہ نظام الملک طوسی (۴۰۸ھ ۔ ۴۸۵ھ) الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کا وزیراعظم تھا اور علوم و معارف کا بہت بڑا قدردان اور سرپرست شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے مدارس نظامیہ کا ایک سلسلہ قائم کیا تھا۔ اور ملک میں علم و فضل کی نشر و اشاعت کے لئے دل سے کوشاں رہتا تھا۔ خود بھی صاحب علم و دانش تھا۔ اس کی دانشمندی اور انتظامی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس کے علم اور انشاء پردازی کے قصے بھی بہت مشہور ہیں۔

خواجہ نظام الملک نے کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں فارسی میں لکھی ہیں، اگرچہ تصنیف و تالیف اس کا مشغلہ نہیں تھا، لیکن پھر بھی ان کتابوں میں وہ ایک کامیاب مصنف نظر آتا ہے۔ خواجہ نظام الملک کی تصنیفات تین بتائی جاتی ہیں۔ (۱) سفرنامہ (۲) دستورالوزراء اور (۳) سیاست نامہ۔

(۱) سفرنامہ میں طوس کے ماوراءالنہر اور کابل تک سفر کے حالات بیان کئے گئے ہیں، اس سفرنامہ کا صرف ذکر ملتا ہے۔ اب تک کہیں اس کا نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اگرچہ یہ یقینی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ سفرنامہ دنیا سے مفقود ہو گیا، ممکن ہے کہ اس کا نسخہ کہیں موجود ہو، اور اگر نہ بھی موجود ہو تو دنیا جعل سازانہ ذہنیت سے جو اب تک سیکڑوں جعلی کتابیں بنا چکی ہے کیا بعید ہے کہ کل ایک سفرنامہ نظام الملک طوسی کے نام سے منسوب ہو کر کسی یوروپین مستشرق صاحب کی شہرت اور علمی کمال کا نمونہ بن جائے۔

(۲) دوسری کتاب دستورالوزراء ہے، اس کتاب کا دوسرا نام وصایائے نظام الملک ہے۔ یہ ایک نصیحت نامہ ہے جس میں خواجہ نظام الملک نے اپنے فرزند فخرالملک کو انداز جہاں بانی اور آداب وزارت سکھائے ہیں، اور اس عہدہ کی خطرناک ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔

(۲) سیاست نامہ اس کتاب کا دوسرا نام سیرالملوک ہے، کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ۴۸۴ھ میں یہ کتاب خواجہ نظام الملک طوسی نے لکھی تھی۔ ملک شاہ سلجوقی نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ترکوں کی بادشاہی اور طریقہ جہانبانی پر ایک مکمل کتاب لکھی جائے۔ متعدد درباریوں نے مسودات پیش کئے لیکن خواجہ نظام الملک کا یہ مسودہ سلطان کو پسند آیا۔ اس میں پچاس فصلیں ہیں، اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون بیان کیا گیا ہے، لیکن ان ساری فصلوں میں جو مضمون قدر مشترک کے طور پر موجود ہے وہ یہ ہے کہ ایک وزیر کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اور بادشاہوں کا مزاج کیا ہوتا ہے؟۔

اس کتاب کو ایک مدت دراز سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس کو یہی اہمیت حاصل ہونی چاہیئے تھی، یہ سیاسیات پر ایک بہترین کتاب ہے جو ابن ابی یعلیٰ اور ماوردی کی کتابوں سے زیادہ عملی سیاست کو بتاتی ہے اور ابتدائی ترک فرماں رواؤں کے انداز حکمرانی کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔ کتاب میں آیات قرآنی، احادیث نبوی اور بزرگان دین و حکمرانان عالم کے مختلف قصوں سے احکام ہدایات اور نمونے دے کر باتوں کو سمجھایا گیا ہے، اور اس قدر شرح وبسط کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کو بات کے سمجھنے میں کسی ابہام وایہام سے کوئی واسطہ نہیں پڑتا۔

اس کتاب کی عظمت وشان کی یہ ادنیٰ دلیل ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے زمانہ میں یہ کتاب سول سروس کے کورس میں داخل رہی ہے۔ ہم پروفیسر شیفر مدرس مدرسہ السنۂ شرقیہ۔ پیرس کے شکر گذار ہیں کہ جنھوں نے ہندوستان، لندن، برلن اور سینٹ پیٹر سبرگ کے کتب خانوں سے صحت کرکے اس کتاب کو فرانس میں چھپوایا۔

نفیس اکیڈیمی نے بہترین علمی وتاریخی کتابوں کی اشاعت کا جو عظیم الشان سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کے لئے ہماری مطبوعات پر ایک نظر کافی ہے، آپ خود اندازہ کرلیں گے کہ یہ سات دریا سے فراہم کئے ہوئے موتی ہیں جن کو ایک لڑی میں پروکر آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، یہ کتاب سیاست نامہ مصنفہ نظام الملک طوسی اس سلسلہ کا ایک گوہر آب دار ہے جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہے ہماری دعا ہے کہ یہ حسن قبول پائے۔ آمین۔

محمد مغربی کا بیان

جس کے توسط سے سیاست نامہ منظر عام پر آیا

ابتدا میں نظام الملک نے اس کتاب کے صرف چالیس باب لکھوا دیئے تھے۔ بعد میں فاضل مصنف نے مسئلہ پر ازسرنو نظر ڈالی۔ یوں بھی دشمنان ملک و ملت کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باعث نظام الملک حد درجہ مضطرب تھا اور مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا تھا۔ چنانچہ کتاب میں گیارہ باب اور شامل کر دیئے گئے۔ بغداد کے سفر پر روانہ ہوتے وقت نظام الملک نے ان تمام ابواب کے مسودات میرے حوالے کر دیئے۔ سوء اتفاق کہ بغداد کے اس سفر میں مرحوم کو سفر آخرت پیش آگیا اور میں ایک زمانہ تک ان مسودات کو لئے بیٹھا رہا۔ لیکن اب کہ خداوند عالم (محمد بن ملکشاہ) کے وجود مبارک سے اسلام اور عدل کو تقویت پہنچی ہے میں اس کتاب کو منظر عام پر لا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس حکومت اور اس دولت کو اپنے فضل و کرم سے تا قیامت قائم و دائم رکھے۔

حرفِ آغاز

کرم گستر اور عالی ظرف خدا کے نام نامی سے

غالب اور جلیل الشان خدا جملہ سپاس گزاریوں کا مستحق ہے خدا ہی ہے کہ جس نے پستیوں اور بلندیوں کی تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے اور اس پر ہر پوشیدہ اور مخفی بات آشکار ہے۔ اسی کی ذات ہے جو عصیاں شعاروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کرتی ہے۔ خدا کے سب سے برگزیدہ پیغمبر (محمدؐ) پر درود و سلام، اور اُن کے لئے جو حامل قرآن مجید اور اُمتوں اور اقوام و ملل کے شفاعت بردار ہیں، عرضِ ارادت و عقیدت، اسی طرح پیغمبر اعظم کے رفقاء نامدارؓ اور ان کی عترت ذریت کے لئے بھی ہدیہ ارادت مندی اور نذرانہ اخلاص کوشی،

اس تصنیف کی تقریب

شاہی توشہ خانہ کی کتابوں کے کاتب خاص کی حیثیت سے عرض گذار ہوں کہ اس (لافانی) کتاب کی تالیف یوں ہوئی کہ ۴۸۴ھ (تین کم نوسو سال پہلے) میں سلطان سعید ابوالفتح ملکشاہ بن محمد امین، امیرالمومنین انار اللہ برہانہ نے دفعتہً ملک کے چند چیدہ روزگار عقلاء کو طلب کیا۔ اور ان پیران روشن ضمیر اور دانش مندان خردمند کو حکم دیا کہ وہ مملکت داری اور جہاں بانی کے رموز پر از سرنو غور کریں اور ملکی نظم و نسق، اور آئین کے نقائص دریافت کریں اور ساتھ ہی بارگہ خاص، دیوان عام، دربار اور شاہی محل سرا سے متعلق تشریفات۔ (Etiquette) طے کریں۔ امیرالمومنین نے ان دانایان گیتی کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ ان مسائل پر بغور نگاہ ڈالیں۔

(۱) وہ کون سے مسائل اور معاملات ہیں جو اب تک نگاہ شاہی سے پوشیدہ ہیں۔

(۲) شاہان سلف کی وہ کون سی بہتین روایات ہیں جنہیں دربار نے ترک کر دیا ہے۔

(۳) گذشتہ ادوار کی کون سی رسوم و روایات اور سوابق ہیں جو دولت سلجوقی نے قائم رکھے ہیں۔

ان ذوی العقل حضرات کو اس امر کی بھی تاکید کر دی گئی کہ وہ امیرالمومنین کو اس انداز میں، مشورہ دیں اور ان کے حضور، مسائل کی ایسی جامع تنقیح کریں کہ آئندہ سے جملہ دینی و دنیاوی امور حسب ضابطہ جاری رہ سکیں اور ساتھ ہی غیر ضروری اور ناخوشگوار باتوں سے احتراز بھی ہو سکے۔ امیرالمومنین نے اس کے بعد اس خیال زریں کا اظہار فرمایا۔

"اس امر کے پیش نظر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے جہاں کی پاسبانی ہمارے سپرد فرما کر اپنی کرم گستریاں ہماری ذات پر ختم فرما دی ہیں، اور ہمارے دشمنوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے، شکرانۂ نعمت کے طور پر لازم قرار پایا کہ ہماری مملکت میں جس کے کہ ہم تاجدار ہیں آئندہ سے کوئی چیز ناقص نہ رہنے پائے۔ اشغال و اعمال میں فساد کا ظہور نہ ہو اور ساتھ ہی ہم سے کوئی چیز چھپی بھی نہ رہنے پائے۔"

یہ ارشادات دراصل نظام الملک، شرف الملک، تاج الملک اور مجد الملک کے گوش گزا

فرمائے گئے تھے۔ اور ایسے ہی دوسرے عالی رتبہ زعماء کے علم میں لائے گئے۔ امر سلطانی سے انحراف کا بھلا کسے یارا تھا۔ چنانچہ ان بزرگانِ علم و دانش نے اپنی اپنی لیاقت کے جوہر دکھلانے شروع کئے بسبب ع "حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے" کے پیشِ نظر ایک ایک آئین مرتب کر کے لائے۔ طوسی کی خوش بختی کہ بادشاہ کی شانِ کریمی نے اسی کی کتاب موتی سمجھ کے چن لی! کتاب دیکھ کے شہریارِ سلجوقی نے فرمایا۔ کہ اس کتاب سے بہتر کوئی دوسرا کیا لکھے گا۔ چنانچہ میں نے اسے (کتاب سیاست نامہ کو) اپنا ہادی و مرشد بنالیا اور اب میں تو اسی پر اپنے افعال کی بنیاد رکھ دوں گا۔ نظام الملک نے یہ کتاب خاص دربار کے لئے لکھی تھی اور پھر اُسے بادشاہ کے حضور پیش کیا تھا انشاء اللہ یہ کتاب مقبول ہوگی اور اس کو ایسی مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے گی کہ ہر بادشاہ اور ہر صاحب امر مجبور ہوگا کہ اسے (اس کتاب کو) اپنے پاس رکھے اور اس پر کاربند ہو۔ یہ ایسی نادرہ روزگار اور لاثانی کتاب ہے کہ اسے جس قدر تعمق اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا دینی اور دنیاوی، مذہبی اور سیاسی امور میں اسی قدر بیداری اور روشن فکری حاصل ہوگی۔ مملکت داری اور تدبر کی راہیں اتنی ہی کشادہ ہوں گی۔ اور درگاہ و بارگاہ دیوان و مجلس اور ملکی معاملات اور قائدین لشکر سے متعلق ساری چیزیں واضح تر اور روشن تر ہوں گی۔ اس کتاب مستطاب کے مطالعہ کا ایک اثر یہ بھی ہوگا کہ رئیس مملکت کو رتی رتی کی خبر رہا کرے گی اور نزدیک و دور ہر سمت اس کی نظر پڑا کرے گی۔

یہ حیرت انگیز کتاب پچاس ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب

گردشِ روزگار اور مدح خداوند عالم،

اشارات

ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ مخلوقِ خدا میں ایک سے ایک ایسے شخص کو چُن لیتا ہے جسے وہ شاہی اوصاف حمیدہ اور اچھی اور قابل تعریف صلاحیتوں سے نواز دیتا ہے۔ اس خاص شخص کی ذات سے دنیا کی بھلائیاں اور مخلوق کی راحت وابستہ ہو جاتی ہیں اور فساد اور فتنہ اور پراگندگی بھی صرف اسی کی ذات کے اثر سے ختم ہو پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاص شخص کا وقار بھی لوگوں کی نگاہوں میں قائم کر دیتا ہے۔ ان خدائی نصرتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کے بادشاہ کے زمانہ میں عدل اور انصاف کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اور امن اور چین سے جئیں۔ اور بادشاہ کی درازی اقبال کی دعا کریں۔ خدا نہ کرے کہ یہ نوبت آنے پائے کہ بادشاہ کو مجبوراً ان لوگوں کو سزا دینی پڑے جو ممکن ہے اسلامی شریعت کی توہین کر بیٹھیں یا خدائی احکام کی بجا آوری میں ان سے کوتاہیاں سرزد ہونے لگیں۔ خدا اس بدبختی سے ملت کو دور رکھے۔ اگر لوگ بدکردار ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب اور اس کی نازل کردہ رسوائی اپنی لپیٹ میں بہر صورت لے ہی لیتے ہیں ایک نتیجہ اس کا اور ... ہوتا ہے ان لوگوں کو اللہ نیک اور عادل بادشاہ کے وجود سے محروم کر دیتا ہے؛ باہمی اختلاف اور نزاع کی تلواریں بے نیام ہو جاتی ہیں۔ خون بہایا جاتا ہے اور پھر وہ معاملہ درپیش آتا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس! اس دور پر آشوب میں یہ بدکردار بھی آخر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال وہی جنگل کی آگ کی مثال ہوئی کہ اس وقت خشک اور تر تمام ہی چیزیں راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہیں۔ خشک چیزیں تو جلنی ہی ہیں مرطوب اور تر چیزیں بھی، خشک چیزوں کے قریب ہونے کے باعث جل اُٹھتی ہیں! یعنی وہی مثل صادق آتی ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسا کرتا ہے۔ قدرت کا نظام کچھ ایسا ہے کہ اللہ اپنے

ایک خاص بندہ کو حکومت اور دولت بخشتا ہے۔ اقبال مندی بھی عطا کرتا ہے۔ ساتھ ہی اسے علم وآگہی اور عقل وفراست سے بھی نوازتا ہے۔ اور یہ اسی علم وعقل کا طفیل ہوتا ہے کہ نظام زندگی برہم نہیں ہوتے پاتا اور ہر شخص کو (اسلامی سوشلزم کی روشنی میں) اس کی لیاقت اور استعداد کے مطابق معاشرہ میں جگہ ملنے لگتی ہے۔ بادشاہ اپنی فراست کے بل بوتے پر اپنا نظام حکومت چلانے کے لئے مناسب ذہانتوں اور لیاقتوں کا انتخاب کرتا ہے۔ اور پھر دینی اور دنیاوی مہموں کو چلانے کی خاطر حکومت کے مقرر کردہ عمال پر اعتماد بھی کیا جاتا ہے۔ رعایا یعنی عوام کو ہر قسم کے مصائب سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ ایک طرف تو وہ اپنے اپنے مشاغل میں لگے رہیں اور دوسری طرف عدل اور انصاف کے خوشگوار ماحول میں زندگی کی آسائش کا لطف اٹھائیں۔ حکام میں اگر کسی شخص سے کوئی بے انصافی یا حماقت سرزد ہو تو اسے تنبیہہ کرنی چاہیئے، اب اگر یہ شخص تنبیہہ کا اثر قبول کرے تو اسے اسکی جگہ قائم رہنے دیا جائے لیکن اگر یہ (شخص) اس تنبیہہ کا اثر نہ لے تو اسے اسکی جگہ سے ہٹا دیا جانا چاہیئے اور اسکا منصب کسی دوسرے کو سونپ دینا چاہیئے۔ رعیت کے افراد میں بھی اگر کچھ لوگ امن وآسائش کی ناقدری کرتے ہوئے سرکشی پر آمادہ ہو جائیں یا اُن کے دلوں میں کھوٹ پیدا ہو جائے اور وہ اپنی حدوں سے تجاوز کرنے لگیں۔ تو ان لوگوں کو ان کے افعال کی مناسبت سے سزا دینی چاہیئے۔ ان سے ان کے جرائم کے پیش نظر جواب طلب کرنا چاہیئے اور پھر معاملہ سے درگزر کرنا چاہیئے اس کے بعد ایسی چیزوں کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے جو تعمیری کاموں کے ضمن میں آتی ہیں۔ پانی کی نکاسی کے لئے بدرو اور گٹر کھدوانا، مفید نہریں جاری کروانا، بڑے بڑے دریاؤں پر پل بندھوانا، غیر مزروعہ اور مزروعہ علاقوں کو آباد کرانا۔ قلعے، شہر، عظیم الشان عمارتیں، خوب صورت اور حسین وجمیل دیوان خانے شاہراہوں پر سرائیں تعمیر کرانا، یہ سب ملک کو آباد کرنے اور شہریوں کی بھلائی کے کام ہیں۔ بادشاہ ان مذکورہ بالا تعمیری کاموں میں دل چسپی لے گا۔ تو نتیجہ ظاہر ہے اس کا نام ہمیشہ زندہ اور باقی رہے گا اور آخرت میں اسے ان کاموں کا اجر وثواب بھی ملے گا۔ اور مستقل طور پر لوگ اسے دعائے خیر میں یاد کریں گے۔ چنانچہ تقدیر الٰہی اور منشاء ایزدی نے جب یہ پسند کیا کہ یہ عہد بھی پچھلے ادوار تاریخ کی طرح تابناک ہو اور ماضی کے سلاطین کے کارنامے پھر سے زندہ ہو جائیں اور مخلوق خدا ایسی زندگی سے بہرہ اندوز ہو جو اس سے پہلے اس کے نصیب میں نہ آئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے جب یہ سب چاہا تو وہ منظر عام اور منصۂ شہود پر ایک عظیم المرتبت شخص کو، یعنی خداوند عالم، سلطان اعظم، کو لے آیا۔ یہ وہ شخصیت

ہے جو خاندانی طور پر اپنے جدّ افراسیاب تک، شاہی اور قیادت و سربراہی کے اوصاف سے بھرپور ہے۔
اس بادشاہ کو ایسی ایسی عظمتیں اور ایسی ایسی بزرگیاں عنایت فرمائی گئی ہیں کہ پچھلے زمانہ کے بادشاہوں کو وہ نصیب نہ ہوئی تھیں۔ بادشاہوں اور کجکلاہوں میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ سبھی میرے بادشاہ میں موجود ہیں۔ پاکیزہ شخصیت اور اخلاق عالیہ بھی، عدل گستری، شجاعت، دلیری اور اسپ سواری کی مہارت بھی، دانش و آگہی بھی، مختلف اسلحہ کے استعمال کی استعداد و لیاقت بھی، فن کی قدردانی بھی، اور رحم و مروت اور پاسِ وعدہ بھی اور صحیح الاعتقادی اور دین داری، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی، تہجد گذاری بھی اور رمضان کے علاوہ روزہ داری بھی، اہل علم کی حرمت بھی اور زُہّاد (زاہد کی جمع) اور عابدانِ شب زندہ دار، نیکوکار اشخاص اور فلسفی حضرات کی تکریم بھی صدقات دہی اور خیرات دہی اور فقراء سے حُسنِ سلوک بھی، ماتحتوں اور خادموں پر شفقت بھی اور ستمگاروں اور ظالموں سے سختی کا طور بھی۔ بغرض آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری، یہ رہا میرا بادشاہ اپنی ان صفات شاہانہ کے ساتھ! شاید یہ اسی لیاقت اور ہنر کی جزا تھی، اور اس کا انعام تھا کہ اللہ نے دینی اور دنیوی نعمتوں سے خداوند عالم کو مالا مال کر دیا ہے۔ آج بادشاہ کی ہیبت، اس کا جلال اور اس کی سیاست کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے۔ آج ایک عالم اس دربار کا باجگذار ہے۔ اس سے (بادشاہ سے) قریب آنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ امن اور امان پا جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خلفاء کو اگر ملک و اقلیم میں وسعت بھی حاصل ہوئی ہے۔ اور ان کی قلمرو میں پھیلاؤ بھی پیدا ہوا ہے تو اس کے باوجود انھیں ہمیشہ باغیوں اور انقلابیوں کے منظر عام پر آنے کا دھڑکا لگا رہا ہے۔ الحمد للہ کہ اس عہد میں کسی کو یہ مجال اور یہ تاب اور یہ طاقت نہیں کہ حکم عدولی کے بارے میں سوچ سکے، یا فرمانبرداری سے منہ موڑ سکے۔ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو قیامت تک قائم رکھے اور مملکت کی سالمیت کو نظر بد سے بچائے رکھے تاکہ عوام اور خواص سب ہی بادشاہ کے عدل اور اس کے تدبّر کے سائے میں زندگی بسر کر سکیں اور مستقل طور پر بادشاہ کے لئے نیک دُعائیں کرتے رہیں۔ حکومت ایک مرکزی ادارہ ہے۔ اس لئے لوگوں میں علم و آگہی، اور عقل و دانش اور خیر و شر کی تمیز، ان تمام باتوں کا دارو مدار حکومت پر ہوگا۔ حکومت میں اگر دانائی اور تدبر ہے تو یہ دانائی ایک ایسی شمع کے مانند ہوگی جس کی تیز لو سے بزم کی بزم چراغاں ہو جائے گی۔ اور اس روشنی میں قوم کو راہ سجھائی دے سکے گی، اور اہل قوم بھٹکنے نہ پائیں گے (دراصل سچی بات ہے انھیں (اہل قوم کو) کسی،

دوسرے راہنما کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوگی۔ خداوند (مراد پادشاہ) کے بلند خیالات عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہیں۔ خدّام بارگاہ کو بھلا بادشاہ کے انکار عالیہ سے کیا نسبت!

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع تصوّرِ ملکوتی و فکر ہائے بلند

(اقبال)

اس بندہ سے ارشاد ہوا تھا کہ ان شاہی صفات اور لوازم کے بارے میں جو ہر صورت ایک پادشاہ ذادگستر میں ہونی چاہئیں ایک باضابطہ تحریر پیش کروں۔ ایک ایسی تحریر جس میں ان فروگذاشتوں کا بھی تذکرہ ہو جو اس دور میں، اس عہد میں، سرزد ہو رہی ہیں اور جس میں شاہی آداب کی رو سے اچھی اور بُری سب طرح کی صفات کا جائزہ بھی ہو، لہذا فرمان اعلیٰ کے مطابق میں نے اپنے مشاہدات، تجربات اور مطالعہ کا حاصل ان چند ابواب میں پیش کر دیا ہے۔ ہر باب میں اس کی مناسبت سے مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ زبان انتہائی واضح اور سادہ استعمال کی گئی ہے۔ اس میں کامیابی صرف اتنی ہوئی ہے کہ حقیقی خدا نے توفیق بخشی ہے۔

****

دوسرا باب

تاجداروں کا جذبہ شکر نعمت

اشارات

حکمرانوں کو جو چیز قائم رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے اللہ کی یہ رضا اور خوشنودی احسان (عمل نیک) میں مضمر رہتی ہے۔ اس کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ عدل گستری اور انصاف پرستی ہے۔ رعایا اور مخلوق خدا سے جب کبھی سلوک نیک کیا جائے گا اور ان پر ظلم وستم نہیں ہونے دیا جائے گا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مخلوق بادشاہ کے لئے دعائے خیر کرے گی۔ اور یہی دُعائیں مملکت کے استحکام کا موجب ہوں گی۔ اور بادشاہ وقت اس دنیا میں نیک نام اور اچھی شہرت

سے اور اُس دنیا میں نجات سے بہرہ اندوز ہو اور حشر کے دن جب اس کا محاسبہ ہو تو وہ سرخرو ہو۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ "کفر کے باوجود ملک باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم و جور جس ملک میں راہ پا گیا اس کو بقا نہیں"، اس کا مفہوم یہی ہے کہ ظلم و ستم کفر سے زیادہ ہلاکت آفرین ہوتے ہیں اور ان سے ملک کے ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔

حکایت

احادیث میں آیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اس عالم فانی سے عالم جاودانی رحلت فرما ہو رہے تھے، اس وقت آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کے جنازہ کو آپ کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار کے قریب لے جایا جائے اور وہاں اسے سپردِ خاک کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن جس وقت مقبرہ ابراہیمی کے قریب یوسفی تابوت کو لایا گیا حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے اس دفن پر اعتراض کیا اور کہا کہ چونکہ یوسف علیہ السلام نے پیغمبری کے علاوہ بادشاہی بھی کی ہے اور انہیں روزِ قیامت مملکت داری کا حساب چکانا ہے لہٰذا ان کو ابراہیم علیہ السلام کے روضہ میں جگہ نہیں دی جا سکتی۔ جب حضرت یوسف کے معاملے میں یہ ہو سکتا ہے تو اوروں کے باب میں قیاس کیا جا سکتا ہے!

٭٭٭٭٭٭٭٭

حدیث۔ رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ روزِ حشر ہر اس شخص کو از سرِ نو حاضر کیا جائے گا جسے اس دنیا میں کسی نہ کسی قسم کی حکومت حاصل رہ چکی ہے گویا انسانی تاریخ کے جملہ ادوار کے چھوٹے بڑے حکام ایک جگہ جمع ہوں گے۔ ان کا عالم یہ ہوگا کہ ان سب کے ہاتھ ان کی گردنوں سے پیوست اور حائل کر دیئے جائیں گے اگر سب کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ ہوگا۔ ان حکام کو جن کے بارے میں ثابت ہو جائے گا کہ یہ اس دنیا میں عادل اور منصف رہ چکے ہیں ان کے ہاتھ کھول دیئے جائیں گے اور وہ جنت الفردوس میں داخل ہو جائیں گے لیکن جن شورہ بختوں پر انصاف سے گریز ثابت ہوگا وہ اسی عالم میں یعنی دست بہ گردن بستہ جہنم کے شعلہ ہائے سوزاں کی نذر کر دیئے جائیں گے۔

حدیث۔ ایک اور حدیث نبوی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر اس شخص سے جسے کسی قسم کا بھی تحکم حاصل رہ چکا ہوگا۔ خواہ اس کا یہ تحکم تمام خلق پہ رہا ہو یا کسی خاند

کے افراد پر یا اپنے ہی زیر دستوں پر، اس سے پرسش ضرور ہوگی۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی گلہ
بان کے سپرد کسی گلہ کی نگہداشت اور پاسبانی ہے تو اس سے بھی اس کے بارے میں پورا
پورا حساب لیا جائے گا۔

حدیث۔ حضرت عمر بن الخطابؓ پر جب نزع کا عالم طاری ہوگیا اور آپ اس دنیا سے سدھارنے
کو ہوئے تو عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا کہ اب باپ بیٹے کی ملاقات کہاں
اور کب ہو سکے گی؟ باپ نے جواب دیا "بیٹے اب تو دوسری دنیا ہی میں ملاقات ہوگی" "لیکن
میں تو اتنی تاخیر برداشت نہ کر سکوں گا۔ ملاقات ذرا جلد ہونی چاہیئے" ابن عمرؓ نے کہا "تو
پھر پہلی یا دوسری یا تیسری شب کو ——— مجھے خواب میں دیکھو گے" مرنے والے نے دلاسا دیا
اب بیٹے نے دیدار پدر کا انتظار شروع کر دیا۔ تین شب چار شب کا کیا ذکر بارہ سال گذر گئے
مگر بیٹے کو باپ کی زیارت نہ نصیب ہوئی۔ خدا خدا کر کے بارہ سال بعد عبد اللہؓ کو یہ شرف
حاصل ہوا۔ قدرتی طور پر بیٹے نے شکایت کرتے ہوئے کہا "آپ نے تو فرمایا تھا کہ دوسرے
ہی تیسرے دن دیدار بخشیں گے۔ یہاں بارہ سال بیت گئے اور اب آپ نظر آئے ہیں"
حضرت عمرؓ کا جواب ملاحظہ ہو:۔

"بیٹے مت پوچھو کہ اس مدت میں بہت مشغول رہا۔ واقعہ یہ تھا کہ میرے دور امارت میں سواد
بغداد میں ایک پل گر گیا تھا لیکن اس سلسلہ میں ذرا بے احتیاطی برتی گئی تھی۔ چنانچہ ایک بکری
کے بچہ کی ٹانگ اس ویران شدہ پل کے ایک سوراخ میں پھنس کر ٹوٹ گئی تھی۔ گویا یہ ظلم اس
بے زبان پر اس لئے ہوا کہ پل کی مرمت کے سلسلہ میں مقامی ارباب حل و عقد نے غفلت برتی۔ میں
اسی غفلت کا آج تک خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ اس کا اب تک جواب دے رہا ہوں! خداوند
عالم (مراد بادشاہ یا حاکم وقت) کو جاننا چاہیئے کہ روز قیامت انھیں اپنی ان کارگذاریوں
کی تفصیل بتانی پڑے گی جو بحیثیت حاکم کے انھوں نے اپنی رعایا کے حق میں انجام دی ہیں۔
اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ سارا حساب کتاب براہ راست انہی سے ہوگا کسی اور سے نہیں
حاکم اعلیٰ کا فرض ہے کہ جہانبانی اور حکمرانی کا یہ اہم فریضہ وہ کسی دوسرے کو نہ سونپے اور
جہاں تک ہو سکے مخلوق خدا سے غافل نہ رہے حاکم کا اصل فرض یہ ہے کہ مخلوق کے علانیہ

اور در پردہ حالات سے آگاہ رہے۔ ظالموں کو ظلم کرنے سے باز رکھے۔ دست درازی اور زبردستی کرنے والوں کو سزا دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ خداوند عالم کا دور بابرکت دور ثابت ہوگا اور ان کی حکومت کی بنیادیں مضبوط و پائدار ہو جائیں گی۔ اور انھیں اللہ کی نصرت نصیب ہو جائے گی۔

تیسرا باب
بادشاہوں کا عدل و انصاف

اشارات

بادشاہ کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہفتہ میں کم از کم دو دن ضرور اور عوام کی فریادیں اور ملت کے افراد کی التجائیں سننے کے لئے دربار منعقد کرے اور ظالموں سے مظالموں کا حق انھیں واپس دلوائے۔ اور بنفس نفیس اور براہ راست قوم کا دکھ درد سنے البتہ بادشاہ کے حضور میں محض اہم قسم کے مقدمات پیش ہونے چاہئیں اور ہر درخواست پر بادشاہ کو اپنے احکامات صادر کرنے چاہئیں۔ بادشاہ کے، ہفتہ میں یوں دو دربار عام منعقد کرنے اور فریادیوں کو اپنے روبرو بلا کر ان کی شکایتیں سننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ظالم لوگ۔ اور غریبوں اور لاچاروں کو ستانے والے لوگ خوف زدہ ہوں گے اور انھیں ظلم و ستم کی جرأت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ آخر انھیں سزا کا خوف تو لاحق رہے گا۔

حکایت

قدیم تاریخی کتابوں میں میں نے پڑھا ہے کہ عجمی سلاطین عموماً ایک بلند قسم کی چبوترہ نما عمارت بنوایا کرتے تھے اور اس عمارت کی بلندی پر چڑھ کر اپنے گھوڑوں کی پشت پر کھڑے ہو جاتے تھے اور ظاہر ہے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر تو وہ اور بھی بلند ہو جاتے تھے، کھلے میدان میں جمع ہونے والے جملہ فریادیوں کو بادشاہ

ایک نگاہ میں دیکھ لیتے ہیں اور ایک ایک کی شنوائی کرتے تھے۔ کھلے میدان میں عدالت کرنے کا مدعا او مقصد یہ تھا کہ اگر بادشاہ کسی بند کمرہ میں، ڈیوڑھی میں یا محل وغیرہ میں ہوگا تو بہت ممکن ہے اہل غرض اور ظالم لوگ کسی مظلوم کو اندر جانے سے روک دیں۔ اور بیچارہ مظلوم انصاف سے محروم رہ جائے۔

حکایت

میرے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ ایک بادشاہ تھا جو اونچا سننے لگا تھا۔ اسے خیال ہوا کہ ممکن ہے ترجمان جو فریادیوں کی شکایت اس کے سامنے پیش کرتے ہیں بے ایمانی اور جھوٹ پر اتر آئیں اور اصل بات کو توڑ مروڑ کے پیش کرنے لگیں اور یوں اسے واقعات کی اصلیت کا علم ہونے سے رہ جائے اور وہ غلط فیصلہ کر ڈالے اس خیال سے بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ تمام فریادی سرخ لباس پہنیں اور یہ سرخ لباس صرف وہ لوگ جنھیں کوئی شکایت اور نالش کرنی ہو، استعمال کریں، کوئی دوسرا نہ پہنے۔ تاکہ میں فوراً پہچان جاؤں کہ حق کن لوگوں کا پامال ہوا ہے۔ یہ بادشاہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر کھلے میدان میں نکل آتا تھا۔ اِدھر اُس نے کسی کو سرخ لباس میں دیکھا اور اُدھر اُس نے اس کے (سرخ لباس پہننے والے کے) حاضر کئے جانے کا حکم نافذ کیا۔ فریادی آتے جاتے تھے۔ اور اپنا اپنا حال کہتے جاتے تھے اور بادشاہ ایک ایک کو منصفانہ فیصلے سے نوازتا جاتا تھا۔ یہ ساری حسبتیں اور تدبیریں آخرت کے لئے ہیں اور اس لئے ہیں کہ بادشاہوں کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

حکایت

آل سامان میں ایک حکمراں امیر عادل بھی تھا۔ امیر عادل کو اسمٰعیل ابن احمد بھی کہتے تھے۔ یہ امیر عادل اسم بامسمّیٰ تھا یعنی واقعی بے حد منصف اور عادل تھا۔ امیر عادل میں بے شمار پسندیدہ عادات تھیں۔ اسے اللہ بزرگ و برتر پر حد درجہ بھروسہ تھا۔ مسکینوں پر امیر کی خاص نظر کرم و عنایت رہتی تھی اور اس کی بہت سی مثالیں امیر کی سیرت میں ملتی ہیں۔ امیر عادل کا مستقر بخارا تھا۔ خراسان۔ عراق اور ماوراء النہر (لغوی مطلب: دریا کے اس پار، مراد جیحوں کے اس پار کا ایک حصہ۔ مترجم) پر امیر کے اجداد قابض چلے آتے تھے۔ یعقوب لیث (لیث کا لغوی مطلب شیر ہے۔ مترجم) نے سیستان کے علاقہ سے بغاوت کا علم بلند کیا اور دیکھتے دیکھتے پورے سیستان پر چھا گیا۔ ساتھ ہی یہ داعیوں (اسماعیلی مذہب کے مبلغوں) کا نامو کو بھی گیا۔ اور ان کے فریب میں آگیا۔ اور یوں

اسمٰعیلیوں کی بنائی ہوئی شریعت میں داخل ہو گیا۔ اب اس نے خلیفۂ بغداد کے خلاف سوچنا شروع کر دیا۔ اس کے دل میں یہ آئی کہ خلیفہ کو ختم ہی کر دے۔ اور آلِ عباس کو تباہ کر دے۔ خلیفہ کو یعقوب کے ارادوں اور اُس کے عزائم کا علم ہو گیا۔ خلیفہ نے اپنا نمائندہ بھیج کر یعقوب کو سمجھانے کی کوشش کی کہ تجھے بغداد سے کیا سروکار، بہتر ہے کہ تو کوہستان، عراق اور خراسان کے علاقوں ہی پر قانع رہے اور انہی علاقوں پر اپنی حکومت قائم رکھ۔ تاکہ تیرے دل میں باغیانہ جذبات نہ پیدا ہوں۔ مگر یعقوب بھلا کب کسی کی ماننے والا تھا! فوراً کہلا بھیجا کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں بارگاہِ خلافت میں حاضری دوں اور اظہارِ بندگی کروں اور تجدیدِ عہدِ وفاداری سے بہرہ اندوز ہوں۔ اور یہ میں ضرور کروں گا۔ خلیفہ نے لاکھ یعقوب کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سلسلہ میں کوششیں بے سود رہیں۔ غرض یعقوب اپنی فوج کے ساتھ بغداد کی جانب چل پڑا۔ خلیفہ کے دل میں شکوک پیدا ہونے لگے۔ مقربینِ بارگاہ کو بلا کر اس نے کہا کہ مجھے ایسا نظر آ رہا ہے کہ یعقوب لیث باغی ہو چکا ہے اور یہاں وہ بڑی بُری نیت سے آ رہا ہے۔ ظاہر ہے میں نے اسے طلب تو کیا نہیں۔ لاکھ اس سے لوٹ جانے کو کہتا ہوں مگر وہ سُنتا کس کی ہے! بہر صورت یعقوب کے ارادے نیک نہیں معلوم ہوتے، میرا خیال ہے اُس نے باطنیوں کی بیعت قبول کر لی ہے اور جب تک بغداد پہنچ نہ لے گا وہ اس کا اظہار نہ کرے گا۔ ہمیں اس کی طرف سے چوکس رہنا چاہیئے۔ اب ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس موقع پر کون سا اقدام مناسب اور صحیح ہو گا۔ سب کی رائے یہ ٹھہری کہ خلیفہ شہر میں نہ مقیم رہے اور شہر کے باہر کھلے میدان میں نکل آئے۔ اور وہیں اپنا شاہی پڑاؤ ڈال دے۔ اور خلیفہ کے وزراء اور مشیرانِ درباری اور قائدینِ لشکر سب کے سب اس کے ساتھ رہیں۔ اب جب یعقوب اپنی فوج کے ساتھ یہاں پہنچے گا تو خلیفہ کو ایک کھلے دشت میں، اور شہر سے باہر دیکھ کر، اُسے احساس ہو گا کہ اُس کے منصوبے غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی امیر المومنین کو بھی یعقوب کی بغاوت کا احساس ہو جائے گا۔ اور جب دونوں لشکروں کے افراد ایک دوسرے سے مل ملائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ عراق اور خراسان کے تمام کے تمام سردار خلیفہ کے خلاف نہیں اور ان میں سے اکثر یعقوب کی بغاوت میں شرکت کرنے سے معذوری ظاہر کر دیں گے۔ فرض کیا جائے کہ یعقوب حملہ کے خیال سے آتا ہے تو تدبیروں اور فوجی چالوں سے اس کے لشکر کو شکست دی جا سکتی ہے اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو کم از کم یہ تو نہ ہو گا کہ خلیفہ اور اس کے ہمراہی اپنے کو شہر کے اندر محصور اور مقید پائیں۔ یعنی فرار کی راہ بہر حال کھلی رہے گی۔ امیر المومنین نے جب اس اسکیم کو منظور کر لیا تو ایسا ہی کیا گیا۔ یہ خلیفہ جس کا ذکر ہے، المعتمد علی اللہ احمد تھا۔ یعقوب نے

بغداد پہنچ کر اپنی صفیں بالکل لشکرِ خلافت کے روبرو آراستہ کیں. جب دونوں لشکروں میں بہت کم فاصلہ رہ گیا تو یعقوب کے ارادے بالکل ہی ظاہر ہو گئے. وہ بغاوت کے ارادے سے آیا تھا. اب یعقوب نے خلیفہ کی خدمت میں اپنا آدمی بھیجا اور اس سے یہ کہلوایا کہ ہمیں بغداد سونپ دو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ. خلیفہ نے دو مہینوں کی مہلت مانگی، مگر یعقوب نے خلیفہ کو اتنی مہلت بھی نہ دی! رات آئی تو خلیفہ نے یعقوب کی فوج میں اپنا ایک خاص آدمی بہت ہی خفیہ طور پر روانہ کیا، اور یعقوب کے فوجی سرداروں سے یہ کہلا بھیجا کہ یعقوب کے ارادے ظاہر ہو چکے ہیں اور اس شخص نے ملحدوں اور منکروں سے، جن سے اللہ بیزار رہتا ہے، اپنا اتحاد قائم کر لیا ہے اور یہاں اس نیت سے آیا ہے کہ ہمارے خاندان سے خلافت چھین لے اور ہمارے مخالفوں کو مسندِ خلافت پہ بٹھا دے. اب بتاؤ کہ کیا تم لوگ بھی یعقوب کا ساتھ دو گے؟ اب ایک طبقہ نے تو یہ کہا کہ ہم یعقوب کے نمک خوار ہیں اور آج ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہے یہ سب اسی کی مہربانی ہے ہم تو اسی کے کہنے پر عمل کریں گے مگر یعقوب کی فوج کی اکثریت نے اس بات کا اظہار کیا کہ اُنھیں تو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ یعقوب کا ارادہ خلیفہ سے بغاوت کا ہے. ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ جس وقت دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوگا یہ لوگ خلیفہ کے ساتھ آملیں گے اور اسے فتح و نصرت دلانے میں اس کی مدد کریں گے. خلیفہ المعتمد کو قائدین لشکر کے بارے میں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی. اب اُس نے (خلیفہ نے) یعقوب کے پاس پھر پیغام بھیجا کہ اب جبکہ تیرا عزم ظاہر ہو چکا ہے ہمارا فیصلہ تلوار کرے گی اور مجھے اس سے کوئی ہراس نہیں کہ میرے پاس جو لشکر ہے اس کی تعداد کم ہے اور تو ایک بھاری فوج کے ساتھ چڑھ کے آیا ہے. پھر کیا تھا خلیفہ کے لشکر نے ہتھیاروں سے اپنے کو لیس کر لیا. اور اعلان جنگ کر دیا گیا. میدان میں دونوں فوجوں کی صفیں آراستہ ہو گئیں. یعقوب نے جب یہ دیکھا تو پکار اٹھا، لو میرے دل کی مراد بر آئی اب. یعقوب نے بھی طبل جنگ بجوا دیا. یعقوب کی کل فوج پہلے تو صحرا کی وسعتوں میں چھپ گئی اور پھر بالکل لشکرِ خلافت کے روبرو صف آرا ہو گئی. اِدھر یہ ہوا اور اُدھر سے خلیفہ بنفسِ نفیس آگے بڑھا اور بالکل بیچوں بیچ کھڑے ہو کر اس نے ایک بلند آواز میں اعلان کرنے والے شخص کو طلب کیا. یعقوب لیث بھی سامنے ہی کھڑا تھا. اس اعلانچی سے خلیفہ نے کہا کہ وہ بلند آواز میں پکار کر کہے کہ: اے مسلمانو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یعقوب باغی ہو چکا ہے اور یہاں اس نیت سے آیا ہے کہ ہمارے خاندان کو ختم کر دے اور شہر مہدیہ سے کسی کو لا کر خلافت کی مسند پر بٹھا دے. اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کا مذہب تباہ ہو جائے اور طریق پیغمبر یعنی سنت کی جگہ بدعت لے لے. اب

(آج کے دن) جو بھی رسولِ خدا کے خلیفہ یعنی المعتمد کی نافرمانی کرے گا وہ گویا حقیقت میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے: "اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی اطاعت و فرمانبرداری (بھی) کرو جنھیں حکومت سونپی گئی ہے اب وہ کون لوگ ہیں جو جہنم کو جنت کے عوض پسند کریں گے۔

خلیفہ نے یہ بھی اعلان کروادیا: اے مسلمانو: حق کی مدد کرو، اور باطل سے اور ناحق سے منہ موڑ لو۔ تم ہمارے ساتھ رہو۔ ہمارے دشمنوں کے ساتھ نہیں۔ یعقوب کے آدمیوں نے جب یہ تقریر سُنی تو بولے: ہمیں کیا معلوم تھا کہ یعقوب اس ارادہ سے آیا ہے ہم اہلِ خراسان تو اب تک یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ یعقوب کی یہ نقل و حرکت باغیانہ نہیں اطاعت شعارانہ ہے۔ اب جبکہ یعقوب کی بغاوت منظرِ عام پر آچکی ہے ہم سب خلیفہ کے ساتھ ہیں۔ اور جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم خلیفہ کی طرف سے جنگ کرتے رہیں گے، خلیفہ کی قوت میں اضافہ ہو ہی چکا تھا۔ یعقوب پر ادھر سے زبردست حملہ کردیا گیا اور پہلے ہی حملہ میں یعقوب کی طاقت کا بھرم کھل گیا۔ وہ اب خوزستان (ایران کا جنوبی حصہ) کی جانب بھاگ گیا۔ اس کا تمام خزانہ لوٹ لیا گیا۔ اور خلیفہ کی فوج مالامال ہو گئی۔ خوزستان پہنچ کر یعقوب نے پھر ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیئے اور ایک فوج جمع کرلی۔ یعقوب نے اپنے گماشتوں کو بُلا بُلا کر ان کی جیبیں سیم و زر سے بھر دیں۔ اتنا دیا یعقوب نے ان لوگوں کو کہ عراق اور خراسان کے خزانوں سے رقوم منگانی پڑیں۔ غرض داد و دہش کا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو گیا۔ خلیفہ کو جب علم ہوا کہ یعقوب نے خوزستان میں پھر سے فوج جمع کرنا شروع کردی ہے تو اُسی وقت اپنے ایک نامہ (پیغام) کے ساتھ قاصد کو بھیجا۔ پیغام کا خلاصہ یہ تھا: ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ تو ایک سادہ لوح اور اصولاً ایک نیک شخص ہے۔ دوسروں کے بہکانے میں آگیا اور یہ نہ سوچا کہ انجام تیرا کیا ہوگا۔ بہرحال یہ تو دیکھ ہی لیا تو نے کہ اللہ کے حکم سے تو نے اپنے کئے کی سزا پائی اور خود تیری ہی فوج تیری شکست کا باعث بنی۔ یہ ایک بڑی بھاری غلطی تھی جو تجھ سے سرزد ہوئی ہمیں یقین ہے کہ اب تجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا اور تیری آنکھیں کھل چکی ہوں گی ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ تو اپنی بغاوت پر نادم و پشیمان ہوگا۔ اس کے پیشِ نظر ہم تجھے عراق اور خراسان کا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔ ان علاقوں کی امیری تجھ سے زیادہ زیب بھی کسے دیتی ہے۔ یوں بھی تو مستحق اسی بات کا ہے کہ تجھے نوازا جائے۔ چنانچہ تیری پچھلی خدمات کے پیشِ نظر ہم اس خطا کو معاف کئے دے رہے ہیں گویا

کہ تو نے یہ گناہ ہی نہیں کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کو بالکل ہی بھلا دیا جائے اس لیے کہ ہم نے بھی تو تجھے کسی قسم کی مزید سزا دینے کا خیال ترک کر دیا ہے۔ یعقوب کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد عراق اور خراسان چلا جائے اور اپنے صوبے کی اصلاح میں مشغول ہو جائے۔ یعقوب پر اس خط کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسے اپنے افعال پر ذرا ندامت نہ ہوئی۔ رہا اس نامۂ خلافت کا جواب تو یعقوب نے ایک چوبیں (لکڑی کی بنی ہوئی) سینی پر چند سبزی جات، مچھلی اور پیاز کی گانٹھیں رکھوائیں اور پھر خلیفہ کے نمائندہ کو طلب کر کے اس کی طرف یوں مخاطب ہوا۔ خلیفہ سے کہنا کہ میں ایک لوہار کا بیٹا ہوں میرے باپ نے مجھے روئی گری اور فولاد سازی کا کام سکھایا ہے۔ میں چاہوں تو جو کی روٹی، مچھلی، سبزی جات اور پیاز پر گزارہ کر لوں۔ بلکہ میں یہی چیزیں کھاتا ہوں۔ اور مجھے جو یہ شاہانہ ساز و سامان حاصل ہیں۔ خزانہ ہے میرے پاس اور آلات جنگ ہیں۔ یہ سب میری اپنی ہنرمندی اور فراست کا نتیجہ ہیں۔ سلطنت مجھے خاندانی طور پر نہیں ملی۔ اور نہ ہی خلیفہ نے مجھے یہ حکومت بخشی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک خلیفہ کا مقتول سر مہدیہ نہ بھیج دوں گا۔ اور اس کا خاندان تباہ نہ کر لوں گا۔ اور یا تو یہ اپنا عہد پورا کر وں گا اور یا اگر کامیاب نہ ہوا تو وہی نانِ جویں (جو کی روٹی) اور ساگ پات پر پھر آجاؤں گا۔ مجھ پر اس پیغام کا یہ اثر ہوا ہے کہ میں نے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں اور اپنے سپاہیوں کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔ خلیفہ کا ایلچی رخصت کیا جا چکا تھا۔ خلیفہ المعتمد نے ہر چند چاہا کہ یعقوب اپنے ارادوں سے باز آجائے۔ کبھی نامہ و پیام آئے اور کبھی قاصد اور ایلچی مگر یعقوب لشکر اکٹھا کرنے ہی میں لگا رہا اور بغداد حاصل کرنے کے ارادہ سے نکل پڑا۔ یعقوب کو قولنج کا مرض تھا۔ اتفاق سے اسے اس کا دورہ پڑ گیا۔ یہ دورہ ایسا پڑا تھا کہ خود یعقوب کو بچنے کی امید باقی نہ رہی یعقوب کو جب اپنی موت آتی دکھائی دی تو اس نے اپنے بھائی عمرو بن الیث کو اپنا جانشین قرار دے دیا۔ اور خزانوں اور توشہ خانوں کی فہرستیں اس کے حوالے کر کے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ عمرو بن اللیث کوہستان (عراق) کے علاقہ میں لوٹ آیا۔ کچھ دن اس نے وہاں قیام کیا۔ پھر خراسان چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر عمرو نے اپنی بادشاہی کا آغاز کیا۔ اور خلیفہ کی سیاسی بالادستی قبول کر لی۔ یہ عمرو فوج اور عوام میں یعقوب سے زیادہ مقبول ہوا۔ بڑا عالی ہمت، کرم گستر، بیدار مغز اور مدبر تھا یہ شخص اس قدر سخی تھا کہ اس کے شاہی بھنڈار خانہ اور باورچی خانہ کا سامان اٹھانے کے لیے چار سو اونٹ استعمال کیے جاتے تھے۔ جب اس کے باورچی خانہ کا یہ عالم تھا تو دوسری چیزوں کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عمرو کی اطاعت کے باوجود خلیفہ

بغداد کو جیسے یہ دھڑکا سا لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ عمرو بھی اپنے بھائی یعقوب کی راہ نہ چل پڑے اور کل پھر وہی معاملہ نہ پیش آئے جو اس کے ماسبق کے باعث پیش آیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں تک عمرو کا تعلق تھا اس کی نیت یہ نہ تھی لیکن خلیفہ کو تو یہ خطرہ لاحق تھا چنانچہ درپردہ اس نے اپنے ایک نمائندہ اور گماشتہ کے ذریعہ اسمٰعیل ابن احمد کو اس بات پر اکسانے کی کوشش کی کہ وہ عمرو بن اللیث کے خلاف شورش برپا کرے اور اس کے ہاتھوں سے اس کا ملک چھین لے۔ اسمٰعیل ابن احمد کو خلیفہ نے یہ سمجھایا کہ خراسان اور عراق پر اسے تصرف کا زیادہ حق حاصل ہے اس لئے کہ یہ علاقے تو اس کے آباؤ اجداد کے قبضہ میں چلے آتے رہے ہیں اور یہ عمرو بن اللیث وغیرہ نے ان علاقوں پر زبردستی قبضہ جما رکھا ہے۔ ناجائز قبضہ! پھر، خلیفہ نے کہلوایا اسمٰعیل کے اخلاق بلند ہیں اور اسے خلیفہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ خلیفہ نے پیغام میں یہ بھی کہا کہ عراق وغیرہ پر اسمٰعیل کی خاندانی حقیت اس کی بلند اخلاقی اور اسے خلیفہ کی پس پردہ مدد کے حاصل ہونے ہوئے اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اب اس کی کامیابی یقینی بات ہے۔ پیغام میں یہ بھی تھا کہ اسمٰعیل کو اس بات سے نہیں ہراساں ہونا چاہئیے کہ اس کے پاس لشکر تھوڑا ہے اور آدمی کم ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے "کتنے ہی کم تعداد اور اقلیت کے گروہ بھاری تعداد والے یعنی اکثریت کے گروہوں پر فتحیاب ہو چکے ہیں۔ اقلیت کا اکثریت پر یہ غلبہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور اللہ کی نصرتیں ان لوگوں کے شامل حال رہتی ہیں جن میں ثبات اور عزم اور جفاکوشی کی صفتیں ہوتی ہیں" اسمٰعیل پر خلیفہ کا وار چل گیا چنانچہ اس نے (اسمٰعیل نے) پہلے تو اپنا ارادہ پختہ کیا کہ عمرو بن اللیث سے ٹکر لے گا اور پھر اس ارادہ کے بعد اپنے پراگندہ لشکر کو جمع کرنا شروع کیا۔ اب اسمٰعیل دریائے جیحوں کو پار کر کے ادھر آ چکا تھا اس نے اپنے تازیانہ (کوڑا) سے جو گنتی کی تو اس کے سواروں کی تعداد صرف دو ہزار نکلی ہر دو سواروں میں صرف ایک کے پاس ڈھال تھی۔ ہر بیس آدمیوں میں صرف ایک کے پاس جوشن تھا۔ (جوشن ایک ہتھیار ہوتا تھا جو بازو پر باندھ لیا جاتا تھا) ہر پچاس آدمی پر صرف ایک عدد نیزہ تھا۔ بے سروسامانی کا اس فوج کے یہ عالم تھا کہ فوج کے ایک شخص کے پاس سواری ہی نہ تھی اور اس نے زین کے تسمہ سے جوشن کو باندھ دیا تھا اسمٰعیل اپنی اس چھوٹی سی فوج کو دریائے آمو سے اٹھا کر مرو لے آیا۔ اب عمرو لیث کو خبر پہنچی کہ اسمٰعیل بن احمد جیحوں پار کر کے مرو تک آ چکا ہے اور مرو کا کوتوال بھاگ نکلا ہے اور یہ کہ اسمٰعیل طالب تخت و تاج ہے عمرو لیث کو ہنسی آ گئی۔ اسمٰعیل کے متعلق خبر پاتے وقت وہ نیشاپور میں تھا۔ فوراً ایسے ستّر ہزار سوار فراہم کر لئے

کہ سب کے گھوڑے مزین آراستہ اور مرتب تھے۔ فوج کیل کانٹوں سے مکمل طور پر لیس تھی۔ اس جلال و جبروت کے ساتھ لیث بلخ کی طرف مڑ گیا فوجیں جب آمنے سامنے آئیں تو جنگ ہوئی عجیب اتفاق یہ ہوا کہ لیث کو بلخ کے دروازہ پر شکست ہوئی اور اُس کے ستر ہزار سوار یوں فرار ہوئے کہ ان میں کسی کو زخم تک نہ آیا اور ان میں سے کسی کو پکڑا بھی نہ جا سکا۔ البتہ خود لیث پکڑ لیا گیا! جس وقت عمرو لیث کو اسمٰعیل کے سامنے لایا گیا تو اُس نے حکم دیا کہ اسے (لیث کو) دربانوں اور پاسبانوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اب ایک ایسی بات سامنے آئی کہ جسے دنیا کے عجیب و غریب واقعات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہوا یہ کہ تھوڑا سا وقت جب اور گزر چکا تو لیث پر خود اسی کے ایک فراش کی نگاہ پڑ گئی۔ فراش نے اپنے مالک کو اس حال میں دیکھا تو جیسے اُس کا جی بھر آیا۔ یہ لیث کے قریب گیا اور کہا آج رات میں بالکل اکیلا ہوں، آپ میرے ساتھ رہیں۔ لیث نے کہا کہ وہ تو ٹھیک ہے مگر مسئلہ یہاں دوسرا ہے۔ کیا کیا جائے کہ بات بن کیسے نہیں بنتی۔ انسان جب تک زندہ ہے اسے مجبوراً غذا کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ تو میرے کھانے کا کچھ بندوبست کر۔ فرّاش تھوڑا سا گوشت لے آیا۔ ایک سپاہی سے عاریتہً کڑچھا لیا۔ اب یہ ہر طرف دوڑنے لگا۔ جلدی سے اس نے گوبر کے چند خشک اوپلے چنے اور دو تین پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں پر کڑچھے میں گوشت بھوننے کے لئے رکھ دیا، فراش نمک لینے گیا۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور کڑچھے میں منہ ڈال گوشت لیکر یہ جا وہ جا، یوں ہی شام ہو چکی تھی!

کھیر پکائی جتن سے چرخا دیا جلا آیا کتا لے گیا تو بیٹھی ڈھول بجا، (خسروؒ)

اب کتے نے کڑچھے میں جو منہ ڈالا اور ایک ہڈی نکالی تو اُس کا منہ جل گیا۔ سر جو غریب نے نکالنا چاہا تو کڑچھے کا حلقہ کتے کی گردن میں آپھنسا۔ ادھر آگ کی سوزش اُدھر خوف، کتا بُری طرح بھاگا۔ عمرو لیث نے یہ منظر دیکھا تو لشکر کے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ لوگو مجھ سے عبرت پکڑو:-

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

میں وہی ہوں صبح تک جس کے مطبخ (باورچی خانہ) کا سامان چار سو اونٹوں پر لادا جاتا تھا۔ اور آج شام میرے مطبخ کو محض ایک کتا اُٹھائے گیا! اس کے بعد لیث نے کہا "اصبحت امیراً و امسیت اسیراً"، یعنی ابھی صبح تک امیر تھا ہیں اور لو شام ہوئی تو اسیر (قیدی) ہو گیا! یہ واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات میں سے ہے لیکن اس سے بھی کچھ زیادہ عجیب وہ صورت حالات ہے جو لیث کی گرفتاری کے بعد اسمٰعیل اور لیث کے درمیان وقوع پذیر ہوئی۔ لیث کی گرفتاری پر اسمٰعیل نے اپنے فوجی قائدین اور سرداروں کو مخاطب کیا اور کہا: یہ

فتح جو مجھے ملی ہے محض اللہ بزرگ و برتر کی عطا کی ہوئی ہے، اس میں کسی کا ذرہ برابر مجھ پر احسان نہیں۔ اس کے بعد اسمٰعیل نے مزید کہا: تم لوگوں کو جاننا چاہیئے کہ عمرو لیث بہت بڑا جری اور دلاور اور سخی آدمی تھا۔ بیدار مغز، مدبر، روشن فکر، کشادہ دست سبھی کچھ تھا۔ اور میری خواہش تو یہ ہے کہ میں حتی الامکان کسی قسم کی تکلیف اس شخص کو نہ پہنچنے دوں۔ میں چاہتا ہوں عمرو لیث اپنی باقی عمر سکون سے گذار دے۔

عمرو لیث نے اسمٰعیل کی یہ بات سنی تو یہ کہلا بھیجا کہ اگرچہ اسے یقین ہے کہ بقیہ عمر قید ہی میں رہے گا لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ اسمٰعیل کے کسی بھروسے کے آدمی سے چند بڑی ضروری باتیں کہہ دے جو اسے (اسمٰعیل کو) بتادی جائیں۔ اسمٰعیل نے فوراً ہی اپنے ایک خاص آدمی کو روانہ کر دیا۔ عمرو لیث نے اس شخص سے کہا: جاؤ اسمٰعیل سے کہہ دو کہ مجھے اس نے (اسمٰعیل نے) شکست نہیں دی، بلکہ اس کے ایمان، اس کے اعتقادِ راسخ، اس کے اخلاق عالیہ اور خلیفہ کی مجھ سے ناراضگی نے شکست دی ہے۔ یہ ملک اللہ بزرگ و برتر نے مجھ سے لیکر اسے (اسمٰعیل کو) عطا فرما دیا ہے، اب وہ اس نعمت اور اس خوبی (مراد بادشاہی) کا زیادہ مستحق ہے۔ اور میں راضی برضائے الٰہی ہوتے ہوئے اس پر خوش ہوں اور اس کے لئے میرے دل میں خیر سگالی اور خیر اندیشی کے جذبات ہیں۔ اسمٰعیل کو نیا نیا ایک ملک پر قبضہ ملا ہے۔ مگر وہ کس بل بوتے پر حکومت کرے گا۔ اس کے پاس وہ شے تو (مراد دولت)، مفقود ہی ہے جس پر تکیہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں (یعقوب اور عمرو) کے پاس بہت سے خزانے، دفینے اور دولت کے چھپے ہوئے ذخیرے ہیں ان سب کا ریکارڈ یعنی یہ کہ سب کہاں کہاں ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے میرے پاس موجود ہے۔ میں یہ سب اسمٰعیل کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسمٰعیل کو قوت کا منبع ہاتھ آجائے گا۔ وہ سامان جنگ بھی تیار کر سکے گا اور اپنے ملکی خزانوں کو بھی بھر سکے گا۔ لیث نے گنج نامہ کھول کے اسمٰعیل کے آدمی کے حوالہ کر دیا تھا۔ اسمٰعیل کے ہاتھوں میں جب یہ گنج نامہ (یعنی وہ دستاویز جس میں لیث کے گنجہائے گراں مایہ کی تفصیل تھی)، پڑا تو وہ اسے قبول تو خیر کیا کرتا اپنے امراء سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: یہ جو لیث ہے نا یہ بے حد عیار معلوم ہوتا ہے، اتنا کہ اب یہ عقلاء کو بھی جھانسے دینے لگا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اہل عقل بھی عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ گنجنامہ کو اسمٰعیل نے اپنے اسی معتمد کے آگے جو لیث کے یہاں سے لیکر آیا تھا پھینک دیا اور کہا: جاؤ عمرو لیث سے کہہ دینا کہ کیا اب تم نے ہم لوگوں پر بھی کنندہ پھینکنی شروع کر دی۔ تو یہ بتا کہ یہ خزانہ تجھے یا تیرے بھائی کو کہاں سے مل گیا۔ باپ تو تیرا لوہار تھا! اسی فن کی اس نے تم لوگوں کو تعلیم بھی دی تھی اور یہ محض اتفاق تھا کہ تم لوگوں نے مملکت پر زبردستی قبضہ کر لیا اور تمہاری جسارتوں نے

یہ گل کھلائے کہ تم کامیاب ہو گئے۔ لیکن یہ تمام کے تمام خزانے وہی تو ہیں جو تم نے قوم سے لوٹے ہیں۔ اس خزانے میں بوڑھے، ناداروں کی گاڑھی کمائی کا پیسہ ہے بوڑھی عورتوں کی کمائی ہوئی رقم ہے راہ گیروں اور کمزوروں اور یتیموں سے غصب کیا ہوا مال ہے۔ اور اس ظلم و ستم کا اصل جواب دہ تو ہو گا۔ اور کل خدا کے سامنے تجھے ہی ان اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اب تو اپنی عیاری سے یہ چاہتا ہے کہ ان بد کاریوں کو میرے سر منڈھ دے۔ تاکہ جب کل نکیرین تجھے پکڑیں اور تجھ سے پرسش کریں کہ یہ سب دولت تو نے کہاں سے اکٹھی کی تو تو یہ کہہ دے کہ میں کیا جانوں۔ میں نے تو جو کچھ لیا تھا۔ اسمٰعیل کو دے دیا اب وہ جانے اور اس کا کام جانے مجھ میں یہ قوت نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے ان اعمال کی ذمہ داری قبول کر سکوں۔ غرض یہ مال و دولت اسمٰعیل نے قبول نہیں کئے اور دنیا کی نعمتوں اور آلائشوں اور تحریصوں پر غالب آیا۔ ایک آج کے امراء ہیں کہ حرام کسی حال میں نہیں چھوڑتے خواہ وہ معاملہ محض ایک دینار ہی کا ہو۔ اور انھیں اس میں ذرا تکلف نہیں رہتا کہ حرام کو حلال قرار دیں۔ اور انجام سے بے پرواہو جائیں۔

حکایت

اسی اسمٰعیل ابن احمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی یہ عادت تھی کہ شدید سردی اور برف باری میں تن تنہا گھوڑے پر سوار، کھلے میدان میں آجاتا اور صبح تک یوں ہی گھوڑے کی پشت پر بیٹھا رہتا۔ لیکن اسمٰعیل ایسا کیوں کرتا تھا؟ ایسا وہ اس خیال سے کرتا تھا کہ ممکن ہے اس ہلاکت خیز موسم میں کسی شخص کو، کسی بے خانماں یا کسی ننگے بھوکے کو، مدد کی ضرورت ہو اور وہ موسم کی دشواری کے پیش نظر، یعنی بارش اور برف باری کے سبب اس تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن ظاہر ہے جب اس کا (اسمٰعیل کا) میدان میں گھوڑے کی پشت پر یوں بیٹھا رہنا تمام لوگوں کے علم میں تھا تو کسی کے اس تک نہ آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا یہ ساری مصیبتیں آخرت میں اپنی زندگی سنوارنے کے خیال سے اٹھائی گئی ہیں۔



چوتھا باب

عمّال حکومت کے حالات کا احتساب

اشارات

جس وقت سرکاری عہدہ داروں کو مناصب تفویض کئے جائیں تو اُنھیں یہ بھی حکم ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ بزرگ و برتر کی مخلوق سے شریفانہ اور بردبارانہ سلوک کرتے رہیں، اور اوّل یہ کہ محصول کے طور پر صرف جائز مال لوگوں سے وصول کریں اور دوسرے یہ مال بھی سختی برت کر نہیں بلکہ خوش اسلوبی سے حاصل کریں۔ عہدہ داروں کو چاہیئے کہ مال گذاری وصول کرتے وقت اس کا بھی لحاظ رکھیں کہ لوگ (کاشتکار وغیرہ) اسی وقت حکومت کو ٹیکس وغیرہ دینے پر مجبور کئے جائیں جب وہ اپنی فصل کاٹ لیں۔ اس لئے کہ اگر ان لوگوں سے قبل از وقت، یعنی پیداوار (زرعی یا صنعتی وغیرہ) کے حصول سے پہلے پہلے، مطالبات کئے جائینگے تو اُنھیں تکلیف ہوگی اور مقررہ محصول یا لگان دینے کی خاطر ممکن ہے یہ لوگ اپنی پونجی یا پیداوار کوڑیوں کے مول بیچ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اور یوں ان کی جڑیں ہی کھوکھلی ہو جائیں اور یہ برباد ہو جائیں۔ رعیت میں اگر کوئی مالی طور پر کمزور ہو جائے۔ اور اسے اپنے کھیتوں کے لیے بیلوں کی اور بیج کی ضرورت پیش آجائے تو حکومت محکمہ مال کے افسروں کا فرض ہے کہ اس قبیل کے اشخاص کو تقاوی اور قرضے دیں اور اُن سے مقابلتہً کم لگان وصول کریں تاکہ اُن لوگوں کے حالات از سر نو بہتر ہو جائیں اور یہ ترک وطن پر مجبور نہ ہونے پائیں۔

حکایت

میں نے سُنا ہے قباد بادشاہ کے زمانہ میں ایک قحط پڑا جو سات سال تک جاری رہا اس زمانہ میں جیسے آسمان سے برکتیں ہی نازل ہونی ختم ہو گئیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سرکاری ذخیرے بیچ دیئے

جائیں۔ اکثر لوگ خیرات کی مدیں بھی اناج نکالتے تھے۔ سرکاری خزانے سے فقیروں اور محتاجوں کی مستقل طور پر امداد ہو رہی تھی۔ اور ایسی امداد ہو رہی تھی کہ اس سات برس کی مدت میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو بھوک سے مرا ہو۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ شاہی گماشتے دربار میں سرکاری حکام کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے تھے۔ اب اگر حاکم کی روش ہمدردانہ اور منصفانہ ہوتی تو اُسے منصب پر باقی رکھا جاتا تھا ورنہ اس کی جگہ کسی دوسرے زیادہ بہتر حاکم کو متعین کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی حاکم مقررہ اور جائز مقدار سے زیادہ رعیت سے کچھ وصول کر لیتا تھا تو اس سے وہ چیز رعایا کو واپس دلوادی جاتی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسے راشی اور غاصب حاکم کا مال اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا تاکہ آئندہ کے لئے دوسروں کو عبرت ہو۔

وزراء کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے اور یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ یہ اپنے فرائض ٹھیک طور سے انجام دے رہے ہیں یا نہیں۔ بادشاہ اور مملکت کی فلاح کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ مملکت کو چلانے والا وزیر اچھے کردار اور اچھی نظر کا مالک ہو۔ یعنی وہ دیانت دار بھی ہو اور مدبّر بھی۔ اسی صورت میں مملکت بھی آباد اور رعایا اور فوج بھی خوش حال رہے گی۔ اور بادشاہ کو بھی ذہنی سکون حاصل رہے گا۔ اور اگر وزیر کا کردار بلند نہ ہوگا تو انجام اس کا یہ ہوگا کہ ایک طرف بادشاہ پریشان اور غمگین رہا کرے گا اور دوسری طرف ملک میں بھی بدامنی کا غلبہ رہے گا۔

حکایت

کہتے ہیں بہرام گور کا ایک وزیر راست روش تھا یا یوں سمجھئے کہ اسے لوگ اسی نام سے (راست روش = نیک چلن) پکارا کرتے۔ بہرام نے مملکت کا تمام کاروبار اسی وزیر کے سپرد کر رکھا تھا اور اس درجہ اعتماد کرنے لگا تھا کہ اس کے بارے میں کسی کی بات تک نہ سُنتا تھا۔ اور خود دن رات سیر سپاٹے اور شکار اور شراب میں مشغول رہتا تھا۔ اب راست روش نے بادشاہ کے ایک خلیفہ یا نائب کو جسے بادشاہ کی طرف سے مجرموں کو گرفتار کرنے کے اختیارات حاصل تھے، اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ راست روش سے نام نہاد ملکی مسائل پر قابو حاصل کرنے میں تعاون کرے۔ راست روش نے بادشاہ کے خلیفہ سے کہا کہ رعیت بہت شوریدہ پشت ہو چکی ہے اور عوام ہماری عدل گستری سے بہت گستاخ ہو گئے ہیں اگر

ان کی قرار واقعی گوشمالی نہیں کی جائے گی تو ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔ بادشاہ کا کیا ہے بادشاہ عیش و عشرت اور مے خواری اور بادہ آشامی میں مبتلا ہے۔ اسے انتظام مملکت سے کیا غرض! بہتر یہ ہے کہ حالات کے بے قابو ہونے سے قبل رعایا کو درست کیا جائے۔ رعایا کو تنبیہہ کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ بُرے لوگوں کو ختم کرنا، اور اچھے لوگوں پر جرمانے عائد کرنا، اب میں جس شخص کے بارے میں کہوں تو اسے گرفتار کر لے، چنانچہ جس کسی کو بھی خلیفہ پکڑتا اُسے قید میں ڈال دیتا یا وقتی طور پر حوالات میں بند کر دیتا، راست روش اس میں سے رشوت لے لیتا اور خلیفہ سے کہکر اُسے رہائی دلوا دیتا۔ اس ترکیب سے مملکت کے وہ تمام کے تمام اشخاص جن کے پاس کسی قسم کا مال ہوتا، اچھے گھوڑے ہوتے یا غلام یا خوب رو لونڈیاں، یا کوئی اور جائداد اور زمین اور وہ چیزیں جو راست روش کی نگاہوں پر چڑھ جائیں تو اُنھیں اپنی مملوکہ اشیاء وسامان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا بالکل فقیر ہو گئی اور معزز لوگ خانماں برباد ہو گئے حکومت کی آمدنی الگ رُک گئی۔ کچھ وقت یہی حالات رہے نتیجۃً بہرام گور کا وقار اتنا گر گیا کہ اس کی مخالفت پر اس کا ایک حریف کھلم کھلا اُتر آیا۔ اب بہرام نے اس بحران میں اپنے لشکر کی از سر نو تنظیم کرنی چاہی۔ اس کے لئے فوجی سپاہیوں کو نوازنا ضروری قرار پایا تاکہ اُنھیں آراستہ کر کے دشمن کے مقابلہ پر روانہ کر دیا جائے۔ مگر خزانہ تو تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ عمائدین اور معززین سے پوچھا گیا تو بادشاہ کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں اشخاص کو مدت ہوئی ترک وطن کئے وہ لوگ تو دیس ہی چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: ایسا کیوں ہوا؟ اسے جواب دیا گیا: ہم نہیں جانتے! حالانکہ بات یہ تھی کہ لوگ وزیر کے خوف سے چپ تھے ورنہ جاننے کو لوگ سبھی کچھ جانتے تھے۔ بہرام گور شب و روز اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ماجرا کیا ہے، خرابی حالات کی اصل وجہ کیا ہے، دوسرے دن صبح بہرام نے تن تنہا جنگل کی راہ لی۔ گھوڑے کی پشت پر سوار چلتا جاتا تھا اور برابر سوچتا جاتا تھا کہ مملکت کے یہ بُرے دن دفعتہً کس طرح آ گئے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ بہرام تقریباً سات فرسنگ نکل آیا تھا اسے یہ خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اب اس پر (بہرام پر) گرمی اور پیاس کا غلبہ جو ہوا تو اُسے پینے کے لئے پانی کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے پر بہرام کو جنگل میں کہیں دور سے دھواں اُٹھتا دکھائی دیا۔ اُس نے سوچا یقیناً اس جگہ یعنی جہاں سے دھواں اُٹھ رہا تھا، کچھ لوگ رہتے ہوں گے۔ بہرام اب دھوئیں کی طرف گیا۔ وہاں پہنچنے پر بادشاہ کو ایک خیمہ کے پاس بھیڑوں کا ایک گلہ نظر آیا جو سویا پڑا تھا لیکن اسی کے ساتھ اسے ایک کتا بھی

پھانسی پر لٹکا ہوا دکھائی دیا۔ بہرام یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بہرحال خیمہ کے قریب آیا۔ خیمہ سے ایک آدمی برآمد ہوا اور اسے (بہرام کو) سلام کیا اور بغیر یہ جانے ہوئے کہ وہ بہرام گور ہے کھانے پینے کی چند چیزیں اس کے سامنے لاکر رکھ دیں، بہرام نے کہا کہ یہ سب تو ہم بعد میں کھائیں گے، سب سے پہلے ہمیں اس کتے کی کہانی سناؤ۔ اور میں تمہاری ضیافت قبول ہی اُس وقت کروں گا جب تم ہمیں اس کتے کا ماجرا سنادو گے خیمہ سے نکلنے والے آدمی نے بادشاہ سے عرض کیا: - یہ کتا میری ان بھیڑ بکریوں کی چوکیداری کرتا تھا۔ طاقت کا اس کی یہ عالم تھا کہ دس بھیڑیوں سے تن تنہا لڑ سکتا تھا۔ کسی بھیڑیے کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کتے کے گرد تک پھٹک سکے۔ مجھے تو عموماً شہر جانا ہوتا تھا اور زیادہ وقت میرا شہر ہی میں گذرتا تھا اور میں جیسے آج جاتا تھا تو کل واپس ہوتا تھا۔ میری غیر موجودگی میں یہ کتا میری بھیڑوں اور بکریوں کو چرانے لے جاتا اور انہیں صحیح سلامت واپس لے آتا تھا۔ اس طرح ایک مدت بیت گئی۔ ایک دن اتفاق سے میں نے جو اپنی بھیڑوں کو گنا تو مجھے کچھ کم معلوم ہوئیں۔ روز میں بھیڑوں کا جائزہ لیتا اور روز چند ایک کو کم پاتا۔ اچھا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہاں چور کبھی نہیں آتا۔ میں حیران تھا کہ کیا وجہ ہے اور کیا سمجھوں کہ بھیڑیں کیونکر کم ہو جاتی ہیں۔ گلہ کی تعداد اتنی کم ہو گئی کہ جس وقت لگان وصول کرنے سرکار کا آدمی آیا اور حسب سابق مجھ سے حکومت کا محصول مانگا۔ تو جو چند بچی کھچی بھیڑیں تھیں انہی کو محصول کی شکل میں دے دیا۔ مزے کی بات یہ ہوئی کہ جب عامل (سرکاری افسر) نے میرے پورے گلہ کا حساب لگایا تو اُس کی رو سے میرے پاس جو چند بھیڑیں رہ گئی تھیں وہ بھی سرکاری ملکیت قرار پائیں! اور اب یہ جو چند بھیڑیں یہاں نظر آ رہی ہیں میں ان کا مالک نہیں بلکہ صرف رکھوالا ہوں! اس کتے کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ اسے ایک مادہ بھیڑیئے سے محبت ہو گئی، بس وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ادھر یہ سب ہوتا رہا اور میں معاملہ سے قطعاً بے خبر رہا۔ ایک دن کی بات ہے میں جنگل گیا ہوا تھا۔ اور میرے جنگل جانے کا مقصد لکڑیاں چن کے لانا تھا واپسی میں میں ایک اونچے ٹیلے پر پیچھے سے چڑھ کر آ رہا تھا اونچائی پر چڑھنے کے بعد میں نے بھیڑوں کے گلہ کو چرنے میں مصروف پایا۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ ایک گرگ (بھیڑیا) آیا۔ گلہ کے قریب آکر بھیڑیئے نے دوڑنا اچھلنا شروع کر دیا۔ میں نے بھیڑیئے کو دیکھا تو ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ جھاڑی کے اندر سے میں نے دیکھا کہ جوں ہی کتے اور بھیڑیئے کی آنکھیں چار ہوئیں کتے نے کچھ آگے بڑھ کر دم ہلانی شروع کر دی۔ بھیڑیا خاموش اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ کتا بھیڑیئے کی پشت پر سوار ہو گیا اور اس سے شاد کام ہوا۔ اور اس کے بعد ایک گوشہ میں جاکر

سو رہا۔ اب (مادہ) بھیڑیئے نے گلہ پر جھپٹ کے ایک بکرے کو دبوچا اور اسے پھاڑ کے کھا گیا۔ کتے نے اس پر ذرا احتجاج نہ کیا۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ گلہ پہ جو تباہی آئی ہوئی ہے اس کا سبب کتے کی غداری اور بد دیانتی اور فرض ناشناسی ہے تو پھر میں نے اسے (اس کتے کو) بالکل نہیں بخشا اور اس کی بد دیانتی کی پاداش میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔" بہرام گور نے یہ کہانی سنی تو اسے بے حد حیرت ہوئی اور جنگل سے لوٹنے کے بعد یہ کہانی سنا کر بادشاہ نے ہر ایک کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کہانی کے سننے کا رد عمل بہرام پر یہ ہوا کہ اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ رعایا گلہ کے مانند ہے اور وزیر اس گلہ کا نگہبان اور امین مقرر کیا گیا ہے۔ اب چونکہ مملکت کے حالات حد درجہ خراب اور بحرانی ہیں اور پھر جب کسی سے اس بارہ میں پوچھا جاتا ہے وہ صراحت اور صفائی کے ساتھ جواب دینے سے گریز کرتا ہے۔ بلکہ حالات چھپائے جاتے ہیں۔ اور ان پہ پردہ ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے بہرام نے اپنے دل میں کہا: مجھے یہ چاہیئے کہ رعیت اور روز دونوں کے بارے میں تحقیقات کروں۔ بہرام نے اپنے ملاحظہ کے لئے قیدیوں کے ریکارڈ منگوائے۔ اب دیکھا گیا کہ یہ تمام کے تمام ریکارڈ غلط کاری اور دروغ بافی کا ایک شرمناک شاہکار ہیں۔ اس تحقیقات سے بہرام کو راست روش کا حال خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اور یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ وزیر نے قوم کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ ظلم کیا ہے۔ اس موقع پہ بادشاہ نے راست روش کے لئے کہا کہ یہ محض نام کا راست روش ہے (راست روش = نیک کردار) ورنہ یہ شخص بے حد جھوٹا اور مکار ہے۔ اسی موقع پر بادشاہ نے یہ بھی کہا تھا کہ حکماء کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ جاہ طلب اور نام و نمود کا طالب آخر میں روٹیوں تک کا محتاج ہو جاتا ہے اور یہ کہ دوسروں کی روزی میں خلل ڈالنے والا لباس تک کو محتاج ہو جاتا ہے بہرام نے کہا: آخر میں نے ہی اپنے وزیر کو یہ مرتبہ اور یہ دبدبہ بخش رکھا ہے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ اس کا انجام یہ ہو گا لوگ وزیر کی شان و شوکت سے ڈرنے لگیں گے۔ اتنا کہ اس کے بارے میں سچ بولنے سے کترائیں گے! اچھا اب میں اس وزیر کو دربار میں طلب کرتا ہوں اور سب کے روبرو میں اسے تمام عزت و جاہ سے محروم کئے دیتا ہوں۔ اور وزارت سے معزول کر کے قید کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس کی معزولی کا اعلان کرواتا ہوں کہ وزیر کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اب اسے دوبارہ عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ اب جو بھی اس وزیر کا زخم خوردہ ہو اور اسے کچھ کہنا ہو وہ ہمارے پاس آئے اور خود حالات پیش کرے۔ میں دیکھوں گا اگر میرے اس وزیر کی روش تمام لوگوں کے ساتھ واقعی راست رہی ہے۔ اور اس نے جو دولت اکٹھی کر لی ہے وہ جائز

طریق پر کی ہے اور لوگ اس سے نالاں نہیں ہیں تو میں اسے بخش دوں گا اور دوبارہ وزارت کا عہدہ دے دوں گا۔ لیکن اگر اس نے ایسا نہ کیا ہوگا یعنی قوم پر ظلم کیا ہوگا تو میں اسے سزا دوں گا۔ لیجئے دوسرے دن بہرام کا دربار عام لگ گیا۔ قوم کے عمائدین آئے اور وزیر بھی آیا اور اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ بہرام نے وزیر سے مخاطب ہوکر پوچھا: تو نے ہماری سلطنت میں یہ کیسا خلفشار برپا کر رکھا ہے۔ فوج ہماری آج بے سر و سامان ہے اور رعیت ہماری آشفتہ حال ہے۔ ہم نے تو تجھے یہ حکم دیا تھا کہ تو لوگوں کی تنخواہیں انھیں وقت پر دیتا رہے اور مملکت کی آبادکاری سے غافل مت ہو اور رعایا سے بجز جائز محاصل کے اور کچھ مت لے، اور خزانہ مملکت کو ہمیشہ ذخیروں سے پُر رکھ مگر اب خزانہ خالی، لشکر بے ساز و سامان اور رعیت افسردہ حال ہو چکی ہے۔ یہ سب کس کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے؟ کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شراب اور شکار میں مصروف رہنے کے سبب میں رعیت کے احوال سے غافل رہوں؟ شاہ، جلال میں آچکا تھا۔ چنانچہ حکم صادر ہوا کہ وزیر کو، بے عزتی کے ساتھ اس کی جگہ سے اٹھا دیں اور اس کے قدموں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر اسے زنداں خانہ میں بند کر دیں۔ بادشاہ کے محل کے سامنے منادی کرادی گئی کہ بادشاہ نے راست روش کو معزول کر دیا ہے اور اب وہ زیر عتاب ہے۔ چنانچہ اسے دوبارہ بحال نہیں کیا جائے گا جس جس کو اس وزیر سے آزار پہنچا ہے یا جس جس کو اس کے خلاف کوئی فریاد کرنی ہے وہ ادنیٰ سی ہچکچاہٹ کے بغیر دربار میں آئے اور اپنا ماجرا بیان کرے تاکہ بادشاہ ہر ایک کے معاملہ میں انصاف کرے۔ بہرام نے اسی وقت یہ بھی حکم دیا کہ قید خانہ کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ غرض وہ زنداں کھلا اور قیدی سب کے سب باہر نکل آئے۔ اب بہرام نے ایک ایک سے پوچھنا شروع کیا کہ اسے کس جرم میں قید میں ڈالا گیا تھا: ایک نے کہا:-

عالیجاہ! میرا ایک بھائی تھا۔ کافی امیر تھا، راست روش نے اسے گرفتار کرکے اس کا تمام مال و اسباب چھین لیا اور اسے قتل کروا ڈالا۔ میں نے شدید احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے بھائی کو کیوں قتل کر دیا۔ جواب کیا دیتا ہے کہ بادشاہ کے دشمنوں سے ساز باز کئے ہوئے تھا تمہارا بھائی ایں نے چاہا بادشاہ کے پاس فریادی بن کے جاؤں تو اس نے مجھے قید میں ڈال دیا تاکہ میں دربار شاہ تک نہ پہنچ پاؤں، اور یہ بات ڈھکی چھپی رہ جائے۔ اب دوسرا قیدی اپنی داستان بیان کر رہا تھا:

حضور میرا ایک باغ تھا۔ بڑا ہی شاداب، بڑا ہی سرسبز، میرے مرحوم باپ کی نشانی! راست روش کی کچھ مزروعہ اراضی بھی اسی نواح میں تھی۔ ایک دن کیا ہوا کہ یہ میرے باغ میں آیا اور بس باغ پر جی

جان سے عاشق ہوگیا۔ کہنے لگا اسے میرے ہاتھ فروخت کردے، میں نے انکار کیا۔ بس اسی جرم پر حضور، مجھے پکڑ کر اس نے گرفتار کرلیا اور قید میں ڈال دیا۔ فرد جرم مجھ پر یہ عائد ہوئی کہ میں ایک شخص کی لڑکی سے اپنی ہوس کی آگ بجھانی چاہتا تھا، اور یہ کہ میرا جرم ثابت ہو چکا ہے اور اب میں اپنے باغ سے دستبرداری کا قبالہ لکھ دوں اور اس میں یہ تحریر کردوں کہ میں نے برضا و رغبت اس باغ کو فروخت کردیا ہے اور اس پر اب میرا کوئی حق نہیں رہا۔ میں نے انکار کردیا۔ عالم پناہ، نتیجہ یہ ہے کہ آج پانچ برس ہو گئے ہیں اس واقعہ کو اور میں اسی نام نہاد جرم کی پاداش میں جیل کی کال کوٹھری میں ہوں۔

ایک اور قیدی بولا:

پیشہ کے لحاظ سے میں سوداگر ہوں۔ میرا کام ہے خشکی اور تری میں سیاحت کرنا، میں زیادہ بڑا سرمایہ دار نہیں، لیکن اس پونجی کے ساتھ ساتھ میرے پاس قیمتی اور نفیس چیزیں ہیں از قسم زر و جواہر، ایک شہر میں انھیں خریدتا ہوں اور دوسرے شہر میں بیچنے کے لئے لے جاتا ہوں۔ اور بس تھوڑے سے نفع پر قناعت کرتا ہوں مجھے ایک موتیوں کا ہار ہاتھ لگ گیا تھا۔ یہاں آیا تو میں نے اسے قیمت پر چڑھادیا، شدہ شدہ وزیر کو بھی اس کی خبر لگ گئی۔ مجھے آدمی بھیج کر بلوا لیا اور مجھ سے وہ ہار خرید لیا۔ لیکن اس وقت مجھے اس کی قیمت نہیں دی گئی۔ وزیر نے ہار مجھ سے لیکر اپنے خزانہ میں رکھوادیا۔ کئی دن تک میں برابر وزیر کے سلام کو حاضر ہوتا رہا۔ اب اس خیال سے کہ ہار کی قیمت واجب الادا تھی وزیر نے ادھر سے گذرنا ہی چھوڑ دیا۔ اب تو مجھ میں صبر کی بالکل طاقت نہ رہی، یوں بھی میں سفر میں تھا کوئی اس شہر میں بسنے کے لئے تو آیا نہ تھا۔ چنانچہ ایک دن میں وزیر کے پاس پہنچ ہی گیا۔ وہاں میں نے کہا، حضور اگر ہار پسند آیا ہو اور کسی قابل ہو تو حکم فرمادیجئے اس کی قیمت مجھے مل جائے اور پسند نہ آیا ہو تو اسے مجھے لوٹادئے جانے کا حکم صادر فرمادیں۔ آخر میں سفر میں ہوں، خود تو مجھے وزیر صاحب نے کوئی جواب دیا نہیں لیکن جب میں اپنی سرائے میں لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں ایک سرکاری چوبدار چار سپاہیوں کے ساتھ میری سرائے میں آتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے چلو تمہیں وزیر سرکار نے یاد کیا ہے۔ میں بہت خوش ہوا کہ چلو ہار کے پیسے دیگا وزیر، غرض یہ کہ میں سرائے سے اُٹھا اور سپاہیوں کے ساتھ ہولیا۔ مگر یہ سپاہی مجھے جیل لے آئے اور جیل کے دروازہ پر انھوں نے پاسبانوں سے کہا کہ سرکاری حکم ہوا ہے کہ اس کے (مراد میرے) پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال دی جائیں۔ اٹھارہ مہینے ہوتے ہیں کہ میں پابہ زنجیر اور بیس دیوانہ زنداں ہوں!

چوتھے نے اپنی رام کہانی شروع کردی:

خداوندا! میں اپنے علاقہ کا رئیس تھا۔ میرے گھر کے دروازے مہمانوں، غریبوں اور تمام اہل علم کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے اور میں مریضوں اور مجبور لوگوں کی پاسداری میں مشغول لگا رہتا۔ غریبوں اور بیکسوں کو میں نے کبھی مایوس نہیں کیا۔ باپ دادا کی جتنی دولت تھی اور میری جتنی کمائی تھی سبھی میں نے خیراتی امور کی نذر کر دی تھی۔ وزیر نے یہ سب دیکھا تو میرے پیچھے پڑ گیا۔ کہنے لگا ہو نہ ہو تجھے کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ اس کے بعد مجھے پریشان کرنے، اور مطالبوں پر مطالبے کرنے لگا۔ اور پھر مجھے حوالات میں بند کر دیا۔ میں نے اس حریص کی خاطر اپنی پوری جائیداد مجبوراً اونے پونے فروخت کر دی مگر اس کی ہوس کی تسکین کا سامان پھر بھی بہم نہ پہنچا۔ آخر میں یہ مجھے جیل خانہ ہی میں ڈال کے رہا شہنشاہا! چار سال ہوتے ہیں کہ میں جیل کی کال کوٹھری میں بند ہوں اور عالم یہ ہے کہ میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہیں۔ قیدی کہنے لگا کہ میں فلاں فلاں سردار کا بیٹا ہوں، اس وزیر نے میرے باپ کی زمین قرق کی اور اسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا، اُدھر تو یہ کیا اُدھر مجھے قید خانہ میں ڈال دیا۔ وہ دن اور آج کا دن، سات برس سے قید میں ہوں۔ ایک اور قیدی بولا: میں پیشہ کے لحاظ سے فوج کا سپاہی ہوں۔ ایک زمانہ تک میں نے اعلیٰحضرت کے والد کے عہد میں ملازمت کی ہے۔ ان کی رکاب میں رہا ہوں، حضور کے دور میں بھی مدتوں میں نے خدمت اور بندگی کی ہے۔ میرا کچھ سرکاری مشاہرہ (وظیفہ ماہانہ) مقرر ہے پچھلے برس جب اس میں سے مجھے کچھ نہ ملا تو اس سال میں نے وزیر سے اس کی درخواست کی۔ میں نے عرض کیا کہ بیوی بچوں والا ہوں، اور اس پہ ستم یہ کہ پچھلے برس مجھے کچھ ملا نہیں۔ اس سال اگر مجھے یہ رقم مل جاتی تو کام چل جاتا۔ کچھ وزیر کی نذر کر دیا جاتا اور کچھ میں عیال داری اور خانہ داری پر صرف کرتا۔ وزیر نے جواب دیا، بادشاہ کو کون سی ایسی مہم درپیش ہے کہ اسے لشکر اور لشکریوں کی ضرورت ہے۔ اسے کوئی مہم درپیش نہیں۔ اور تم جیسے لوگوں کا لشکر میں ہونا نہ ہونا سب برابر ہے۔ تمہیں روٹی چاہیئے تو تم کام کرو، عالی جاہا! اس پر میں نے کہا کہ میں نے بڑی خدمات انجام دی ہیں اور حکومت پر میرے حقوق ہیں۔ میرے لئے زیب نہیں دیتا کہ میں مزدوری کرتا پھروں۔ میں تو وہ ہوں کہ بادشاہ کی خاطر جان فدا اور نچھاور کرتا ہوں اور اس کے حکم کو بجا لاتا ہوں۔ اور ایک تو ہے کہ تو میری روزی بند کرتا ہے اور دوسرے بادشاہ کی نافرمانی کرتا ہے پھر میں نے کہا کہ یہ نہیں جانتا کہ میں اور تو دونوں ہی بادشاہ کے نوکر ہیں۔ ایک فرض تجھے ملا ہے ایک مجھے اور مجھ میں اور تجھ میں فرق یہ ہے کہ میں بادشاہ کا تابعدار ہوں اور تو نہیں ہے۔ اگر بادشاہ کو میری ضرورت باقی نہیں تو تیری کون سی ضرورت

باقی ہے۔ البتہ اگر بادشاہ نے اپنے حکم سے میرا نام محکمہ سے حذف کروادیا ہو تو دوسری بات ہے لیکن بہر صورت تجھے اس کا ثبوت دینا پڑے گا۔ ورنہ بادشاہ نے جو میری پنشن مقرر کی ہے وہ تجھے ادا کرنی پڑے گی۔ حضور! جانتے ہیں یہ سن کر وزیر نے کیا کہا، کہنے لگا: جا جا! تو کیا اور تیرا بادشاہ کیا، دونوں میرے ماتحت ہیں! میں نہ ہوتا تو اب تک چیل کوّے کبھی کی تمہاری لاش کھا چکے ہوتے، اس مکالمہ پر دو دن ہوئے تھے کہ مجھے قید میں ڈال دیا گیا، چار مہینے ہو گئے عالم پناہ کہ وہیں قید میں پڑا سڑ رہا ہوں۔

غرض سات سو سے زائد قیدی تھے جن میں مشکل سے بیس آدمی تو واقعی قتل، چوری اور دوسرے جرائم میں مبتلا ہو کر آئے تھے ورنہ جتنے تھے سب کے سب وہ تھے جنہیں وزیر نے دولت کے لالچ یا محض ظلم وستم کے جذبہ کی تسکین کے لئے پکڑ رکھا تھا اور قید میں سڑا رکھا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کے لئے جو اعلان کروایا تھا جب وہ شہر اور اس کے اطراف میں پھیلا تو بس جیسے فریادیوں کا ایک سیل بے کراں اُمنڈ پڑا۔ جسکو دیکھئے وزیر کی شکایت لئے آتا ہے۔ بہرام نے جب مخلوقِ خدا کا یہ حال، بے ضابطگیاں، بے انصافیاں اور وزیر کا جور وستم دیکھا تو اس نے سوچا کہ وزیر نے جو کچھ کیا ہے اور مملکت کو جس طرح ویران کیا ہے۔ وہ ہمارے اندازہ سے باہر ہے۔ بادشاہ نے دل میں کہا: جس حد تک وزیر نے خدا اور خلقِ خدا اور بادشاہ کے ساتھ زیادتیاں اور ناانصافیاں کی ہیں ان سے زیادہ تو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ وزیر کے معاملات کی زیادہ بھرپور اور کافی سخت چھان بین کی جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کے مکان سے تمام کاغذات اور جملہ اسناد اور دستاویزات اٹھا لائے جائیں اور وزیر کے مکان کے تمام حصے سرکاری تحویل میں لے لئے جائیں۔ سرکار کے اربابِ حل وعقد اور سکریٹری وزیر کے مکان پہ پہنچے اور شاہی فرمان کے مطابق عمل کیا۔ جب سب مسلیں اور فائلیں اور دستاویزیں آگئیں تو اب ان کا مطالعہ شروع کر دیا گیا۔ ان دستاویزوں میں ایک دستاویز ملی جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ تو مشتمل تھا ایک بیرونی بادشاہ کے عنایت نامہ پر جو اس نے راست روش کو تحریر کیا تھا اور جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا ارادہ بہرام کے ملک پر حملہ کرنے کا ہے، دوسرا حصہ مشتمل تھا ایک اور تحریر پر جو خود راست روش کے ہاتھ کی تھی۔ اس میں لکھا گیا تھا: اگر تمہیں بہرام کا ملک لینا ہے تو پھر دیر کیوں لگا رہے ہو کیا عقلاء نے کہا نہیں ہے کہ غفلت کا انجام دولت کی بربادی ہوتا ہے، مجھ سے جتنی خیر خواہی ہو سکتی تھی میں نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ اول تو میں نے بعض فوجی جرنیلوں کو اپنا حامی بنا لیا ہے اور ان سے تمہارے حق میں

(یہ وزیر بیرونی بادشاہ سے مخاطب ہے) بیعت لے چکا ہوں۔ شاہی فوج کو (بہرام کی فوج کو) میں نے قطعاً بیکار کر دیا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ وغیرہ کچھ نہیں رہے، ساتھ ہی رعایا اور عوام کو بھی حد درجہ کمزور بنا دیا ہے، لوگ بالکل بے خانماں ہو چکے ہیں۔ اور تمہاری خاطر میں نے ایک ایسا خزانہ سجا دیا ہے کہ آج کسی بادشاہ کے پاس نہیں۔ اسی طرح میں نے تاج اور کمر بند (زریں) اور مسند شاہی بھی ایسے مہیا کر لئے ہیں کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں گے۔ اس شخص (مراد بہرام) سے میں عاجز آچکا ہوں۔ میدان بالکل خالی ہے اور رقیب غفلت میں مبتلا ہے۔ جلدی کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص بیدار ہو جائے اور چونک پڑے۔ بہرام نے جب یہ دستاویز ملاحظہ کی تو کہا: بہت خوب، راست روشن صاحب مجھ پر غنیم کو چڑھا لا رہے تھے! اور یہ ان غنیم صاحب پر بھولے ہوئے تھے! بہت خوب!!

بادشاہ کو جلال آچکا تھا۔ ابروئے شاہی پر شکن پڑ چکی تھی۔ بہرام نے کہا کہ مجھے اب راست روشن کی خیانت اور غداری میں ذرہ برابر شک باقی نہیں رہ گیا۔ بہرام نے حکم دے دیا کہ وزیر کا جملہ سازوسامان ضبط کر لیا جائے۔ شاہی کارندے وزیر کے غلاموں اور مویشیوں کو بھی لے آئے۔ وزیر نے جو رشوتیں لی تھیں یا جو دولت غصب کی تھی وہ سب متعلقہ لوگوں کو واپس کر دی گئیں۔ پھر وزیر کی تمام زمینیں اور جائدادیں نیلام کر دی گئیں اور عوام میں تقسیم کر دی گئیں۔

وزیر کے مکان، اور محل کو مسمار کر دیا گیا۔ اس کے بعد وزیر ہی کے محل کے سامنے ایک بہت بڑی پھانسی گاڑی گئی۔ جس کے سامنے تیس درخت کاٹ کر ڈال دیے گئے۔ پہلے راست روشن کو پھانسی دی گئی۔ جیسے اس شخص نے (جسے بہرام نے جنگل میں دیکھا تھا) اپنے کتے کو پھانسی دی تھی۔ اس کے بعد راست روشن کے تمام ہوا خواہوں اور ان ساتھیوں کو جنھوں نے اس سے سازباز کی تھی، سب کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ سات دن تک برابر سرکار کی جانب سے اعلان ہوتا رہا کہ یہ اس کی سزا ہے جو غدار ہے اور دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے اور خلوص کی جگہ غداری اختیار کر کے مخلوقِ خدا پر ستم ڈھاتا ہے اور خدا اور اولوالامر سے گستاخی کرتا ہے۔

بہرام نے یہ جو کڑی سزائیں دیں تو مملکت کے سارے فسادی اس سے خائف رہنے لگے۔ راست روشن نے جن جن لوگوں کو عہدے دے رکھے تھے سب کو معزول کر دیا گیا۔ تمام کے تمام ارکان حکومت۔ اور اونچے اونچے عہدہ دار بدل دیئے گئے۔ یہ خبر اس بادشاہ تک بھی پہنچ گئی جس کے دانت بہرام کے ملک پر تھے۔ اس

نے جب یہ سب سُنا تو جہاں تک آچکا تھا وہیں سے پلٹ گیا۔ اور اپنے کئے پر خجل اور نادم ہوا۔ غرض یہ کہ بے شمار تحائف اور نفائس بھیجے اور معذرت کرتے ہوئے اطاعت کا اظہار کیا۔ اس نے کہلا بھیجا: میں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ بادشاہ (بہرام) کے خلاف سرکشی کروں گا مجھے دراصل وزیر (راست روش) نے اس بات پر آمادہ کیا تھا۔ پیہم اور متواتر اس نے مجھے پیغامات بھیجے خطوط لکھے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مجھے یقین تھا کہ یہ وزیر خطا کار ہے اور یہ اپنی خطاؤں سے ڈر کر یہ راہِ فرار اور راہ گریز اختیار کر رہا ہے۔ بہرام نے اس بادشاہ کی معذرت قبول کر لی اور اُسے معاف کر دیا۔ اس کے بعد بہرام نے ایک دین دار اور نیک کردار اور خدا ترس شخص کو وزارت سے نوازا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ملک اور فوج کا وہ درہم برہم نظام درست ہو گیا۔ تمام کام اپنے معمول پر آگئے۔ آبادی اور آبادکاری نے ویرانی اور خراب کاری کی جگہ لے لی۔ مخلوق خدا نے اطمینان کا سانس لیا۔ بہرام نے اس آدمی کا جس نے کتے کو پھانسی پر لٹکایا تھا کھوج لگایا اور جس وقت وہ صبح صبح اپنے خیمے سے نکل کر اس کے اندر واپس جا رہا تھا، بادشاہ نے اپنے شاہی ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کو دیا اور کہا: میں نے تمہارا نمک کھایا ہے۔ اور مجھے ان مصائب اور تکالیف کا بھی احساس ہو گیا ہے جو تمہیں پہنچی ہیں۔ لہٰذا اب مجھ پر تمہیں حقوق حاصل ہو چکے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں بادشاہ بہرام کے درباریوں میں سے ہوں اور یہی نہیں میرے بادشاہ کے تمام درباری اور ذوی المناصب اشخاص سے تعلقات بھی ہیں۔ یہ تعلقات دوستانہ ہیں۔ اور مجھے یہ سبھی جانتے ہیں تم یہ کرو کہ میرے ساتھ تو نہیں البتہ دو ایک دن بعد میرے ترکش کے اس تیر کو لئے ہوئے بادشاہ بہرام کی بارگاہ میں آجانا۔ اس تیر کے ساتھ جس نے بھی تمہیں دیکھ لیا وہ تمہیں میرے پاس پہنچا دے گا میں اس وقت اپنا حق ادا کروں گا تاکہ کم از کم تمہارے ان نقصانات کی تلافی تو ہو جائے۔ بہرام اپنے محل میں واپس آگیا۔ اس شخص کی بیوی نے ایک دن اصرار سے کہا کہ تم شہر جاؤ اور اس تیر کو اپنے ساتھ لیجاؤ مجھے تو یقین ہے کہ وہ سوار جو اس شان و شوکت کے ساتھ آیا تھا کوئی دولت مند اور بڑا آدمی ہو گا۔ تمہارے ساتھ اس نے ذرا بھی اچھا سلوک کر دیا تو آج کل جو مفلوک الحالی ہے سب جاتی رہے گی۔ سستی مت کرو۔ اتنا بڑا آدمی کوئی غلط بیانی نہیں کرے گا۔ (بیوی کی اس تقریر کے بعد) یہ آدمی شہر آیا ایک رات تو خیر اس نے آرام کیا لیکن دوسرے دن بہرام کے محل کے احاطہ میں پہنچا۔ بہرام نے پہلے ہی اپنے دربانوں اور دوسرے ملازمین سے کہہ دیا تھا کہ اس وضع قطع کا آدمی آئے تو اسے آنے دیا جائے اور

میرے سامنے لایا جائے۔ دربانوں اور ملازمین بادشاہ نے اس آدمی کو تیر کے ساتھ آتے دیکھا تو اسے
بلایا اور کہا۔ اے بھائی تم کہاں تھے ہم تو ادھر چند دنوں سے تمہاری راہ تک رہے ہیں۔ اچھا اب
ذرا یہیں ٹھہر جاؤ ہم تمہیں اس کے پاس لئے چلتے ہیں جس نے تمہیں یہ تیر دیا تھا۔ بڑی دیر کے بعد بہرام
گور باہر آیا اور تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اب جو اُس آدمی نے بہرام کو یوں تخت شاہی پر بیٹھے دیکھا تو اب
سمجھا کہ وہ سوار خود بادشاہ تھا اور میں اس کے مرتبہ کے مطابق اس کا اعزاز و اکرام نہیں کر سکا۔ بلکہ میں نے
اس سے بے تکلفی کے ساتھ بات کی ہے اس نے سوچا، یہ تو غضب ہی ہو گیا۔ حاجب اور پردہ دار لوگ
جب اس آدمی کو تخت شاہی کے قریب لے گئے تو یہ آداب بجا لایا۔ بہرام اب اپنے بڑے بڑے درباریوں
سے مخاطب ہوا اور کہا: تم لوگ جانتے ہو میرے ہوش میں آنے کا اصل سبب یہی شخص ہے۔ یہ نہ ہوتا
تو شاید مملکت کے حالات کی اب تک اصلاح نہ ہو پاتی۔ اس کے بعد بہرام نے کتے کی کہانی سنائی اور
کہا یہ سن کر میں نے اس شخص سے فال نیک لی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس مردِ صحرا کو خلعت پہنائی جائے
اور شاہی گلوں سے سات سو بہترین قسم کے بکرے بکریاں اور بھیڑیں اسے دے دیئے جائیں۔ یعنی جو
بھی وہ پسند کرے۔ بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کی زندگی میں اس آدمی کو سرکاری محاصل سے مستثنیٰ کر دیا جائے

سکندر نے جو دارا کو شکست دی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ سکندر نے دارا کے وزیر کو خفیہ طور پر اپنی طرف
بلا لیا تھا۔ چنانچہ دارا کے مرنے پر سکندر نے کہا تھا: بادشاہ کی غفلت اور وزیر کی غداری سے دارا اپنی سلطنت
اور حکومت سے گیا۔ بادشاہوں کو کبھی گماشتوں کے حالات سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ ان کے طرزِ عمل
کا مستقل جائزہ لیتے رہنا چاہیئے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے کسی قسم کی بد دیانتی سرزد ہوئی ہے
تو پھر انھیں قطعی طور پر نکال دینا چاہیئے اور ان کے قصور کے مطابق انھیں سزا دینی چاہیئے۔ اس سے یہ
ہوگا کہ دوسروں کو عبرت ہوگی۔ کوئی شخص ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ وہ قانون کی گرفت سے بالاتر ہو اور بصورت
ارتکاب جرم تعزیر شاہی کی گرفت سے آزاد ہو۔ ایک سلسلہ اور ہونا چاہیئے، جب کبھی کسی شخص کو کوئی بڑا
منصب سونپا جائے اس پر ایک نگراں اور ناظر بھی جو اُس کے کاموں کے بارے میں بادشاہ کو اطلاعات
بھیجتا رہے، رہنا چاہیئے۔ ارسطو نے سکندر سے کہا تھا کہ جو تم نے اس ملک کے اہل علم کو ملک کا دشمن سمجھ
رکھا ہے اور انھیں ستایا ہے تو ان لوگوں کو بھی مناصب اور عہدے مت سونپو جو شدہ شدہ تمہارے دشمنوں
سے ساز باز کرتے رہتے ہیں بادشاہ کے لئے واجب اور لازم ہے کہ چار قسم کے لوگوں کو کسی صورت نہ بخشے

یعنی انھیں ضرور سزا دے۔ یہ چار قسم کے لوگ یہ ہیں:

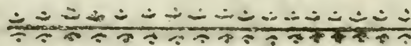
(۱) وہ جو مملکت پر حملہ آور ہوں اور اس کو تباہ کرنا چاہیں۔

(۲) وہ جو بادشاہ کے ناموس پر حملہ کریں۔

(۳) وہ جو اپنی زبان قابو میں نہ رکھیں

(۴) وہ جو منافق ہوں یعنی دل سے بادشاہ کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ ہوں لیکن زبان سے بادشاہ کی حمایت کا دم بھریں۔

بیدار مغز بادشاہ کی نگاہ ہر چیز پر پڑتی رہتی ہے لیکن یہ سب اس وقت تک جب تک اس کو منظور ہو۔



پانچواں باب

اہلکاروں کے طرز کار کا جائزہ

اشارات

یہ صوبہ داران جنہیں ملک کے مختلف حصّوں میں بھیجا گیا ہے انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سرکاری فرمان اور احکام کی رو سے انھیں رعایا پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ یہ خوش اسلوبی کے ساتھ رعایا سے جائز قسم کے محاصل وصول کرلیں۔ ان محاصل کے لینے کے بعد انھیں، یعنی ان صوبہ داروں کو، حکومت کی جانب سے رعایا کے مال اور اولاد کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ اور اس کی جائداد اور ساز و سامان وغیرہ کو تحفظ دینا ہوگا۔ لیکن پھر صوبہ دار مزید کوئی رقم رعایا سے نہ لے۔ اور نہ ان کو پریشان کرے۔ رعایا کے افراد اگر آستانہ شاہی تک آنا چاہیں تو انھیں آنے دینا چاہیئے۔ وہ صوبہ دار جو ان ہدایات پر عمل نہ کریں ان کے ہاتھ قلم کردینے چاہئیں۔ اور ان سے صوبوں کی حکومت چھین لی جانی چاہیئے اور ان پر عتاب نازل ہونا چاہیئے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ ان صوبہ داروں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مملکت اور

رعیت سے بنیادی طور پر بادشاہ کا تعلق ہے۔ صوبہ داران اور والیان سب سلطان کی جانب سے مامور ہیں اور مقرر ہیں۔ یہی مثال بادشاہوں کی بھی ہے بادشاہوں کو بھی رعایا پر مظالم نہ ڈھانے چاہئیں تاکہ انھیں عذابِ آخرت سے نجات مل سکے

عادل بادشاہ کی کہانی: مورخین رقمطراز ہیں کہ قباد کے مرنے پر اسکا اٹھارہ سال کی عمر کا بیٹا نوشیرواں عادل اسکی جگہ تخت پر بیٹھا۔ نوشیرواں کے مزاج میں عدل اور انصاف کی صفتیں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں نوشیرواں اچھا اور برا خوب جانتا تھا، ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میرے باپ میں عقل و تدبیر کی کمی ہے، دل اس کا نرم ہے اور بہت جلد دھوکہ کھا جاتا ہے۔ نوشیرواں کہتا کہ قباد نے مملکت کے تمام انتظامات ناظموں کے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ چنانچہ یہ ناظم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور ملک بدنظمی کے باعث ویران ہوا جاتا ہے۔ خزانہ خالی ہے اور رقم درمیان ہی سے اڑالی جاتی ہے۔ اور ان مظالم اور بدانتظامی کے باعث بادشاہ بدنام ہوتا ہے۔ اب مزدک ہی کو لیا جائے کہ قباد نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اسکی بات پر یقین کر لیا۔ اسی طرح ذمہ دار افسران دھوکہ دیتے ہیں۔ اور لوگوں پر زائد محاصل لگاکر مختلف صوبوں کو برباد اور ویران کر دیا ہے۔ رعیت فقیر ہو چکی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ بادشاہ جوں ہی دیناروں کی ڈھیری دیکھتا ہے، اپنی زر دوستی کے باعث ان لوگوں سے خوش ہو جاتا ہے (اور اس کی نظر گہرائی پر نہیں جاتی) بادشاہ کبھی ان لوگوں سے یہ نہیں پوچھتا کہ تم لوگ فلاں فلاں علاقہ کے والی اور امیر ہو۔ تم کو یہ علاقہ صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اپنے لشکر اور اسٹاف کے مصارف پورے کرو۔ اور یہ جو تم زائد رقوم لے کر آئے ہو اور یہ سیم و زر کی ڈھیریاں جو تم نے میرے سامنے بکھیری ہیں۔ آخر یہ کہاں سے آئیں۔ یہ تمہارا اپنا مال تو نہیں۔ یقیناً یہ وہی ہے جو تم لوگوں نے رعایا سے لیا ہے۔ عاملوں اور گورنروں سے آمد و خرچ کی تفصیل بھی کبھی بادشاہ نے نہیں پوچھی! اور نہ یہ معلوم کیا کہ مصارف خزانہ میں رقم جمع کرانے کے بعد یہ زائد رقم تم کس مد سے لائے ہو؟ نوشیرواں نے کہا: یہ سب پوچھ گچھ ہوتی رہتی تو سبھی درست ہو جاتے اور دوسروں کو گویا کان ہو جاتے۔ تین چار سال بیت گئے۔ نہ گماشتوں کی دراز دستیاں گئیں نہ صوبہ داروں کی زبردستیاں گئیں۔ چنانچہ دخیر خواہان مملکت، نے حاضر ہو کر نوشیرواں سے زمام حکومت سنبھالنے کو کہا۔ نوشیرواں نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے تو خدا کی حمد و ثنا کی اور پھر یہ اعلان کیا کہ اول تو یہ بادشاہی مجھے خدا کے حکم سے ملی ہے اور پھر یہ بادشاہت میرے باپ سے مجھے پہنچی ہے۔ تیسرے یہ کہ چچا نے میرے خلاف شورش

برپا کی تھی، اور میں نے چچا سے جنگ لڑ کر اسے شکست دی ہے۔ اور یوں از سر نو میں نے اس ملک پر
بزور شمشیر قبضہ کیا ہے۔ چنانچہ اے میرے والیو اور حکمرانو! جیسے خدا نے مجھے اس ملک کی بادشاہی عطا
کی ہے میں نے بھی تم کو ولایتیں عطا کی ہیں۔ ہر موزوں آدمی کو میں نے ولایت دی ہے۔ اور اس ملک
میں جس جس کو مجھ پر حقوق حاصل تھے اسے میں نے کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہے۔ محروم کسی کو نہیں رکھا۔ میں نے
اپنے والد کے عہد کے سرداروں کو بھی ان کے عہدوں پر بحال رکھا ہے۔ اور میں نے ان کی جائدادوں اور
املاکوں پر بھی کوئی تصرف نہیں کیا۔ انھیں جوں کا توں رہنے دیا ہے، والیو، میں تم سے ہمیشہ یہ کہتا رہتا
ہوں کہ رعایا سے مناسب اور شریفانہ برتاؤ کرتے رہو، مگر تم ہو کہ میری بات سنتے نہیں، تم پر ذرا میرے
کلام کا اثر نہیں ہوتا تم نہ خدا سے ڈرتے ہو نہ مخلوق خدا سے تمہیں غیرت آتی ہے، لیکن میں خدائی سزا سے
خائف ہوں۔ یعنی خدا کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بداعمالیوں کا اثر میری حکومت
پر پڑے، اور تمہاری بدکرداریوں کو مجھے بھگتنا پڑے۔ اگرچہ اس وقت ہمارے ملک کا کوئی دشمن نہیں سب
امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے، کہ ہم عیش و عشرت میں مست ہیں۔ اب بہتر یہ
ہے کہ ہم ظلم اور ناشکری سے باز رہیں۔ اس ظلم سے ملک تباہ ہو جائے گا اور ناشکری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا
کی بخشی ہوئی تمام نعمتیں سلب ہو جائیں گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ قبل اس کے کہ وہ دور آئے مخلوق خدا
سے اچھا اور شریفانہ برتاؤ کرو، رعایا کو زیادہ تنگ نہ کرو، ضعیفوں اور کمزوروں کو مت ستاؤ۔ داناؤں اور
اہل دانش کی تعظیم کرو۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو، بُری صحبتوں سے پرہیز کرو۔ جو لوگ اچھے بھلے
خوش خوش زندگی گذار رہے ہیں اُن کو تنگ نہ کرو۔ میں نے خدا اور اُس کے فرشتوں کو اس بات پر گواہ
بنا لیا ہے کہ اگر کسی نے اس طریقہ کی خلاف ورزی کی تو پھر میں اسے سزا دوں گا۔ سب نے اقرار کیا کہ ہم ایسا
ہی کریں گے، اور بادشاہ کے احکام بجا لائیں گے۔ کچھ لوگ شورہ پشت اور باغی مزاج بھی تھے۔ وہ یہ سوچتے
تھے کہ نوشیرواں کو جیسے انھوں نے ہی تخت پر بٹھایا ہے۔ اگر وہ چاہیں گے تو نوشیرواں تخت شاہی پر باقی
رہے گا ورنہ یہ اسے ہٹا بھی سکتے ہیں۔ نوشیرواں یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ پانچ برس بیت گئے
نوجوان بادشاہ اس گروہ سے کسی نہ کسی طرح نباہ کرتا رہا۔ ایک امیر سپہ سالار تھا۔ ملک میں دولت اور جاہ
میں اس کا کوئی مقابل نہ تھا۔ عدل گستر نوشیرواں نے اس شخص کو آذربائیجان کی گورنری دے رکھی تھی
یہ ملک کا سب سے بڑا امیر بھی تھا۔ ساز و سامان، اور شان و شوکت میں یہ بے مثل تھا۔ اب اس کے دل

ہیں ایک اُمنگ بیدار ہوئی کہ وہ اپنے شہر کے باہر ایک دیوان خانہ اور باغ تعمیر کرے۔ ارادہ تو کر لیا مگر ایک قباحت تھی۔ جس قطعہ کو دیوان خانہ اور باغ کے لئے نظر میں رکھا گیا تھا اس میں ایک بڑھیا بھی تھوڑے سے حصہ پر قابض تھی۔ یہ تھوڑا سا قطعہ زمین جس پر بڑھیا قابض تھی بس اتنا تھا کہ بڑھیا لگان سرکاری ادا کرتی، جسے اپنی زمین بٹائی پر دئے ہوئے تھی اسے اس کا حق المحنت دیتی اور یہ سب دینے دلانے کے بعد اس کے پاس اتنا بچ رہتا کہ تمام سال اسے دن بھر میں چار روٹیاں مل جاتی تھیں۔ ان چار روٹیوں میں دو روٹیاں تو بڑھیا کو روٹی پکانے والے اور اس کے یہاں دیا جلانے والے کو دے دینی پڑتی تھیں۔ دو روٹیاں بچ رہتیں وہ اس کے لئے صبح شام کھانے کے کام آجاتیں۔ اس دکھیاری کو جو موٹا جھوٹا پہننے کو ملتا وہ بھی لوگ اسے حسبۃً للہ دے دیا کرتے تھے۔ کبھی یہ گھر سے باہر نہ آتی اور بس تنہائی اور غربت میں بیٹھی اپنے دن کاٹ رہی تھی۔ فوجی افسر کو بڑھیا کی زمین اتنی پسند آگئی تھی اور یہ اسے اسقدر موقع کی دکھائی دی تھی، کہ اس نے سوچا اسے اپنے باغ اور محل کے لئے حاصل کرے۔ غرض یہ کہ سپہ سالار کا آدمی بڑھیا کے پاس آیا اور کہا سپہ سالار کہتا ہے اپنی زمین بیچ ڈال اس لئے کہ اس کی ضرورت محسوس کیجارہی ہے۔ بڑھیا نے کہا: میں تو نہیں بیچتی مجھے اس کی کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے اور یہ تو میری روزی ہے۔ کوئی اپنی روزی بیچتا ہے؟ سپہ سالار نے کہلایا تو چاہے تو اس کی قیمت لے لے اور چاہے تو اس کے معاوضہ میں کہیں دوسری جگہ زمین حاصل کرے۔ بالکل ایسی ہی زمین۔ یعنی جس کی آمدنی اور پیداوار اس جیسی ہوگی۔ بڑھیا تنک کر بولی: یہ زمین مجھے میرے ماں باپ سے جائز ترکے کے طور پر ملی ہے۔ قریب ہی اس کی آب پاشی کا انتظام ہے، پڑوس بھی اچھا ہے مجھے سب ہی پسند کرتے ہیں، ظاہر ہے مجھے کہیں دوسری جگہ زمین ملے گی تو اس میں یہ سب باتیں نہیں ہوں گی۔ اس لئے میری زمین پہ نگاہ مت ڈالنا۔ مگر سپہ سالار نے بڑھیا کی ایک نہ سُنی اور زبردستی اس کی زمین چھین لی اور اسے باغ میں شامل کر لیا بڑھیا بے حد مجبور ہوگئی۔ آخر بالکل مجبوری کے عالم میں سپہ سالار کے پاس گئی اور اس کے قدموں میں گر گئی اور کہا کہ یا اس زمین کی قیمت دیدو یا اس کے معاوضہ میں دوسری جگہ کہیں زمین بخش دو، گورنر نے بڑھیا کو کوئی جواب نہ دیا۔ مجبوراً یہ اس کے پاس سے (سپہ سالار اور گورنر آذربائجان کے پاس سے) واپس چلی آئی۔ بڑھیا سے سپہ سالار نے مکان بھی چھین لیا۔ اب بڑھیا نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب کبھی سپہ سالار دربار کرتا یا سیر و شکار کے لئے باہر نکلتا تو یہ اس کی راہ میں بیٹھ جاتی اور جوں ہی سپہ سالار آتا دکھائی

دیتا یہ چلا کے کہتی میری زمین کی قیمت مجھے دو مگر سپہ سالار بغیر کچھ کہے ادھر سے گذر جاتا۔ سپہ سالار کے
خاص آدمیوں اور سرائے داروں اور حاجبوں وغیرہ سے بھی بڑھیا کہتی مگر وہ ہاں ہاں کر کے ٹال دیتے
اس بات کو دو برس بیت گئے۔ اب بڑھیا کے حالات سخت ابتر ہو چکے ہیں۔ اس کے معاملہ میں ذرا انصاف
نہیں ہو رہا تھا۔ بڑھیا اب مایوس ہو گئی تھی! کہنے لگی ہائے کہاں تک ٹھنڈے لوہے کے ٹکڑے کو پیٹوں
خدا نے ہر کلائی موڑنے کے لئے ایک دوسرا ہاتھ بنایا ہے یہ کم بخت لاکھ ظالم سہی مگر ہے تو یہ بادشاہ نوشیرواں
کا ایک ادنیٰ خادم اور چاکر میں اب مدائن جاتی ہوں اور خود بادشاہ سے نالش کرتی ہوں اور اسے
اپنے حالات سے آگاہ کرتی ہوں۔ ممکن ہے میرے معاملہ میں انصاف کیا جا سکے، بڑھیا نے اپنا یہ منصوبہ
راز میں رکھا اور دفعتہً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بہزار دشواری آذر بائیجان سے مدائن پہنچی۔ جس وقت مدائن
(ایران قدیم کا پائے تخت) میں بڑھیا نے شاہی محل کو دیکھا تو اس نے سوچا مجھے بھلا اس محل میں کون جانے
دے گا۔ پھر آذر بائیجان کا گورنر آخر کو تو محض گورنر ہے اور بادشاہ کا ماتحت ہے جب مجھے اس سے ملنے
نہیں دیا گیا تو بادشاہ تو بہر صورت بادشاہ ہے بھلا مجھے اس کے محل میں جانے یا اس سے بات کون کرنے
دے گا۔ میرے لئے مناسب یہ ہے کہ یہیں قریب میں کسی جگہ اتر جاؤں اور اس کی راہ دیکھتی رہوں کہ بادشاہ
اس علاقہ کا کب دورہ کرتا ہے۔ ممکن ہے اگر میں جنگل بیابان میں اپنے کو بادشاہ کے قدموں میں ڈال
دوں اور اپنا قصہ اس سے بیان کروں تو کام بن سکے۔ اتفاق یہ ہوا کہ یہی سپہ سالار یعنی آذر بائیجان کا گورنر
مدائن آیا۔ نوشیرواں نے بھی ارادہ کیا کہ آذر بائیجان کے علاقہ میں جا کر شکار کھیلے گا، بڑھیا کو بھی خبر لگ
گئی کہ بادشاہ فلاں فلاں شکار گاہ میں شکار کے لئے آئے گا۔ بڑھیا بھی اس دن پوچھتے پوچھتے اس شکار
گاہ تک پہنچ ہی گئی۔

شکار گاہ میں بڑھیا ایک جھونپڑی میں پڑ رہی۔ اور کسی طرح رات کاٹ دی۔ دوسرے دن نوشیرواں
شکار گاہ میں آپہنچا اور اس کے بڑے بڑے امراء اور دوسرے سردار شکار کی غرض سے صحرا میں پھیل گئے۔ نوشیرواں
اب اکیلا رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ اس کا مسلح محافظ (اے، ڈی، سی) رہ گیا تھا۔ نوشیرواں شکار
کی تلاش میں صحرا کے گوشہ گوشہ میں پھر رہا تھا، بڑھیا نے جوں ہی بادشاہ کو تنہا پایا ایک جھاڑی
کے پیچھے سے نکل آئی اور بادشاہ کے حضور میں اپنی رام کہانی سنا ڈالی۔ بادشاہ نے بڑھیا کو پریشان دیکھا تو فوراً
اس کی بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس عورت کو انتہائی مجبوری نہ ہوتی تو وہ یوں یہاں،

اس جنگل بیابان میں نہ آتی ۔ نوشیرواں نے گھوڑا بڑھیا کی طرف بڑھادیا اور اس سے اس کی عرضی لے لی اسے پڑھا اور اس کا قصہ معلوم کیا ۔ واقعہ معلوم ہونے کے بعد نوشیرواں عادل کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے بڑھیا سے اس نے یہ کہا کہ کوئی ہراس کی بات نہیں ، اپنے دل کو قوی رکھ ، اب تک تو یہ معاملہ تیرا تھا لیکن اب کہ اسے میرے علم میں لایا جا چکا ہے یہ خود میرا معاملہ ہے ۔ چند دن تو یہیں رہ جا ، آخر تو اتنے دور سے آئی ہے نوشیرواں نے ادھر اُدھر دیکھا تو اُسے اس کا ایک فراش (چوبدار) دکھائی دیا ۔ جو ایک خچر پر سوار آ رہا تھا بادشاہ نے اس فراش سے کہا : دیکھو تم سواری سے اُتر آؤ اور اس عورت کو سواری پر بٹھا کے قریب کے دیہات میں لے جاؤ اور اسے دیہات کے مکھیا کے سپرد کر دو ۔ اور اس کے بعد تم واپس آجاؤ ۔ شکارگاہ سے واپس آنے کے بعد بادشاہ نے بڑھیا کو اپنے ساتھ شہر لانے کے احکامات نافذ کر دیئے ۔ بڑھیا دائن لائی گئی اور اسے ہر روز دو سیر روٹی اور ایک سیر گوشت اور پانچ دینار ماہوار ملنے لگے ۔ بادشاہ ہر روز سوچتا تھا کہ اسے یہ کیسے معلوم ہو کہ بڑھیا جو کہہ رہی ہے یہ سچ ہے یا غلط ہے ، وہ چاہتا تھا کہ یہ تحقیق اس طرح ہو کہ بڑے سرداروں اور زعماً میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ۔ ایک دن دوپہر قیلولہ کے وقت جب سب سوئے پڑے تھے ، اور محل میں سناٹا تھا ، نوشیرواں نے اپنا ایک خادم بھیجکر اپنے ایک خاص غلام اور مقرب کو بلوا بھیجا ۔ یہ غلام جس وقت حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا : تم جانتے ہو میرے پاس بہت سے غلام ہیں جو قابل بھی ہیں اور شائستہ بھی ہیں میں نے اس لئے انتخاب کیا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم ضروری مصارف ہمارے خزانہ سے لے لو اور آذر بائیجان چلے جاؤ اور فلاں فلاں شہر میں فلاں فلاں مقام پر ٹھہر جاؤ ۔ بیس روز وہاں ٹھہرنا ۔ لیکن وہاں کے لوگوں کو معلوم نہ ہونے پائے کہ تم کس لئے وہاں پہنچے ہو ۔ لوگوں کو تم یہ تاثر دو کہ تم ایک فرار شدہ غلام کے تعاقب میں بھیجے گئے ہو ۔ وہاں تم ہر قسم کے لوگوں سے ملنا ۔ اور کسی خاص موقع پر ، یعنی اپنی مجلس آرائیوں میں ، بر سبیل تذکرہ پوچھنا : " کیا اس علاقہ میں کوئی بڑھیا رہتی تھی فلاں فلاں نام کی ، آخر وہ گئی کہاں کہ اس کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا ۔ اور بڑھیا نے اپنی زمین کا کیا کیا آخر ؟ نوشیرواں نے کہا : ان جوابات کو خوب ذہن نشین کر لینا اور پھر من وعن مجھے واپس آکر بتانا ۔ اسی کام پر ہم تمہیں بھیج رہے ہیں ۔ البتہ یہ ہے کہ کل جب دربار لگے گا تو میں تمہیں تمام عمائدین کے سامنے با آواز بلند پکاروں گا اور جب تم آؤ گے تو میں تم سے کہوں گا کہ جاؤ خزانہ شاہی سے ضروری مصارف لے لو اور یہاں سے آذر بائیجان جاؤ ۔ آذر بائیجان میں جس شہر اور جس علاقہ میں پہنچو ، اس سال کی فصل کے بارے میں ، غلوں کی فصل ، اور میووں کی

فصل کے بارے میں، غرض ان تمام چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرو۔ یہ بھی دیکھو کہ کہیں قدرتی مصیبتیں تو نازل نہیں ہوئیں۔ چراگاہوں اور شکارگاہوں کے بارے میں بھی تحقیقات کرو۔ اور حالات تم کو جیسے دکھائی دیں آکر مجھے بتانا اور یہ سب وہاں اس طریقہ سے کرنا کہ کسی کو یہ احساس نہ ہونے پائے کہ میں تمہیں کس مہم پر روانہ کر رہا ہوں۔ غلام نے عرض کیا: حکم بجالاؤں گا (دوسرے دن روانہ ہوگیا)۔ اور اس شہر میں جا پہنچا۔ بیس دن یہ وہاں ٹھہرا اور ایک ایک سے بڑھیا کے حالات کی تفتیش کرتا رہا۔ سب نے کم وبیش وہی کہا جو بڑھیا نے کہا تھا۔ لوگوں نے کہا: یہ بڑھیا بڑی شرم وحیا کی بڑھیا تھی۔ اور خاندانی عورت تھی، اس کو ہم نے اس کے شوہر اور بیٹوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ شوہر اور بیٹے اس کے سبھی مر گئے۔ اور اس کی زندگی کا آرام تباہ ہوگیا اب یہ رہ گئی تھی اور اس کا سہارا ایک قطعہ زمین تھا۔ موروثی، اسے اس نے ایک کاشتکار کو بٹائی پر دے رکھا تھا۔ اس زمین سے بڑھیا کو بس اتنا مل جاتا تھا کہ یہ اپنے کاشتکار کو دے دلا سکے اور سرکاری لگان بھی ادا کر دے۔ اور خود اس کے پاس بس اتنا بچ جاتا تھا کہ نئی فصل کے تیار ہونے تک اسے دن بھر میں چار روٹیاں مل جاتی تھیں۔ ایک روٹی یہ نانبائی یا پکانے والے کو دیتی، ایک میں دیا بتی کا خرچ نکل آتا۔ باقی دو وہ صبح وشام کھا لیتی۔ اب گورنر نے (آذربائیجان کے گورنر نے) باغ کی تعمیر کے لئے بڑھیا کی زمین اس سے زبردستی چھین لی۔ اور باغ میں شامل کرلی۔ گورنر نے نہ زمین کی قیمت ادا کی اور نہ اس کے عوض کوئی دوسری زمین دی۔ بڑھیا ایک برس مسلسل فریاد کرتی رہی، روتی پیٹتی تھی۔ اپنے معاوضہ کا مطالبہ کرتی تھی۔ مگر کوئی نہ تھا کہ اس کی شنوائی کرتا اور اب تو ایک زمانہ بیت گیا شہر میں بڑھیا نظر نہیں آئی ممکن ہے مر گئی ہو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ غلام تحقیقات مکمل کرنے کے بعد واپس آچکا تھا۔ نوشیرواں نے اس سے ملاقات کی اور جس وقت غلام شاہی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کورنش وغیرہ بجالایا تو بادشاہ نے کہا: ہاں بتاؤ تو سہی کیا خبر لائے ہو، غلام عرض پرداز ہوا: بادشاہ کے اقبال سے اس سال تمام جگہوں پر فصل اچھی ہوئی ہے اور کوئی قدرتی بلا وغیرہ نہیں نازل ہوئی ہے، چراگاہیں اور سبزہ زار سب شاداب ہیں۔ شکارگاہیں جانوروں سے پُر ہیں۔ نوشیرواں نے یہ سُنا تو خدا کا شکر ادا کیا، اور کہا کہ تم کافی اچھی خبر لائے ہو۔ جب تمام لوگ چلے گئے اور محل شاہی میں کوئی غیر آدمی نہ رہا تو غلام نے بڑھیا کے بارے میں، جو کچھ سُنا تھا کہہ سُنایا۔ نوشیرواں نے یہ سب سُنا تو ایک دن اور ایک رات فکر اور تردد کا شکار رہا اور اسے بڑی بے چینی رہی، دوسرے دن صبح، بادشاہ نے اپنے سب سے بڑے حاجب کو بلوا بھیجا اور فرمایا کہ دیکھنا! امراء جب آنا شروع ہو جائیں اور فلاں

شخص بھی آنے لگے تو اُسے ڈیوڑھی ہی پر روک لینا۔ اس سلسلہ میں میں بعد میں مزید احکامات نافذ کروں گا۔
چنانچہ جس وقت امراء اور قضاۃ (جمع قاضی) اور دوسرے اعیان مملکت آئے تو حاجب نے وہی کیا کہ جو نوشیرواں نے اس سے کہا تھا۔ نوشیرواں برآمد ہوا اور اس نے بارِ عام دیا۔ نوشیرواں نے اب عمائدین سے مخاطب ہو کر کہا:
میں تم لوگوں سے ایک بات پوچھوں ٹھیک ٹھیک جواب دینا، سب نے کہا: ہم خادم ہیں یقیناً حکم بجا لائیں گے
بادشاہ بولا: اچھا یہ جو آذربائیجان کا حاکم ہے اس کی دولت اور اس کے سازوسامان کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے۔
اور یہ کہ نقد اس کے پاس کتنا ہوگا؟
درباری: کم وبیش دس لاکھ دینار، دولت سے تو یہ شخص بے نیاز ہے
بادشاہ: زریں مسندیں اور فرش فروش وغیرہ؟
درباری: پانچ لاکھ ہوں گی۔
بادشاہ: جواہر وغیرہ،
درباری: چھ لاکھ!
بادشاہ: مزروعہ و غیر مزروعہ اراضی، زمینات اور جائداد وغیرہ
درباری: خراسان، عراق، فارس، اور آذربائیجان میں ہر ہر شہر اور ہر ہر جگہ پر آذربائیجان کے موجودہ گورنر کے مکانات، کارواں سرائیں اور زمینیں ہیں۔
بادشاہ: گھوڑے اور خچر وغیرہ
درباری: تیس ہزار ہیں۔
بادشاہ: بکریاں اور بھیڑیں اور اونٹ؟
درباری: دولاکھ بھیڑیں اور تیس ہزار اونٹ؟
بادشاہ: زرخرید غلام اس کے کتنے ہوں گے؟
درباری: سترہ سو غلام ہیں ترکی، حبشی اور رومی اور چار سو لونڈیاں ہیں۔
نوشیرواں: جس کے پاس اتنی دولت ہو اور ہر روز اس کے دسترخوان پر بیسیوں قسم کے شیریں اور لذیذ کھانے آتے ہوں وہ ایک غریب اور لاچار اللہ کے بندہ سے جو اس کی رعایا ہو اور جس کی ساری پونجی

اس دنیا میں صرف دو روٹیوں سے عبارت ہو تو وہ اسے بھی اس سے چھین لے، بادشاہ نے درباریوں سے سوال کیا ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیئے. سب بول اُٹھے. ایسا آدمی ہر طرح کی سخت سزا کا مستحق ہے ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے. نوشیرواں کو اب جلال آچکا تھا حکم دیا کہ اسی وقت اس شخص کی کھال کھنچ لی جائے: اس کا گوشت کتوں کو کھلا یا جائے اور اُس کی کھال میں بھوسہ بھر کر اسے محل کے آگے لٹکا دیا جائے اور سات دن تک اعلان کرایا جائے. آج سے جو بھی ظلم کرے گا یہاں تک کہ بھوسہ کی ایک بوری. ایک عدد انڈا یا سبزی کی ایک گانٹھ ناجائز طور پر لے گا اور یہ شکایت ہمارے پاس پہنچے گی تو اس شخص کا انجام یہی ہو گا جو اس کا (والی آذربائیجان کا) ہوا ہے. اس کے بعد حکم ہوا کہ بڑھیا کو بلوایا جائے. نوشیرواں نے اب درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا: اسی بڑھیا پر ظلم ہوا ہے اور ظالم وہ تھا جس نے سزا پائی ہے اور وہ جس غلام کو میں نے آذربائیجان بھیجا تھا اس کا اصل مدعا یہ تھا کہ میں چاہتا تھا کہ اس بڑھیا کے حالات سے واقف ہو سکوں اور اس کی فریاد رسی کی جا سکے. اس کے بعد نوشیرواں نے بڑے درباریوں اور امراء سلطنت سے کہا کہ تم لوگوں کو جاننا چاہیئے کہ میں نے اس سزا کے دینے میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے اور آئندہ تو میں ظالموں سے محض تلوار کی زبان میں گفتگو کروں گا! ہاں میں بھیڑیئے سے بھیڑ بکری کے بچے کو بچاؤں گا اور دراز دستیوں کی اجازت نہ دوں گا فساد کرنے والوں کو روئے زمین سے مٹا دوں گا اور دنیا کو امن اور عدل سے بھر دوں گا. مجھے دراصل اسی غرض سے پیدا کیا گیا ہے. اگر ایسا ہو سکتا کہ لوگوں کو مطلق العنان چھوڑا جا سکتا تو اللہ تعالیٰ بادشاہ کو نہ پیدا کرتا. اور عوام الناس کی رہبری اس کے سپرد نہ کرتا. اب تم یہ کرو کہ اس بات سے چوکنے ہو جاؤ کہ کہیں تمہارا بھی یہی انجام نہ ہو جو والی آذربائیجان کا ہوا. اس وقت دربار میں جو بھی تھا نوشیرواں کی ہیبت اور اس کے جلال سے اس کا پتہ پانی ہو رہا تھا. بڑھیا سے مخاطب ہو کر بادشاہ بولا: تجھ پر جس نے ظلم کیا تھا وہ اپنے کئے کی سزا بھگت چکا. اب تو نہ صرف اپنی زمین کی بلکہ اس پورے قصر اور باغ کی جس میں تیری زمین تھی مالک ہے. میں نے تیرے لئے سواری اور زاد راہ کا انتظام کر دیا تاکہ تو میرے شہر سے سلامتی اور عزت کے ساتھ اپنے وطن واپس چلی جائے. اور مجھے اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھنے. اس کے بعد نوشیرواں نے یہ بھی کہا کہ یہ کیا ہے کہ ہمارے دروازے ظالموں کے لئے تو کھلے رہیں لیکن ستم رسیدوں پر بند رہیں. یہ غلط ہے. اس لئے کہ لشکر اور رعایا سبھی ہمارے زیر دست ہیں. ہماری نگاہوں میں سب برابر ہیں. رعایا (محصول) دینے والی مخلوق ہے اور لشکر کے ذریعہ عملدرآمد ہوتا ہے وصول تحصیل میں، ایک بڑی بے قاعدگی اور ستم انگیزی یہ ہوتی ہے کہ فریادی جب ہمارے یہاں

آتا ہے تو اسے میرے پاس نہیں آنے دیتے کہ وہ اپنا عرض حال کرے۔ اگر بڑھیا یہاں تک آسکتی تو وہ کیوں تھکا رگاہ جاتی۔ اب نوشیرواں نے حکم دیا کہ ایک زنجیر بنائیں اور اس میں گھنٹیاں آویزاں کردیں۔ یہ گھنٹیاں ایسی ہوں کہ ان تک سات برس کے بچہ کا بھی ہاتھ پہنچ سکے۔ اس سے ہر فریادی حاجب اور پردہ دار شاہی سے التماس کرنے سے بے نیاز ہوجائے گا۔ فریادی زنجیر ہلا سکتا ہے۔ اس سے گھنٹیاں بجنے لگیں گی اور نوشیرواں سن لے گا اور پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردے گا۔ دربار جب برخواست ہوگیا تو حکام اعلیٰ نے فی الفور اپنے ماتحتوں کو طلب کیا اور کہا: دیکھو اس دو سال کے عرصہ میں اگر تم لوگوں نے غلط طور پر، ناجائز طور پر لوگوں سے کچھ لیا ہو یا کسی کو ملزم قرار دیا ہو یا کسی کو ستایا ہو تو اب ہم اور تم سبھی اس مسئلہ کا جائزہ لیں گے اور کوشش کریں گے کہ قبل اس کے کہ شاہ تک بات پہنچے اور ہماری شکایت ہو تمام متعلق لوگ ہم سے مطمئن ہوجائیں اور ساری ناانصافیاں ختم کردی جائیں۔ اب سب کے سب حکام اپنے اپنے تصفیہ حساب کے کام میں لگ گئے متعلقہ لوگوں کو خوش اسلوبی سے بلایا جاتا، ان کے گھروں پر جایا جاتا اور جن جن اشخاص کا حق مارا گیا تھا ان سے معذرت کی جاتی اور پھر ان کے مطالبات اور حقوق ادا کئے جاتے۔ مطالبات وصول ہونے کی رسیدیں لے لی جاتیں اور ان سے تحریر لے لی جاتی کہ فلاں فلاں شخص کو اب کوئی شکایت نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی مطالبہ باقی ہے۔ اس ایک قرار واقعی تعزیر سے، نوشیرواں نے تمام مملکت کو ٹھیک کردیا۔ ساری دست درازیاں ختم ہوگئیں اور تمام رعایا فارغ البال ہوگئی۔ سات برس اس واقعہ پر گذر گئے لیکن پھر قصر شاہی تک ایک شخص بھی فریاد لیکر نہ آیا!

حکایت

اس واقعہ پر ساڑھے سات سال بیت گئے ایک دن کا ذکر ہے شاہی محل میں اکّا دکّا لوگ رہ گئے تھے۔ اکثر لوگ اپنے اپنے گھر جاچکے تھے۔ نوبت بجانے والے بلندی کی جھیل میں ڈوب چکے تھے۔ کہ دفعتہً بانگ جرس (گھنٹے کی آواز)، زنجیر عدل سے بلند ہوئی۔ نوشیرواں نے شور سنا تو فوراً دو خادموں کو بھیجا اور کہا کہ وہ دیکھیں اتنی رات گئے کون فریادی آیا ہے: خادم نے شبستان شاہی میں آکر عرض کیا کہ ہم لوگوں نے تو بس ایک بڈھے لاغر اور مریل گدھے کو دیکھا ہے جو زنجیر کو اپنے بدن سے رگڑ رہا ہے۔ اور تو اس وقت کوئی نہیں۔ اور یہ گدھے کی پشت کے رگڑنے سے ہی گھنٹے کی آواز پیدا ہورہی ہے۔ نوشیرواں بولا: تمہارا خیال غلط ہے

ذرا معاملہ کی تحقیق کروگے تو معلوم ہوگا کہ گدھا بھی فریادی لے کر آیا ہے۔ اب نوشیرواں نے دونوں ملازمین شاہی کو حکم دیا کہ گدھے کو لیکر بازار جائیں اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد اُسے (بادشاہ کو) اطلاع دیں کہ کیا قصہ ہے۔ ملازمین شاہ گدھے کو لیکر بازار آئے اور لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کردی۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس گدھے سے بھی واقف ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کیا خوب کون ہے جو اس گدھے سے واقف نہ ہو۔ اس سے تو سبھی واقف ہیں! ملازمین سرکار نے سوال کیا: بتاؤ تو سہی اس گدھے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ لوگوں نے کہا: یہ فلاں فلاں دھوبی کا گدھا ہے، بیس برس سے ہم نے اس گدھے کو اسی دھوبی کے پاس دیکھا ہے۔ اس تمام مدت میں دھوبی اس گدھے پہ برابر کپڑوں کی گٹھریاں لاد کے دھوبی گھاٹ لے جاتا رہا اور سرشام اسے واپس لے آتا رہا ہے۔ یہ گدھا جب تک جوان رہا اور کام کرنے کے قابل رہا اسے چارہ ملتا رہا۔ لیکن جب سے یہ گدھا بوڑھا ہوا اسے اس کے مالک نے چھوڑ دیا ہے اور اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ اب ڈیڑھ سال سے یہ غریب یوں ہی مارا مارا پھر رہا ہے۔ اب اُسے لوگ ترس کھاکر کھانے کو دے دیتے ہیں۔ اور ادھر دو دن سے تو یہ بھوکا ہے۔ یہ معلومات حاصل کر کے ملازمین بادشاہ کے حضور ——— میں حاضر ہوئے اور تمام اطلاعات دیں، نوشیرواں نے کہا: میں نہ کہتا تھا تم سے کہ یہ گدھا بھی اپنا انصاف کرانے آیا ہے۔ آج رات تو خیر اسے ٹھیک سے رکھنا۔ کل اس دھوبی کو اس کے محلہ کے چار معتبر آدمیوں کے ساتھ یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد میں احکامات نافذ کروں گا۔ لیجئے دھوبی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ بادشاہ دھوبی سے مخاطب تھا: یہ گدھا جب تک جوان تھا اور تیرا کام کر سکتا تھا، تو اسے چارہ بھی دیتا تھا اور اُسے ٹھیک سے رکھتا بھی تھا۔ اور اب کہ یہ بوڑھا ہو چکا ہے اور تیرا کام کرنے سے قاصر، تو نے اس کا چارہ تک بند کر دیا ہے!

بادشاہ نے حکم دیا: یہ گدھا جب تک جیئے اسے یہ دھوبی چارہ دیتا رہے اور اگر وہ ایسا کرنے میں لیت لعل کرے تو اسے سزا ملنی چاہیئے۔

اس حکایت سے ظاہر ہے کہ بادشاہوں نے ہمیشہ ضعیفوں کا لحاظ رکھا ہے اور انھوں نے اپنے گماشتوں کے بارے میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے۔ اور اُس تمام کاوش کا مقصد یہ رہا ہے کہ بادشاہ اس دنیا میں نیک نام رہیں اور انھیں آخرت میں نجات حاصل ہو۔

ہر دو تین سال کے اندر حکام اور والیوں کا تبادلہ ضرور کر دینا چاہیئے تاکہ یہ نہ ہو کہ وہ اپنی جگہ بہت

قوی ہو جائیں اور قلعے تعمیر کرلیں، رعایا کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا چاہیئے تاکہ مملکت ہمیشہ آباد رہے۔

چھٹا باب

اہل قضا وغیرہ کے حدود اور ان کے اختیارات

اشارات

ملک کے قاضیوں کے حالات سے فرداً فرداً آگاہی ضروری ہے۔ عہدہ قضا پر صرف ایسے لوگوں کو مامور کرنا چاہیئے جن میں نیکی زہد و تقویٰ اور شرافت کی صفات ہوں اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہوں اور ظلم اور زیادتی سے دور ہوں۔ جن قاضیوں میں یہ خوبیاں نہ پائی جائیں اُنھیں اس عہدہ سے ہٹا دینا چاہیئے اور زیادہ موزوں آدمیوں کو ان کی جگہ مقرر کر دینا چاہیئے۔ قاضیوں کی تنخواہیں اتنی معقول ہونی چاہئیں کہ اُنھیں کسی قسم کی بددیانتی اور رشوت ستانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔ قضا یا جج کا کام اپنے اندر بڑی اہمیت اور نزاکت رکھتا ہے۔ ایک جج کو مسلمانوں کے مال اور جان پر اختیار حاصل ہو جاتا ہے اگر کہیں ایک قاضی قانون سے ناواقفیت یا کسی لالچ کی بنیاد پر کوئی حکم جاری کر دے تو دوسرے حکام قضا کا فرض ہے کہ وہ غلط فیصلوں اور احکامات کو کالعدم قرار دیں یعنی ایک عدالت کے غلط فیصلے کو دوسری اعلیٰ عدالت منسوخ کر سکتی ہے۔ اگر کوئی قاضی، انصاف اور عدل کے کام میں بے ایمانی سے کام لے تو واقعات کو بادشاہ کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور بادشاہ کو ایسے قاضیوں کو معزول کر دینا چاہیئے اور اُنھیں سزا بھی دینا چاہیئے۔ شاہی افسروں کی ذمہ داری ہے کہ قاضی (جج) کے ہاتھ مضبوط رکھیں اور اس کے منصب کا وقار قائم رکھیں۔ عدالت کی طلبی پر اگر کوئی شخص اپنی ہتک محسوس کرے اور حاضر ہونے سے انکار کر دے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا بااثر شخص ہو اُسے سختی کے ساتھ اور زبردستی عدالت میں پیش کرنا چاہیئے۔

قضا کا مسئلہ اتنا نازک ہے کہ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم صحابہ نے بہ نفس نفیس اس منصب

عالی کو زینت بخشی ہے اور اس خیال سے کہ کہیں سچائی کے راستے سے انحراف نہ ہو جائے خلفائے راشدین نے یہ فریضہ خود انجام دیا ہے۔ قانون کی زد سے کوئی شخص آزاد نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے آج تک مملکتیں اسی صورت میں قائم رہی ہیں اور صرف اسی وقت تک جب تک کہ عدل اور انصاف سے کام لیا جاتا رہا ہے اور لوگ سچائی اور حق کا دامن تھامے رہے ہیں۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایرانی بادشاہوں کی ایک مشہور روایت ہے کہ نوروز اور جشن مہرگان (ایران کی ایک سرکاری تقریب) کے موقع پر وہ بار عام دیا کرتے تھے ہر شخص بغیر کسی روک ٹوک کے جا سکتا تھا اور اس بار عام کی کئی دن پہلے سے منادی کروادی جاتی تھی۔ جب خاص نوروز کا موقع آتا تو بادشاہ یہ اعلان کروادیتا کہ جس کو جو عرض کرنا ہو وہ بلا تکلف اور بے محابا آکر عرض کرے بادشاہ کا اعلان یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر اس موقع پر کسی نے کسی فریادی کے مجھ تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کی تو میں اُسے سخت سزا دوں گا۔ اس کے بعد بادشاہ لوگوں سے ان کی عرضیاں لیتا، بادشاہ ایک ایک عرضی کو دیکھتا اگر کسی عرضی میں خود بادشاہ کے خلاف نالش ہوتی تو بادشاہ فوراً تخت سے اُتر آتا اور موبد اعظم یعنی قاضی القضاۃ (آج کل کی اصطلاح میں چیف جسٹس) کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جاتا اور چیف جسٹس سے کہتا کہ سب سے پہلے اس آدمی کا اور میرا فیصلہ کیا جائے، اور بغیر کسی جھجک کے یہ فیصلہ ہو، یعنی ایک فریق سے محض اس لئے رعایت نہ کی جائے کہ وہ بادشاہ ہے اس کے بعد بادشاہ اعلان کرتا کہ اگر اب بھی کچھ لوگ ہوں جنھیں میرے خلاف کچھ کہنا ہو تو وہ ایک طرف کھڑے ہو جائیں۔ تاکہ سب سے پہلے ان لوگوں سے نمٹ لیا جائے، اب بادشاہ قاضی سے مخاطب ہوتا اور کہتا کہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو بادشاہ سے سرزد ہو، اور بادشاہوں کا اپنی بادشاہت کا حق ادا کرنا اس میں مضمر ہے کہ وہ رعایا کی حفاظت کریں ان کے ساتھ انصاف کریں اور ظالموں کو ان پر ظلم نہ کرنے دیں ظاہر ہے بادشاہ کے ظالم ہونے کی صورت میں اس کی حکومت کا پورا ڈھانچہ فاسد ہو جاتا ہے اور اہل حکومت خدا کو بھلا کر اسکی بخشی ہوئی نعمتوں کی ناقدری کرنے لگتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد ان لوگوں پہ خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، یہ ذلیل ہو جاتے ہیں اور ظلم وستم کے آغاز پر تھوڑی ہی مدت گذرتی ہے کہ ملک برباد ہو جاتا ہے گویا حکام کی بداعمالی سے پوری قوم کو برباد ہونا پڑتا ہے اور حکومت کی باگ ڈور دوسرے گروہ اور خانواد

میں چلی جاتی ہے ، بادشاہ قاضی القضاۃ سے کہتا کہ دیکھ رے موبد حق پرست ! مجھے کہ میں بادشاہ ہوں اپنی ذات سے سوا مت سمجھ، اس لئے کہ اگرچہ خدا کے سامنے آخری ذمہ داری میری ہے لیکن میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ میں تجھ سے پوچھ نہ سکا لیکن تجھ سے پرسش کروں گا اس لئے کہ میں نے اپنی ذمہ داری کا بوجھ تیری گردن میں ڈال دیا ہے۔ اس تقریب کے بعد نوروز کے اس موقع پہ موبد (قاضی) اگر یہ دیکھتا کہ بادشاہ کا کوئی فریق کوئی جائز مطالبہ لے کر آیا ہے تو وہ اسے اس کا حق دلا دیتا۔ لیکن اگر کسی شخص کے بارے میں یہ انکشاف ہوتا کہ اس نے بغیر کسی جواز اور حق کے بادشاہ پر دعویٰ دائر کیا ہے تو اسے سخت سزا دی جاتی۔ تمام مقدمات اور قضیوں کے فیصل ہو جانے کے بعد بادشاہ پھر تخت پہ بیٹھ جاتا، تاج شاہی اپنے سر پہ رکھتا اور عائدین سلطنت اور شاہی خاندان کے افراد سے مخاطب ہو کر کہتا کہ میں نے اپنے سے اس لئے ابتدا کی ہے کہ تم میں سے کسی کو ظلم وستم کرنے کی جسارت نہ ہونے پائے، اب اگر تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں جن پہ لوگوں کو دعوے ہوں تو انھیں یعنی مدعیوں کو راضی کرنے کی سبیل کرنی چاہئے، نوروز کے اس موقع پہ بادشاہ نہ اپنے اعزا کا لحاظ رکھتا تھا اور نہ اسے صاحب اقتدار لوگوں کی پروا ہوتی تھی ، اردشیر کے زمانے سے یزدگرد تک یہی نظام عدالت قائم رہا۔ مگر یزدگرد نے آکر اپنے اسلاف کی رسم بدل دی ، وہ آیا تو اپنے ساتھ ظلم وستم کا دستور لے آیا اس کی ذات سے بری روایات کا آغاز ہوا اور عوام مصیبت کا شکار ہو گئے۔ ایک دن یہ ہوا کہ یزدگرد کے محل خاص کے دروازے پر دفعتہً ایک بے زین اور بے لگام کا گھوڑا نظر آیا۔ گھوڑا کیا تھا خوب صورتی اور تناسب کا ایک شاہکار تھا۔ سب نے اس گھوڑے کی تعریف کی (یہاں مجھے غالب کے دو شعر یاد آگئے ،)

توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب ۔۔۔ تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب ۔۔۔ تو کہے بت خانہ آذر کھلا ۔۔۔ مترجم)

یہ گھوڑا چپ چاپ آکر کھڑا ہو گیا باری باری سب نے کوشش کی کہ اسے قابو میں لایا جائے مگر کوئی بھی اس عجیب وغریب گھوڑے پہ قابو نہ پاسکا، آخر میں بادشاہ خود آگے بڑھا اور کہا تم لوگ پرے ہٹ جاؤ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھوڑا خدا نے میرے لئے تحفے کے طور پہ بھیجا ہے غرض یہ کہ بادشاہ (یزدگرد) آہستہ آہستہ آگے بڑھا گھوڑے کی گردن کو اپنی گرفت میں لیا اور ہاتھ سے گھوڑے کو سہلانے لگا اور یوں اس کی پیٹھ پہ سوار ہو گیا۔ گھوڑا ذرا نہ ہلا اور چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کے بعد یزدگرد نے زین اور لگام طلب کی جسے خوبی کے ساتھ گھوڑے کی لپیٹ اور دہانے کے ساتھ چست کر دیا گیا ، اب بادشاہ نے رکاب میں پاؤں ڈالنا ہی چاہتے تھے کہ دفعتہً گھوڑے

نے دولتیاں ماریں جو بادشاہ کے سینے اور پیٹ کے حصے پر پڑیں۔ بادشاہ مر گیا۔ گھوڑا باہر کی طرف منہ کر کے اُڑ گیا گھوڑے کو پھر کسی نے نہ دیکھا اور کوئی یہ نہ جان سکا کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چل دیا سب کی رائے یہ تھی کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ تھا جس نے قوم کو ظلم سے آکر نجات دی۔

حکایت

بیان کیا گیا ہے کہ واثق باللہ (نواں عباسی خلیفہ) کا دربار لگا ہوا تھا۔ فریادیوں کا ہجوم تھا اور دربار میں عمارہ بن حمزہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک ستم رسیدہ نے عمارہ کے خلاف نالش کی کہ انھوں نے زبردستی اس کی زمین پر قبضہ کر رکھا ہے۔

امیرالمومنین واثق، نے عمارہ سے کہا کہ تم اُٹھ کر اپنے مدعی کے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنی صفائی میں جو کہنا چاہتے ہو کہو عمارہ بولے میں اس مقدمے میں فریق بننا نہیں چاہتا اور اگر اس شخص کے خیال میں یہ زمین اور جائداد جس پر یہ دعویٰ جتلا رہا ہے اسی کی ہے تو میں اسی وقت اپنی ملکیت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ عمارہ نے کہا کہ چونکہ خلیفہ نے مجھے ایک بلند منصب سونپا ہے (غالباً وزارت عظمیٰ مترجم) اس لئے میں ایک جائداد کے قبضے میں فریق بنکر اپنے منصب کو رسوا نہیں کرنا چاہتا۔ عمارہ کی اس عالی ظرفی سے عمائدین سلطنت بہت خوش ہوئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ بادشاہ کو بہ نفس نفیس عہدہ قضا سنبھالنا چاہیئے یعنی اسے خود فریقین مقدمہ کے بیانات سننے چاہیں، بادشاہ ترک ہو یا ایرانی ہو عربی سے ناواقف ہو یا اس نے فقہ نہ پڑھی ہو۔ کچھ بھی ہو اسے معاونوں کی ضرورت پیش آتی ہی ہے تاکہ وہ عدل و انصاف کے معاملے میں اس کی نیابت کر سکے تمام قاضی کے عہدے پر فائز لوگ بادشاہ کے نائب ہیں اور بادشاہ کا فرض ہے کہ قاضیوں یعنی ججوں، کے منصب کے وقار اور حیثیت کو قائم رکھے۔ ججوں کا مرتبہ سب سے بلند ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہ قاضی خلیفہ کے نائب ہوتے ہیں۔ اور اس کے فرائض انجام دیتے ہیں اور خلیفہ بادشاہوں کے گماشتہ اور نائب ہوتے ہیں اور اس کا کام کرتے ہیں، اسی طرح جامع مسجدوں کے لئے مناسب خطیبوں کا انتخاب ہونا چاہیئے خطیبوں کو متقی اور مقدس ہونا چاہیے اس لئے کہ نماز جو بندہ و آقا میں رازو نیاز ہے بڑی نازک سی شئے ہے جس کا بنانا آسان کام نہیں ہے، امام کی نماز سے تمام مسلمانوں کی نماز متعلق ہو جاتی ہے۔ اگر کہیں امام کی نماز ناقص ہوئی اور اس میں خلل واقع ہوا تو گویا پوری قوم کی نماز باطل ہوئی۔ ہر ہر شہر میں ایک محتسب بھی بھیجنا چاہیئے (محتسب یعنی احتساب کرنے

والا، حالات کا جائزہ لینے والا) ان محتسبوں کا کام یہ ہوگا۔ کہ وہ اوزان اور نرخوں پہ کڑی نگرانی رکھیں اور خرید و فروخت کے بازار کو خوبی کے ساتھ گرم رکھیں۔ تاکہ خرید و فروخت میں کسی قسم کی دھاندلی نہ ہونے پائے باہر سے جو مال فروخت کے لئے آئے اس کے بارے میں یہ احتیاط برتنی چاہیئے کہ اس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو۔ باٹ اور ترازو۔ اور اوزان اور میزان سب ٹھیک رہیں، اور لین دین کے معاملے میں اللہ کے حکم سے کسی قسم کی سرتابی کی اجازت نہ دی جانی چاہیئے، بادشاہ اور اس کے نائبوں یا نوابوں کا فرض ہے کہ وہ محتسب کو پورے پورے اختیارات دیں اس لئے کہ اس پر مملکت کی خوشحالی کی بنیاد ہے اور عقلی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ ضروری ہے اور محتسبوں کو وسیع اختیارات نہ دئے جائیں گے، تو وہ بازار کو قابو میں نہ رکھ سکیں گے اور قوم تباہ ہو جائے گی اور نفع خور تاجر اپنی من مانی کرنے لگیں گے۔ بدکاری عام ہو جائیں گی، سرمایہ دار چھا جائیں گے، اور شریعت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن محتسب کا عہدہ ایسے شخص کو ملنا چاہیئے، جو خواص بارگاہ میں ہو، یا کوئی معتمد خادم یا ترک ہو جو بالکل بے خوف ہو اور جس کی بیباکی سے کیا خواص، کیا عوام سب ڈریں۔ ایسا ہوگا تو ہر چیز انصاف کی بنیاد پر ہو سکے گی اور اسلام کے ارکان مضبوطی سے قائم ہو جائیں گے دوسری حکایت اس بات کو زیادہ واضح کرے گی۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک بار سلطان محمود غزنوی نے تمام رات اپنے خواص اور ندیموں کے ساتھ جام سے لنڈھاتے یہاں تک کہ صبوحی (صبح کی شراب) پی۔ اس بزم ساغر و مینا میں محمود کے سپہ سالار، علی نوشتگین، اور محمد عربی حاضر تھے ان لوگوں نے تمام رات شراب پی تھی اور جاگتے رہے تھے، چنانچہ جب یہ لوگ سو کر اٹھے تو چاشت کا یعنی تقریباً دس بجے دن کا وقت آچکا تھا۔ علی نوشتگین خمار شب اور سرگرانی کا شکار تھا، ساری رات کی بیداری، اور مے نوشی میں بے اعتدالی، علی پر اپنا اثر ڈال رہی تھی۔ بہرحال بادشاہ سے اس علی نوشتگین نے اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی، محمود نے کہا "اس عالم میں دن دہاڑے جانا مناسب نہیں ہے۔ ظہر کے وقت تک تم یہیں ٹھہرو اور جب نشے کی کیفیت زائل ہو جائے تو چلے جانا اس لئے کہ اگر محتسب نے تمہیں اس حال میں دیکھ لیا تو یقیناً تم پر شرعی حد جاری کرے گا۔ اس طرح تمہاری توہین ہوگی اور میرا دل دکھے گا۔ اور میں کچھ کہہ بھی نہ سکوں گا۔ علی نوشتگین نے سوچا کہ محتسب اس کے بارے میں شاید اس قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے۔ نوشتگین کو گھمنڈ اس بات پہ تھا کہ پچاس ہزار سپاہی اس کی کمان میں تھے اور وہ دلاور اور بہادر اتنا تھا کہ ایک ہزار

آدمیوں پر بھاری تھا غرض یہ کہ اس نے اپنی جری بلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ میں تو جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا۔ اس پر محمود غزنوی نے کہا کہ بہتر ہے تم اپنا اچھا برا بہتر سمجھتے ہو، علی نوشتگین، اپنے غلاموں اور ملازموں کے ایک بہت بڑے گروہ کے ساتھ اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔ ادھر سے محتسب، ایکسو سواروں اور پیادوں کے ساتھ آرہا تھا، سپہ سالار کو جو نشہ کے عالم پایا۔ تو اس نے حکم دیا کہ سپہ سالار کو اس کے گھوڑے سے نیچے اُتار لیں، محتسب خود، بھی گھوڑے کی پشت سے اُتر چکا تھا اب اس نے خود اپنے ہاتھ سے سپہ سالار کو اس بُری طرح مارنا شروع کیا کہ سپہ سالار صاحب نے خاک چاٹنی شروع کردی اور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے، سپہ سالار کی فوج، اور اس کے حوالی موالی، سب دیکھتے رہ گئے اور کسی کو زبان تک ہلانے کی جرأت نہ ہوئی، یہ محتسب ایک ترک خادم تھا! بوڑھا تھا اور اس نے بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں۔ محتسب (کوتوال) سپہ سالار کو سزا دے جا چکا تھا اب سپہ سالار کو لوگ اُٹھا کر اس کے گھر لے گئے، راستے بھر علی کی کی زبان پر یہ جملہ جاری رہا کہ جو شخص بھی سلطان کی نافرمانی کرے گا اس کا وہی انجام ہوگا جو میرا ہوگا۔ دوسرے دن جب علی نوشتگین نے محمود کو اپنی ننگی پشت دکھائی، تو محمود سپہ سالار کی زخمی پشت دیکھ کر ہنسا اور اس نے کہا کہ توبہ کرو کہ اب اپنے مکان سے نشے کے عالم میں باہر نہ نکلو گے۔ چونکہ محمود نے سلطنت کا ایک مضبوط نظام قائم کیا تھا جس میں نظام تعزیرات بہت باضابطہ تھا اس لئے ہر شخص بلالحاظ عہدہ اپنے کئے کی سزا پاتا تھا۔

حکایت

میں نے کہیں سُنا ہے کہ ایک بار غزنین میں نانبائیوں نے روٹیوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کردی، اور اپنی دکانوں کے دروازے بند کرلئے۔ نان بالکل ناپید ہوگئی اور غریب اور نادار لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے ان لوگوں نے بارگاہ سلطانی میں فریاد کی اور سلطان ابراہیم غزنوی کے پاس شکایت لیکر گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سارے نانبائی حاضر کئے جائیں۔ جب یہ جب پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ ان لوگوں نے روٹی اور نان کی قلت کی صورت کیوں پیدا کر رکھی ہے، یہ بولے: اس شہر میں گیہوں اور آٹے کی جتنی بوریاں آتی ہیں اُنھیں بادشاہ کے نانبائی بادشاہ کے حکم اور فرمان کے نام پر اپنے تصرف میں لے لیتے ہیں، یہ شاہی نانبائی ہم لوگوں کو تھوڑی مقدار میں بھی آٹا نہیں خریدنے دیتے۔ سلطان نے یہ سُنکر حکم دیا کہ شاہی مطبخ کے داروغہ خاص کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے دے دیا جائے اور جب وہ مرجائے تو اسے ہاتھی کے دانتوں سے باندھ

اسی عالم میں شہر بھر میں گھمایا جائے اور یہ اعلان کروا دیا جاتے کہ جو نانبائی اپنی دکان نہیں کھولے گا اس کے ساتھ یہی کچھ کیا جائے گا نتیجہ کیا تھا؟ لوگوں نے اپنے ذخیرے نکالنے شروع کر دیے اور شام تک ہر دکان پہ روٹیوں کے انبار لگ گئے۔ حتےٰ کہ کوئی خریدار نہیں رہا۔

ساتواں باب

انتظامیہ کے ارباب حل وعقد

اشارات

جب کبھی کسی خاص شہر اور اس کے نواحی علاقہ کے انتظامات کسی افسر کے سپرد کئے جائیں تو اسکی خوب تحقیقات کی جائے اور اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ شہر جس افسر کے سپرد کیا جا رہا ہے وہ مخلص اور دیانتدار شخص ہے۔ اور دیندار اور متقی بھی ہے۔ شہر کا انتظام اس نوع کے افسر کو سونپتے وقت یہ کہہ دینا چاہیئے کہ ہم اس شہر کو تمہارے سپرد کرتے ہیں لیکن اب اللہ تعالیٰ ہم سے اس شہر کے متعلق جو بھی احتساب کرے گا ہم تم سے پوچھیں گے۔ بحیثیت رئیس شہر کے تمہارا فرض ہے کہ عامل، قاضی اور کوتوال اور تمام چھوٹے اور بڑے کے حالات سے واقفیت رکھو۔ اور پھر ان حالات کو ہمارے (مراد بادشاہ کے) علم میں لاؤ۔ اور ظاہرا اور خفیہ ہمیں یہ بتاتے رہو کہ کون کون سے امور تصفیہ طلب ہیں تاکہ احکامات صادر کئے جاسکیں۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جن میں خلوص، دیانت داری اور تقویٰ وغیرہ کی صفات موجود ہوں اور وہ شہر کی سرداری قبول کرنے سے انکار کریں تو انھیں ایسا کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے

حکایت

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ظاہر ایک منصف اور عادل امیر تھا۔ امیر کی قبر نیشاپور میں ہے۔ جہاں زائرین

کا ہجوم رہتا ہے۔ اس قبر پر جو حاجت لے کر جاتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے (خدا کے سوا کسی دوسرے کو حاجت روا ماننا خواہ وہ پیغمبر ہی کی ذات اقدس کیوں نہ ہو، صریح شرک ہے اور قرآنی تعلیمات کے مطلقاً منافی، اسلام سے پہلے عربوں میں اللہ کا تصور موجود تھا۔ وہ اسے مانتے تھے مگر بتوں کو بھی اس کی خدائی میں شریک مانتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے قادر مطلق کا تصور بخشا اور لا الٰہ الا اللہ کہہ کر، تمام دوسرے ذیلی خداؤں کی مسندیں چھین لیں۔ مترجم)۔ امیر ہمیشہ ایسے اشخاص کو عہدے سونپتا تھا جن میں زہد اور تقویٰ اور خداترسی کی صفتیں ہوتی تھیں۔ امیر نے کبھی اپنے نجی اور ذاتی معاملات کو قوم کے معاملات پر ترجیح نہیں دی۔ اور اس کے عہد میں رعایا فارغ البال اور خوش حال رہی اور حکومت کی آمدنی مطلقاً جائز رہی۔

حکایت

ایک دن کا ذکر ہے ابو علی دقّاق امیر ابو علی الیاس کے پاس تشریف لائے یہ ابو علی خراسان کے علاقہ کا سپہ سالار اور گورنر تھا۔ دقاق جب الیاس کے پاس پہنچے تو دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ امیر نے فوراً نصیحت کی فرمائش کی اس پر دقّاق بولے: پہلے تو آپ میرے ایک سوال کا بغیر کسی تکلف کے صاف صاف جواب دیجئے پھر میں نصیحت کروں گا۔ یہ فرمائیے کہ آپ دولت کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں یا اپنے اعمال کو، امیر نے کہا: مجھے تو دولت زیادہ عزیز ہے، اس پر دقاق نے کہا: کیا خوب! جسے آپ عزیز رکھتے ہیں یعنی دنیاوی دولت و ثروت، اسے تو آپ یہیں چھوڑ جائیں گے اور جسے عزیز نہیں رکھتے آپ، یعنی اعمال ان کا حساب آپ اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس موثر اور دلنشیں نصیحت کو سُن کر ابو علی الیاس کی چشم تر اشک ریز ہو گئی۔ اس نے دقاق سے مخاطب ہو کر کہا: آپ نے مجھے بہت ہی اچھی نصیحت کی ہے۔ اس ایک بات میں دونوں جہان کے فوائد مُضمر ہیں۔ میں غافل سو رہا تھا آپ نے مجھے بیدار کر دیا!

حکایت

کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی شکل و صورت کے لحاظ سے وجیہہ اور خوبرُو نہ تھا۔ رنگ اُس کا زرد تھا۔ اپنے والد سبکتگین کے مرنے پر جب محمود تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا اور دیکھیئے وہ زمانہ آیا جب ہندوستان پر اس کو کامل تسلط حاصل ہو گیا۔ ہندوستان سے مراد وہ علاقہ ہے جس میں آج کل مغربی پاکستان ہے جس کے لئے سب سے پہلے محمود نے راستہ ہموار کیا تھا۔ مترجم) محمود ایک دن صبح بیدار ہوا اور محل شاہی میں اس نے پہلے نماز ادا کی اور پھر

شاہی لباس پہنا۔ دو غلام حاضر ہوئے۔ دربار کا وقت قریب تھا۔ کہ شمس الکفاۃ (یعنی آفتاب حریف) ملک الاحمد حسن (میمندی) باریاب ہوا۔ اور آداب بجا لایا۔ محمود نے اُسے اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔ محمود جب وظائف اور اوراد سے فارغ ہو چکا تو اس نے اپنی شاہی قبا پہنی، کلاہ اوڑھی اور آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر متبسم ہوا۔ محمود نے وزیر اعظم سے پوچھا: تم سمجھے کچھ! اس وقت میرے دل میں کیا بات گذر گئی؟ احمد نے کہا کہ وہ کچھ نہیں سمجھ سکا تو محمود نے وضاحت کی: میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ میری بدصورتی کے سبب لوگ مجھے پسند نہ کریں گے اور میری طرف مائل نہ ہوں گے اس لئے کہ لوگ خوش رو بادشاہوں کو دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔

احمد بولا: میرے آقا آپ ایک تدبیر کریں تو لوگ آپ سے اتنی محبت کریں گے کہ اپنے اہل و عیال پر آپ کو ترجیح دیں گے آپ کے حکم پر پانی میں غوطہ لگا دیں گے اور آگ میں کود پڑیں گے محمود نے پوچھا وہ کیا تدبیر ہے۔ تو وزیر اعظم نے عرض کیا کہ آپ دولت کو قطعاً دوست نہ رکھیں (سخاوت کریں) تو سب لوگ آپ سے محبت کریں گے۔ محمود کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ فرمایا: اس ایک بات میں ہزاروں رموز اور مطالب پنہاں ہیں، پھر کیا تھا محمود نے داد و دہش کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک عالم اس کا گرویدہ ہو گیا سب اسی کا دم بھرنے لگے۔ محمود نے اپنے انہی جاں نثاروں کے تعاون سے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے اور بڑی بڑی فتوحات اسے حاصل ہو گئیں۔ محمود متھرا اور سومنات پہنچا۔ سمرقند اور عراق پہنچا۔ ایک دن آخر محمود نے احمد حسن میمندی وزیر اعظم سے اس کا اعتراف کیا: احمد! جس دن سے میں نے دولت سے بے نیازی برتی۔ یقین جانو مجھے دونوں جہاں کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ محمود سے پہلے کسی کا لقب سلطان نہ تھا۔ محمود وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی تاریخ میں سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اور محمود کے بعد تو جیسے یہ روایت قائم ہو گئی۔ محمود منصف و عدل پسند، علم کا مربی، سخی، فیاض، روشن دماغ صحیح العقیدہ اور مجاہد تھا۔ کسی ملک کی تاریخ میں سب سے اچھا دور وہ ہوتا ہے جس میں ایک منصف مزاج اور عادل بادشاہ ہو

حدیث

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ انصاف اور عدل ہی سے دنیا میں غلبہ حاصل ہوتا ہے، اسی سے کسی بھی اقتدار میں قوت آتی ہے اور خواص اور عوام سب کی فلاح و بہبود کا سرچشمہ عدل ہے۔ انصاف ہی کے باعث کسی ملک کی رعایا خوش حال رہ سکتی ہے۔ تمام

اچھائیوں کی ترازو یہی عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ اس نے اپنی کتاب۔ یعنی قرآن کو حق اور میزان کے ساتھ نازل کیا ہے، میزان سے مراد یہی عدل و انصاف ہے۔ اقتدار اور تحکم کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جس کا دل عدل کا مرکز ہو، جس کا دولت کدہ دین داروں اور خرد مندوں کا مرکز ہو اور جو اہل علم اور اہل اسلام کی ہمیشہ دست گیری کرے۔

حکایت

فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے کہ اگر میری دعا قبول ہو جایا کرتی اور مجھے اس کا یقین ہو جاتا تو میں صرف عادل اور منصف بادشاہ کے لئے دعا کرتا اور کسی کے لئے نہیں، اور سلطان عادل کے لئے دعائے خیر کرکے گویا میں تمام بندگان خدا اور تمام عالم کے لئے دعا کرتا اس لئے کہ دنیا کی ترقی اور مخلوق خدا کی آسائش کا راز ہی اس میں پوشیدہ ہے کہ ملک کی باگ ڈور ایک عادل حکمراں کے ہاتھ ہو!

حدیث

رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے عدل و انصاف کرنے والے قیامت کے دن سچے موتیوں کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے۔ اور میں ان عــ... ! گستروں کی نشستیں گہر ہائے آبدار سے مزین ہوں گی۔ اسی عدل اور دینی مزاج کے پیش نظر بادشاہوں نے مخلص اور دیانت دار اور خدا سے ڈرنے والے اور پرہیزگار لوگوں کو بڑے بڑے کام سونپے ہیں: تاکہ یہ ہر حالت میں بادشاہ کے سامنے حالات کو ان کی اصلی شکل میں پیش کریں۔ امیر المومنین المعتصم کی بغداد میں یہی روش اور یہی دستور رہا ہے۔

حکایت

حقیقت یہ تھی کہ بنی عباس کے خلفاء میں کسی خلیفہ کو وہ وقار وہ جاہ و جلال اور وہ فوجی قوت نصیب نہ ہوئی تھی، جو معتصم کو میسر تھی۔ معتصم کے پاس جتنی تعداد میں ترک غلام تھے۔ کسی کے پاس نہ

تھے۔ کہتے ہیں خلیفہ معتصم کے پاس ستّر ہزار تو ترک تھے۔ وہ کہتا تھا کہ خدمت اور بندگی کے آداب کوئی ترکوں سے سیکھے۔ معتصم نے بہت سے ترک غلاموں کو منتخب کر کے اُنھیں اُمیری کی تربیت دی تھی۔ ایک ترک امیر نے اپنے معتمد خاص کو بلا بھیجا اور اُس سے پوچھا: تم بغداد کے شہر کے عمائدین اور تجار میں سے کسی کو جانتے ہو۔ جو پانچ سو دینار مجھے قرض دے دے۔ مجھے ایک اہم کام درپیش ہے۔ میں اس رقم کو فصل کٹنے پہ ادا کر دونگا

امیر کے معتمد نے غور کیا تو اسے اپنے ایک جاننے والے کا خیال آیا جس کا بغداد کے بازار میں کارچوبی وغیرہ کا کاروبار تھا۔ اس شخص کے پاس چھ سو دینار کا سرمایہ تھا۔ غرض معتمد نے امیر سے کہا کہ میں فلاں فلاں شخص کو جانتا ہوں جس کا فلاں فلاں بازار میں کاروبار ہے۔ کسی کو بھیجکر اسے بلوا لیجئے۔ اس سے خوش اخلاقی سے پیش آیئے اور مہربانی کا برتاؤ کیجئے۔ اس کے بعد معاملہ کی بات کیجئے۔ ممکن ہے آپ کا مطالبہ یہ شخص مان لے

امیر نے یہی کیا۔ اس شخص کے پاس اپنا ایک آدمی روانہ کیا اور کہلایا کہ تھوڑی دیر کے لئے تکلیف کرنا، تم سے ایک اہم کام ہے۔ یہ آدمی اُسی وقت امیر کے دولت کدہ پہ پہنچا اس سے پہلے یہ تاجر امیر سے واقف نہ تھا۔ تاجر امیر کے یہاں پہنچا تو ادب سے سلام کیا امیر نے جواب دیا! اور اپنے آدمیوں سے پوچھا کہ کیا یہ وہی تاجر ہے، لوگوں نے کہا: ہاں وہی ہے۔ اب امیر اُٹھا اور اس آدمی کو مناسب جگہ پر بٹھایا اور امیر نے کہا: میں نے تمہاری آزاد منشی، نیک طینتی، امانت داری اور سچائی کے بارے میں لوگوں سے بہت کچھ سن رکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ میں تو تمہارا نادیدہ عاشق ہوں۔ لوگ کہتے ہیں آج بغداد کی کاروباری دنیا میں تم سے زیادہ راست باز اور خوش معاملہ کوئی آدمی نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے بے تکلف ملا کرو۔ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ امیر جیسے جیسے یہ سب کہتا جاتا تھا تاجر بچھا جاتا تھا امیر کا معتمد الگ اپنے آقا کی تائید کرتا جاتا تھا کچھ دیر بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ امیر نے تاجر کو اپنے پاس جگہ دی اور منت منت پر اپنے سامنے کی کوئی نہ کوئی چیز اُٹھا کر اس کے سامنے (تاجر کے سامنے) رکھتا جاتا تھا۔ اور اظہار لطف و مہربانی کرتا جاتا تھا۔ جب کھانا ہو چکا اور لوگ ہاتھ منہ دھو کر اپنی اپنی راہ چلے گئے تو امیر نے تاجر سے کہا: جانتے ہو میں نے تمہیں کس لئے تکلیف دی ہے، تاجر بولا: یہ تو امیر ہی کو زیادہ بہتر معلوم ہوگا۔ امیر نے اس پر کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیئے اس شہر میں میرے بہت سے شناسا، اور بہت سے احباب ہیں۔ میں اگر انھیں ایک اشارہ بھی کر دوں تو یہ دس ہزار دینار مجھے فوراً دے دیں گے۔ اور ذرا اس میں تکلف نہ کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ مجھ سے معاملات برتے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کبھی بھی کسی کو مجھ سے نقصان نہیں ہوا! میں یہ چاہتا

ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان محبت کا رشتہ استوار ہو جائے اور ہم بالکل بے تکلف دوست ہو جائیں۔ میں اتفاق سے کئی اشخاص کا مقروض ہو گیا ہوں۔ اور مجھے کافی بڑی رقم درکار ہے مگر سر دست میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے چار پانچ ماہ کے وعدہ پر ایک ہزار دینار دیدو۔ آمدنی کا زمانہ آئے گا۔ تو یہ اصل رقم اور اس کے ساتھ کچھ زائد رقم تمہیں واپس مل ۔ مجھے اُمید ہے کہ تم یہ رقم مجھے دینے میں تامل نہ کرو گے۔ تاجر ایک تو یوں ہی اس خوش اخلاقی کے مظاہرہ پر پانی پانی ہوا جا رہا تھا یہ سب سُنا تو بولا: امیر کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں تو ان تاجروں میں ہوں نہیں کہ میرے پاس دو ہزار دینار کی رقم ہو۔ بڑے آدمیوں سے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ میری کل پونجی چھ سو دینار ہے۔ اسی پونجی کی بنیاد پر اپنا کاروبار چلا تا رہتا ہوں، اور خرید و فروخت میں لگا رہتا ہوں۔ اور یہ رقم بھی جو آج میرے پاس ہے۔ بڑی مشکلات سے اور بڑی مدت میں جمع ہوئی ہے۔ امیر بولا: میرے پاس کافی رقم موجود ہے۔ اس لین دین سے بھلا میرا کیا بنے گا۔ میرا مقصد اس معاملہ سے دوستی اور محبت کی بنیاد ڈالنی ہے۔ چلو یہ چھ سو دینار مجھے دو اور سات سو دینار کی مجھ سے دستاویز لے جاؤ۔ میں انصاف اور عدل کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ فصلیں کٹ جائیں گی اور آمدنی کی صورت ہو گی تو میں یہ رقم تمہیں واپس کر دوں گا۔ معتمد خاص نے بھی امیر کی ہاں میں ہاں ملائی: تم ہمارے سرکار کو نہیں جانتے۔ آج حکومت کے ارباب حل و عقد میں ان سے بڑھ کر دیانت دار کوئی نہیں، تاجر بولا: میں تابعدار ہوں جو کچھ میرے پاس ہے لے لیجئے۔ چنانچہ رقم اس تاجر سے لے لی گئی۔ رقم کی واپسی کا جب وقت آیا تو یہ تاجر وقت مقررہ سے دس دن پہلے ہی پہنچ گیا امیر کو سلام عرض کیا لیکن تقاضا نہیں کیا۔ بس ایک گھنٹہ امیر کے حضور میں چپ چاپ بیٹھ کر چلا گیا۔ وقت مقررہ آیا بھی گذر گیا۔ دیکھتے دیکھتے دو ماہ گزر گئے۔ اس مدت میں تاجر امیر کے پاس دس مرتبہ سے زیادہ آیا لیکن وہاں کوئی ردّ عمل نہ ظاہر ہوا۔ امیر نے یہ ظاہر ہی نہ ہونے دیا۔ کہ تاجر اس سے تقاضا کرنے آیا تھا یا یہ کہ وہ کسی کا مقروض بھی ہے۔ تاجر نے امیر کی یہ روش دیکھی تو اس نے ایک عرضی لکھی اور امیر کے ہاتھ میں دے دی۔ عرضی کا مضمون یہ تھا کہ مجھے اپنی رقم کی سخت ضرورت ہے۔ اس رقم کی واپسی کے لئے جو وقت مقرر ہوا تھا اسے گذرے بھی دو ماہ ہو گئے۔ امیر اگر اسے مناسب سمجھے تو اپنے معتمد اور مہتمم کو حکم دے دے تاکہ اس عاجز کو یہ رقم مل جائے، اس پر امیر نے کہا وا رے تو کیا یہ سمجھتا ہے کہ مجھے تیری بات کا خیال نہیں ہے تو بالکل فکر نہ کر۔ چند دن اور ٹھہر جا۔ میں اسی فکر میں ہوں۔ اپنے آدمیوں کے ہاتھ میں مہر لگوا کر باقاعدہ یہ رقم تجھے بھجوا دوں گا۔ تاجر نے دو ماہ مزید صبر کیا۔ لیکن اس عرصہ میں بھی اسے اپنی رقم کا نام و نشان تک نہ

دکھائی دیا۔ تاجر ایک بار پھر امیر کے یہاں آیا اور اسے عرضی دی۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب وعدہ پر آٹھ ماہ کی مدت بیت چکی تھی تاجر بالکل عاجز ہو کر رہ گیا شہر کے مختلف لوگوں سے سفارش کرواتا پھرتا تھا۔ کوئی بڑا آدمی اور کوئی محترم آدمی نہ رہ گیا تھا۔ جس سے اس شخص نے سفارش نہ کرائی ہو۔ تاجر قاضی کے یہاں سے پچاس کے قریب آدمی لے آیا (جنہوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے مسئلہ پر امیر سے گفتگو کی، لیکن امیر کے یہاں شرع کی ایک نہ چلنے دی گئی۔ اتنی سفارشوں پر ایک درم بھی واپس نہ دیا گیا اب وقت مقررہ پر ڈیڑھ سال کی مدت گذر چکی تھی۔ تاجر بالکل پریشان ہو چکا تھا اب وہ اس بات پر آمادہ تھا کہ سود سے درگذرے یہاں تک کہ اصل سے بھی سود دینا رکم لے لے۔ اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ بڑوں کی جانب سے یہ آدمی مطلقاً مایوس ہو چکا تھا اور دوڑ بھاگ سے اس کا جی بھر چکا تھا۔ اب اس تاجر نے اللہ سے لو لگائی اور مسجد میں جا بیٹھا۔ وہاں پہلے تو اس نے چند رکعتیں نماز کی ادا کیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری شروع کی۔ گریہ وزاری کرتا جاتا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ اے خدا تو میری فریاد سن لے اور مجھے میرا حق دلوا دے۔ اتفاق سے اس مسجد میں ایک اور درویش بیٹھا ہوا تھا۔ یہ گریہ وزاری جو درویش نے سُنی تو اس کا دل پسیج اُٹھا درویش نے کہا: شیخ تجھے کیا ہوا ہے کیوں مشغول آہ و بکا ہے؟ مجھ سے کیوں نہیں کہتا اپنا حال، تاجر بولا: میرے ساتھ ایک ایسا معاملہ پیش آیا ہے کہ بندوں سے کچھ کہنا لاحاصل ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ فریادوں کا سُننے والا ہے اب اسی سے کہہ رہا ہوں۔

درویش بولا: مجھ سے بھی کہہ دیکھو۔ اسباب پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔

تاجر: کیا کہوں بس خلیفہ کی ذات باقی رہ گئی ہے ورنہ امراء، سادات قاضی، غرض کون ہے جس سے میں نے اپنا دُکھڑا نہیں بیان کیا تو پھر تم سے بیان کر کے کیا پاؤں گا!

درویش: مجھ سے کہنے سے فائدہ نہ ہوگا تو نقصان بھی تو نہ ہوگا۔ تم نے داناؤں کا یہ قول نہیں سُنا کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف ہو تو اسے اس کا ذکر مختلف لوگوں سے کرنا چاہیئے تو کوئی نہ کوئی ایسا نکل ہی آئے گا جو اس کے درد کا مداوا کر دے گا۔ تم مجھ سے اپنا واقعہ بیان کرو گے تو شاید کوئی سبیل نکل ہی آئے۔

تاجر: تم ٹھیک کہتے ہو بات یوں ہی ہے، اچھا جو کچھ مجھ پر بیتی ہے لو سُنو! چنانچہ تاجر نے اپنا پورا واقعہ درویش سے بیان کر دیا۔ درویش نے یہ سُنا تو کہا اے بھائی تمہاری مصیبت اب ختم ہوا چاہتی ہے۔ مطمئن رہو جو مشورہ میں تمہیں دے رہا ہوں اس پر عمل کرو گے تو تمہیں تمہاری رقم آج ہی مل جائے گی۔ اس کے بعد درویش نے کہا اسی وقت تم فلاں فلاں محلہ میں چلے جاؤ۔ اس محلہ میں ایک مسجد ہے۔ مَنارہ والی (منارہ یعنی مینار)

مسجد کی بغل میں ایک دالان ہے اس کے اندر ایک دکان ہے جس میں ایک شخص درزی کا کاروبار کرنے والا بیٹھتا ہے یہ درزی کا کام کرنے والا ایک بوڑھا سا شخص ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہے۔ اور سلائی کا کام کرتا رہتا ہے دو لڑکے اس کے سامنے بیٹھے سلائی کرتے رہتے ہیں۔ تم ان بڑے میاں کے پاس جاؤ۔ سلام کرو اور اپنا پورا واقعہ بیان کرو اور اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھے بھی دعاؤں میں یاد کر لینا۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے اس میں کسی قسم کی سستی مت کرنا۔

تاجر مسجد سے باہر نکل کر آیا دل میں سوچ رہا تھا کیا خوب بڑے بڑے امیروں اور بزرگوں سے سفارش کروائی، سبھوں نے کوشش کی مگر میرا مقصد حل نہ ہوا۔ اب اس درویش نے میری ایک غریب اور مسکین بوڑھے درزی تک رہنمائی کی ہے! اور کس اعتماد سے کہا ہے کہ میں جو بھی چاہتا ہوں وہ مجھے حاصل ہو جائے گا۔ مجھے تو یہ مذاق نظر آتا ہے، کچھ بھی ہو اس بات کو بھی آزما دیکھوں اگر اس سے بات بنتی ہے تو اچھا ہے اس موجودہ صورت سے تو بہتر ہی رہے گا۔ چنانچہ تاجر درویش کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا۔ اور اس مسجد کے پہلو والی دوکان پر جا کر بڑے میاں کو سلام کیا اور اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ بڑے میاں کچھ سلائی کر رہے تھے اور اس کام میں کافی دیر سے مصروف تھے۔ بڑے میاں نے کام ہاتھ سے رکھ دیا اور تاجر سے پوچھا: کیسے آئے ہو؟ تاجر نے اپنا واقعہ شروع سے آخر تک بیان کر دیا۔ درزی نے جب یہ سب سن لیا تو بولا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام کام ہمارے ذریعہ ٹھکانے لگاتا ہے۔ تم بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تھوڑی دیر اس دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے رہو اور مطمئن رہو۔ گھبراؤ مت۔ ہم تمہارے فریق مخالف (ترک امیر) سے تمہارے بارے میں بات کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے کام ٹھیک کر دے گا۔ اس کے بعد بڑے میاں نے ایک شاگرد لڑکے سے کہا: سوئی ہاتھ سے رکھ دو اور فلاں فلاں امیر کے مکان پر چلے جاؤ اور مکان کے دروازے پر پہنچنے کے بعد امیر کے خاص کمرہ میں جا کر بیٹھ جانا اور جو بھی ادھر سے گذرے اس سے کہنا کہ میں فلاں فلاں سعدی کا شاگرد ہوں۔ درزی نے انہیں امیر کو ایک پیغام بھیجا ہے۔ ذرا ان سے کہہ دیں۔ اس پر امیر یقیناً تمہیں اندر بلوائے گا۔ اندر پہنچ کر امیر کو سلام کرنا اور میری جانب سے بھی سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے اُستاد نے کہا ہے کہ فلاں فلاں شخص تیرے خلاف فریاد لیکر آیا ہے اور سات سو دیناروں کی رسید بھی اس کے پاس ہے۔ اس رقم کو لئے ہوئے ڈیڑھ سال ہو چکے ہیں۔ اب اے امیر، ساری رقم اسے واپس کر دے اور اس میں ذرا بھی فرق نہ آنے پائے۔ بڑے میاں نے شاگرد لڑکے کو ہدایت کی کہ وہ جلد ہی لوٹ کر آجائے۔ لڑکا جلد ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور امیر کے محل

میں پہنچ گیا۔ میں یہ سب دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے سوچا کہ اس انداز میں (یعنی جس انداز میں یہ درزی) ترک امیر کو مخاطب کر رہا ہے، تو شاید کوئی آقا بھی اپنے بندہ کو مخاطب نہیں کرتا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ اس لڑکے کی زبانی جو یہ پیغام دیا جا رہا ہے اس کا لہجہ تو عجیب ہے۔ کافی دیر بعد لڑکا واپس آیا۔ اور اُستاد سے اُس نے کہا کہ میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق کام کیا ہے اور آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ جب میں نے آپ کا پیغام پہنچایا تو امیر فوراً ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میرے محترم (مراد درزی) سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں شکر گزار ہوں اور آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گا۔ میں بس ابھی آیا اور رقم بھی اپنے ساتھ لاتا ہوں اور اپنی پچھلی خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں اور آپ کے سامنے تاجر کے آگے اس کی رقم رکھ دوں گا۔ ایک گھنٹہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ امیر اپنے ایک رکاب دار اور دو ملازموں کے ساتھ آپہنچا۔ (درزی کے مکان کے نزدیک پہنچنے کے بعد) ترک امیر اپنے گھوڑے سے اُترا۔ درزی کو سلام کیا اور بڑے میاں کے ہاتھ چومے اور بڑے ادب سے بڑے میاں کے سامنے بیٹھ گیا۔ اپنے ملازم سے روپیوں کی تھیلی لی اور مجھے دیدی اور کہا: یہ رہی تمہاری رقم، یہ وہی سونا ہے جو تم نے مجھے دیا تھا یہ نہ سمجھنا کہ میں نے یہ رقم غصب کرنی چاہی تھی۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اس میں میرا نہیں میرے کارندوں کا قصور ہے۔ امیر نے مجھ سے بہت معذرت کی۔ پھر نوکر کو حکم دیا کہ وہ بازار جا کر کسی ایک ناقد یعنی (سونے کو پرکھنے والے) کو بلا لائے۔ ناقد (سونا پرکھنے والا) ترازو اور کانٹا لے کر آیا اور سونے کو پرکھا اور تولا۔ پانچ سو دینار پورے پورے نکلے۔ امیر نے یہ بھی کہا کہ کل جب میں اُستانہ خلافت سے لوٹوں گا تو بقیہ رقم بھی تاجر کے حوالہ کر دوں گا۔ اور پچھلی خطاؤں کی معافی طلب کروں گا۔ اور تاجر کو خوش کروں گا۔ کل شام سے پہلے پہلے یہ شخص آپ کے پاس خوش خوش آجائے گا اور رقم کی وصولی کی آپ کو اطلاع دے گا۔ درزی نے کہا: بہر حال وعدہ خلافی نہ ہونے پائے اور کل ضرور بقیہ رقم اسے مل جائے امیر نے کہا ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ امیر نے رقم میرے ہاتھ میں دی اور ایک بار پھر درزی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔ مجھ پر تعجب اور خوشی کی جو کیفیت طاری تھی اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہاتھ بڑھا کر میں نے سو دینار تول کر بڑے میاں کے سامنے ڈال دیئے۔ تاجر نے کہا میں پہلے ہی اس بات پر رضامند ہو چکا تھا کہ اصل سے سو دینار کم ہی پر قناعت کروں گا اب آپکی مہربانی سے مجھے ساری رقم مل چکی ہے لہٰذا یہ سو دینار میں خوشی خوشی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ درزی نے ترش روئی کے ساتھ اور چیں بہ جبیں ہو کر کہا: کہ میرے کہنے سننے سے اگر ایک مسلمان مصیبت سے بچتا ہے اور اسے سکون میسر آتا ہے تو کیا اب میں خود اس کے سینے پر مونگ دلوں۔ یہ نہیں ہوگا۔ مجھ

اگر ان سو دیناروں میں سے ایک جو کی قیمت بھی اپنے نئے حلال سمجھوں تو گویا اس ترک امیر سے بڑھ کر میں نے تم پر ظلم کیا۔ اب دینار لیکر چپ چاپ چلے جاؤ اور ہاں اگر کل تک تم کو دو سو دینار باقی نہ ملیں تو مجھے اطلاع دینا۔ اور آئندہ سوچ سمجھ کر لوگوں سے معاملات کیا کرو۔ میں نے بہت سر مارا مگر درزی نے میرا ہدیہ، میرا تحفہ، میرا نذرانہ مطلق قبول نہ کیا۔ میں خوش خوش گھر لوٹ آیا اور اس رات جیسے زمدتوں کے بعد، سکھ اور چین سے سویا۔ دوسرے دن میں اپنے گھر پر ہی تھا کہ امیر کا آدمی آیا کہ امیر نے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے یاد کیا ہے۔ میں امیر کے سامنے حاضر ہو گیا۔ امیر مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا میری بڑی تعظیم و تکریم کی۔ عزت سے پاس بٹھایا اور اپنے کارندہ خاص کو میرے سامنے (مجھ پر اثر ڈالنے کے لئے) خوب سخت سست کہا اور ساری غلطی اسی کی بتائی پھر اپنے خازن سے کہا کہ دیناروں والی تھیلی لے آؤ۔ اور مجھے دو سو دینار کانٹوں پر تلوا دیئے میں نے یہ رقم لیکر چاہا کہ گھر آجاؤں۔ لیکن امیر نے مجھے تھوڑی دیر مزید رُک جانے کے لئے کہا۔ اتنے میں امیر کا ملازم خوان لے کر آگیا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ امیر نے اپنے ملازم کے کان میں کچھ کہا۔ خادم باہر گیا اور آن کی آن میں واپس آگیا۔ خادم ایک نہایت قیمتی پوشاک میرے لئے لایا تھا۔ مجھے پہنائی گئی اور سر پر میرے ایک زرکار دستار (پگڑی) رکھی گئی۔ یہ سب ہو چکا تو امیر نے مجھ سے کہا اے بھائی اب تو تم مجھ سے دل سے خوش ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں، امیر بولا: تو لاؤ اب وہ دستاویز مجھے دیدو اور بڑے میاں کو جا کر اطلاع دیدو کہ تمہیں تمہارا حق مل چکا ہے۔ میں نے کہا بڑے میاں نے مجھ سے خود ہی اس کی تاکید کی تھی کہ میں آج ان سے مل لوں۔ امیر کے یہاں سے رخصت ہو کر باہر آیا اور درزی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ایک بار میں نے پھر دو سو دینار پیش کئے۔ مگر درزی نے قبول نہ کئے۔ دوسرے دن بکرے کا عمدہ گوشت اور چند مرغ مسلّم، مع حلوہ اور نان کے ایک بڑی سی سینی میں رکھ کر درزی کے ہاں لے گیا۔ اور عرض کیا! یا شیخ! آپ نے روپیہ لینے سے انکار کیا ہے کم از کم یہ کھانا تو قبول کر لیجئے۔ یہ میری حلال کی کمائی سے ہے۔ اسی سے میرا جی خوش ہو جائے گا۔ درزی بولا: ہاں میں نے قبول کیا۔ اور خوش ہو کر کھایا۔ اس کے بعد میں نے بڑے میاں سے عرض کیا: میری ایک گذارش ہے اگر اسے پوری کرنے کا وعدہ کیجئے تو عرض کروں۔ بڑے میاں بولے: کہو ضرور کہو، میں نے کہا: یہ فرمایئے بڑے بڑے امیروں نے اس ترک امیر سے میرے معاملہ میں بات کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مگر یہ امیر آپ کی بات فوراً مان گیا۔ یہ وقار اور یہ دبدبہ آپ کو کیسے حاصل ہوا۔ درزی بولا: ارے تمہیں یہ نہیں معلوم کیا امیر المومنین سے میرا کیا تعلق ہے اور کیا معاملہ پیش

آپ چکا ہے۔ میں نے کہا نہیں کہنے لگا اچھا تو لو سنو!

حکایت

اس کے بعد کہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تیس برس سے اس مسجد کا موذن ہوں۔ لیکن میری معاش کا ذریعہ یہی سلائی کا کام ہے۔ نہ میں نے کبھی شراب پی ہے اور نہ مجھ سے کسی قسم کی بدکاری سرزد ہوئی ہے اس گلی میں ایک امیر کا مکان ہے ایک دن میں ظہر کی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلا کہ اپنی دُکان تک آؤں، کیا دیکھتا ہوں کہ امیر بالکل بدمست اور شراب کے نشہ میں چور آرہا تھا اور ایک عورت کا برقعہ پکڑ رکھا تھا اور اُسے کھینچتا جاتا تھا۔ یہ نوجوان مسلمان عورت داد و فریاد کرتی جاتی تھی اور کہتی تھی کہ مسلمانو! میری فریاد رسی کرو۔ میں کوئی اس قسم کی عورت تو نہیں ہوں۔ میں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہوں۔ سب میری شرافت اور میرے خاندان سے واقف ہیں۔ یہ ترک سردار مجھے زبردستی لئے جارہا ہے کہ مجھے تباہ کرے ایک بات اور ہے میرے شوہر نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر (کسی رات) میں اس سے جدا ہوئی اور پھر لوٹی تو وہ مجھے طلاق دیدے گا، عورت یہ سب کہتی جاتی تھی اور روتی پیٹتی جاتی تھی لیکن کوئی نہ تھا جو اس کی فریاد سُنتا۔ فریاد نہ سُننے کی وجہ یہ تھی کہ ترک امیر سے سب ڈرتے تھے میں نے اُسے للکارا مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا ترک عورت کو اپنے گھر لے گیا۔ مجھے سخت رنج ہوا۔ اور اپنی بےبسی پر صبر کیا پھر محلہ کے سربرآوردہ لوگوں کو تیار کیا، اور ہم سب امیر کے مکان پر جمع ہو کر گئے۔ ہم نے نیکی کی ہدایت کی۔ اور سمجھایا کہ کیا دنیا سے اللہ کا خوف بالکل ہی جاتا رہا کہ خاص بغداد میں یہ عالم ہو گیا ہے کہ دن دہاڑے ایک عورت کو زبردستی پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے گھر کے اندر اخلاقی شر و فساد کے لئے ڈال لیا جاتا ہے۔ اس عورت کو باہر بھیجو ورنہ ہم سب معتصم باللہ (خلیفہ عباسی) کے آستانہ پر حاضر ہو کر فریاد کریں گے۔ ترک امیر نے جب ہم لوگوں کی آواز سُنی تو اپنے آدمیوں کے ساتھ محل کے دروازہ پر آیا اور ہم سب لوگوں کو اچھی طرح مارا پیٹا۔ اور ہمارے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے ہم نے جب یہ منظر دیکھا تو وہاں سے بھاگ کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، ہم نے نماز ادا کی اور پھر سونے کیلئے لیٹ رہے۔ لیکن مجھے اس رات شرم و خجالت اور رنج و ملال سے سونا کہاں نصیب! آدھی رات گذر چکی تھی۔ اور میں یوں ہی سوچ میں پڑا تھا۔ میں نے سوچا جو کچھ ہونا ہوگا وہ تو خیر ہو رہے گا لیکن یہ کتنی بری بات ہوگی کہ ایک عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے گا۔ اس لئے کہ اس نے قسم

لکھا رکھی ہے کہ اگر اس کی عورت گھر سے غائب پائی گئی تو اسے طلاق دیدی جائے گی۔ ایک بات میں نے اور سوچی کہ شراب خواروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب بالکل ہی بدمست ہوجاتے ہیں تو...... شاد کام ہوتے ہیں اور نشہ کے عالم میں وہ اس قابل نہیں رہتے کہ رات دن میں تمیز کرسکیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ میں منارہ پر پہنچ جاؤں اور وہاں سے اذان کہوں۔ ترک اذان کی آواز سُنے گا تو خیال کرے گا کہ صبح ہوگئی اس عورت کو چھوڑ دے گا اور اسے اپنے مکان کے باہر نکال دے گا۔ عورت ظاہر ہے اسی راستہ سے آئے گی۔ یعنی اس مسجد کے دروازہ کے سامنے سے گزرے گی۔ میں اذان کہہ کے جلد ہی نیچے اُتر آؤں گا۔ اور مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہوجاؤں گا۔ عورت جب آتی دکھائی دے گی میں اُسے اس کے مکان پر چھوڑ آؤں گا۔ اور یوں وہ اپنے شوہر کے غیظ و غضب سے بھی محفوظ رہے گی۔ چنانچہ اب میں نے اس نقشہ کے مطابق عمل کرنا شروع کیا۔ منارہ پر چڑھا، اور اذان کہی۔ معتصم باللہ جاگ رہا تھا۔ بے وقت کی اذان سُنی تو سخت غضبناک ہوا اور کہا: آدھی رات کو جس نے بھی اذان کہی ہے اس نے فساد برپا کیا ہے اس لئے کہ جو بھی اس وقت اذان سُنے گا وہ خیال کرے گا کہ صبح ہوگئی ہے اور گھر سے باہر نکل آئے گا اور شاید چوری کے الزام میں شاہی مخبر اور جاسوس اسے پکڑ لیں۔ معتصم نے ایک غلام کو حاجب الباب یعنی (قصرِ خلافت کے محافظ) کے پاس بھیجا اور یہ کہلایا کہ وہ فوراً جاتے اور اس موذن کو جا کر لے آئے۔ میں ابھی مسجد کے دروازہ پر عورت کے انتظار ہی میں تھا کہ حاجب ہاتھ میں ایک مشعل لئے آتا دکھائی دیا اور مجھے مسجد کے دروازہ پر کھڑا دیکھا تو مجھ سے پوچھا یہ اذان تو نے کہی ہے؟ میں نے کہا: ہاں میں نے کہی ہے۔ کہنے لگا: بے وقت اذان کیوں دی، اس سے امیر المومنین سخت غضبناک ہوئے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں گرفتار کرکے پیش کروں۔ تاکہ تمہاری گوشمالی کی جائے۔ اسی پر میں نے کہا: امیر المومنین کا حکم ساری دنیا پر جاری ہے لیکن کسی نے دین ہی سے گستاخی کی تھی جو میں نے مجبوراً بے وقت کی اذان کہی۔ حاجب نے پوچھا: یہ گستاخ اور یہ بے ادب کون ہے۔ میں نے کہا میں یہ سب کچھ سوائے امیر المومنین کے کسی سے بھی نہیں کہوں گا۔ ہاں اگر میں نے یہ بے وقت کی اذان بلا وجہ کہی ہو تو جو سزا بھی مجھے دی جائے گی میں اس کا مستحق ہوں گا۔ حاجب نے کہا: بہرحال میرے ساتھ خلیفہ کے محل تک چلو۔ ہم قصرِ خلافت پہنچے تو ایک خادم جیسے ہمارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ میں نے حاجب سے جو کچھ کہا تھا وہ اس نے خلیفہ کے خادم سے کہہ دیا۔ خادم نے سارا ماجرا معتصم کو کہہ سنایا معتصم نے خادم کو حکم دیا کہ موذن کو (یعنی مجھے) فوراً اس کے پاس لایا جائے۔ غرض مجھے معتصم کے پاس لے جایا گیا۔ اب خلیفہ نے مجھ سے پوچھا: یہ بے وقت کی اذان کیوں کہی تم نے؟ میں نے سارا ماجرا سُنایا، معتصم

نے یہ سب سُنا تو اپنے ملازم خاص سے کہا کہ حاجب کو جا کر اس کا پیغام اور حکم پہنچا دے کہ ایک سو آدمی ترک امیر کے مکان پر بھجوا کر اسے گرفتار کر کے لایا جائے۔ اور عورت کو بھی اس کے مکان سے برآمد کر کے اس کے شوہر کے پاس بھجوا دے۔ معتصم نے حاجب کو یہ حکم بھی بھجوایا کہ وہ اس (مظلوم) عورت کے شوہر کو باہر بلوا کر اس سے ہمارا (معتصم کا) سلام کہے اور عورت کے سلسلے میں اس کی جانب سے سفارش کرے۔ معتصم نے ترک امیر کو فوراً حاضر کرنے کے لئے کہا۔ اور مجھے بھی ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ امیر کو معتصم کے پاس لایا گیا۔ معتصم نے امیر کو دیکھتے ہی کہا: کیوں اے ترک امیر کیا تو نے مجھے اسلام کے بارے میں جمیتی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے پایا ہے؟ کیا تیرے خیال میں میرے دور میں دین پر کسی قسم کا زوال آیا ہے؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے بغداد سے روم جا کر رومی لشکر کو شکست فاش دی تھی؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے قیصر روم کو نیچا دکھایا تھا؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے چھ سال برابر رومی لشکر سے جنگ کی، اور جب تک قسطنطنیہ (استامبول) فتح نہیں کیا۔ میں رومی لشکر پر مثل ایک عذاب بنکر رہا۔ کیا میں نے مسجدیں تعمیر نہیں کرائیں۔ کیا ہزاروں مسلمان قیدیوں کو ان کی گرفت سے آزاد نہیں کرایا؟ آج میرے انصاف اور میرے تبر (خارا شگاف) کی یہ ہیبت ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے ہیں، یہ تجھے کیسے ہمت ہوئی کہ تو نے ایک عورت کو زبردستی پکڑ لیا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا کرنی چاہی۔ اور پھر جب لوگ تجھے سمجھانے آئے تو اُنھیں تو نے مارا پیٹا۔ معتصم باللہ کو جلال آچکا تھا۔ حکم دیا کہ ترک امیر کو ایک تھیلے میں بند کر کے دُرمٹ سے پٹوا۔ دُرمٹ سے (ترک امیر کو) اس قدر مارا گیا کہ امیر کا بدن چکنا چور ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: امیرالمومنین اب اس ظالم کی تمام ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ ترک امیر کی لاش دجلہ میں پھینکوا دی گئی۔ اب خلیفہ مجھ سے مخاطب ہوا اور فرمایا:

اے شیخ، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ آخر کیوں کوئی ایسا کام کرے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں پکڑا جائے۔ اس ترک نے ایک ایسا فعل کیا تھا جو اسے کسی حال نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اسے اس کے کئے کی سزا ملی۔ اب ہم تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ اگر آئندہ سے کوئی کسی پر ظلم کرے یا شریعت کا حکم تسلیم نہ کرے اور اس کی توہین کرے اور تمہیں معلوم ہو جائے تو بس تم یہی کرنا کہ بے وقت اذان کہہ دو۔ تاکہ میں سن لوں اور تمہیں بلوا بھیجوں۔ اور حالات کا جائزہ لوں اور اسے بھی عبرت ناک سزا دوں۔ جیسی ترک امیر کو ملی ہے! اگر میرے بھائی اور میرے بیٹے سے بھی کوئی لغزش ہوگی تو میں ایسا ہی کروں گا اور میں ان لوگوں

کو بھی سزا دوں گا۔ اس کے بعد معتصم نے مجھے انعام و اکرام سے نوازا اور وداع کر دیا۔ اس واقعہ کا علم تمام بڑے بڑے لوگوں اور اکابرین سلطنت کو ہے۔

چنانچہ اس امیر نے یہ جو رقم تمہیں دی ہے اس میں کوئی میری حرمت و بزرگی کو دخل نہ تھا۔ میں کیا میری حرمت کیا! یہ رقم تو تمہیں زدوکوب اور دریائے دجلہ میں بہائے جانے کے خوف نے دلائی ہے۔ امیر یہ جانتا تھا کہ اگر اس نے جرم کیا ہوتا تو میں فوراً اذان کہتا یعنی بے وقت اذان، اور آخر میں اس شخص کا انجام وہی ہوتا جو ترک امیر کا ہوا تھا۔ اس قسم کی بے شمار حکایتیں ہیں یہ سب تو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ بس یہ کچھ باتیں بیان ہو گئیں۔ ان کے یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خداوند عالم (مراد ملکشاہ) کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہوں نے مملکت کا انتظام کس کس طرح چلایا ہے اور کمزوروں کو زبردستوں سے کیسے محفوظ رکھا ہے اور بداندیشوں اور بدکاروں کے لئے کیا کیا تدابیر کی ہیں۔ ان بادشاہوں کی ذات سے دین مبین کو کیسی کیسی تقویت حاصل ہوئی ہے اور اسلام کو انھوں نے کس قدر سربلند رکھا ہے۔

آٹھواں باب
شرعی امور میں دقتِ نظری

اشارات

بادشاہ کا فرض ہے کہ دینی امور کی نگہداشت کرے، دینی فرائض، طریق نبوی اور دوسرے احکامات الٰہی پر عمل پیرا ہو۔ بادشاہ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ علمائے دین کی عزت و احترام کرے اور انھیں بیت المال سے وظیفہ عنایت فرمائے۔ اہل تقویٰ اور اہل زہد کو مقبولیت اور احترام سے نوازنا چاہیئے، بادشاہ کو چاہیئے کہ ہفتہ میں ایک یا دو بار علمائے دین سے ملاقات کرے اور ان سے اللہ تعالیٰ کے احکامات، قرآن کی تفسیر، احادیث اور عدل گستر بادشاہوں کی حکایتیں سُنے۔ جس وقت اس کے سامنے اس قسم کے مسائل بیان ہوں اس کے

لئے ضروری ہے۔ ان دینی مباحث پر توجہ دے۔ اختلاف کی صورت میں بادشاہ کو دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی ترجمانی کرنے والوں کو مناظرہ اور بحث کی بھی اجازت دے دینی چاہیئے۔ بادشاہ اس مناظرہ کے دوران اپنی معلومات کے لئے سوالات بھی کر سکتا ہے۔ اور یوں جب ایک مسئلہ جس سے وہ اب تک واقف نہ تھا اس کے علم میں آجائے گا تو اُسے ان مسائل کے بارے میں تحقیق کرنے کی عادت ہو جائے گی۔ اس طرح استفسار کی عادت سے احکام شریعت، تفسیر قرآن اور احادیث سے بادشاہ کما حقہ واقف ہو جائے گا۔ اور بادشاہ کے لئے دینی اور دنیاوی امور کو سلجھانے کی راہ کھل جائے گی۔ اور نتیجہ بادشاہ کی دین سے اس براہ راست واقفیت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی بددین اور بدعت پسند اپنے غلط مشوروں سے بادشاہ کو منحرف نہ کر سکے گا۔ اس دینی واقفیت سے بادشاہ کی رائے میں پختگی اور طبیعت میں عدل گستری پیدا ہو جائے گی۔ اس کی مملکت سے حرص و ہوس بدعات اور غلط رسومات کا فور ہو جائیں گی۔ اور شر و فساد کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور اس کے عہد میں تمام بُرائیوں کا سد باب ہو جائے گا۔ مصلح اور خیر خواہ لوگوں کو تقویت محسوس ہو گی۔ اس جہاں میں بادشاہ کو نیک نامی اور اُس جہاں میں نجات حاصل ہو گی اور بادشاہ کا مرتبہ بڑھ جائے گا اور اس کے عہد میں لوگوں میں علم و ہنر کا شوق پیدا ہو گا۔

حدیث

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ عدل اور انصاف کرنے والوں کو جنت میں روشنیوں سے معمور اور منور قسم کے محل ملیں گے جس میں یہ اور ان کے ماتحت رہیں گے۔ سب سے اچھی اور پسندیدہ خُوبی جس کی بادشاہ کو ضرورت ہوتی ہے وہ اس کی دینداری ہے۔ مملکت داری یعنی سیاست اور دین دولتوں کی مثال دو بھائیوں کی ہے۔ مملکت میں اضطراب ہو گا تو دین میں بھی خلل واقع ہو گا۔ اور بد دین اور بدخواہ اور اہل فساد منظر عام پر آجائیں گے اسی طرح دین میں خلل واقع ہو گا تو مملکت میں پریشانی اور شوریدہ سامانی کی کیفیت پیدا ہو گی۔ مفسدوں کو قوت حاصل ہو جائے گی اور بادشاہوں کا دبدبہ ختم ہو جائے گا ان کے دور میں نئے نئے فتنے پیدا ہوں گے۔ اور سواد اعظم سے انحراف کرنے والے سامنے آئیں گے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر قسم کا سلطان

وہ ہے جسے اہل علم کی صحبت مرغوب ہو اور بدترین عالم وہ ہے جو تقرب سلطانی کا خواہاں ہو!

حکایت

لقمان حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں علم ہی سب سے بڑا مونس و غم گسار ہے۔ علم کی قیمت گنجینے سے زیادہ ہے گنجینہ ہوتا ہے تو اس کی حفاظت اس کے مالک کو کرنی پڑتی ہے لیکن علم الٹا صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عالم و عاقل کی پہچان یہ نہیں ہے کہ وہ عربی کا کتنا علم رکھتا ہے اور لغت ہائے حجازی پر اسے کتنا عبور حاصل ہے۔ عالم دراصل وہ ہے جو تمام علوم و فنون سے واقف ہو اور جس زبان کو بھی وہ جانے کامل طور پر جانے، عربی کی کوئی قید نہیں۔ بنیادی چیز مسائل کا درک ہے۔ اگر کوئی شخص شریعت کے احکام کو ترکی زبان یا فارسی زبان یا رومی زبان میں جانتا ہو اور عربی سے ناواقف ہو تو بھی اسے عالم ہی کہا جائے گا ہاں وہ عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو تو سونے پر سہاگہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں تصنیف کیا ہے اور یہ کتاب ہمیں جس شخصیت (مراد رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کے وسیلہ سے ملی ہے اس کی مادری زبان عربی تھی۔ اگر کسی بادشاہ کو خدائی نصرت حاصل ہو۔ جو حقیقی دینداری سے حاصل ہوتی ہے اور وہ کسی مملکت کا سربراہ ہو اور ساتھ ہی اس میں دانش اور علم کی بھی صفتیں ہوں تو وہ دونوں جہانوں میں کامیاب اور سعادت سے بہرہ اندوز رہے گا۔ اس لئے کہ اس قسم کا تاجدار اپنا ہر کام علم کی بنیاد پر شروع کرے گا۔ وہ علم کا مربی ہوگا۔ جہالت سے دور رہے گا۔ جو بادشاہ اس دنیا میں عاقل و عالم ہو گذرے ہیں، آج دنیا میں ان کا نام کس قدر بلند ہے۔ ان لوگوں نے بڑے درجے کے کام کئے نتیجہ یہ ہے کہ ان کا نام تا قیامت اچھائی کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ یہ حکمراں لوگ بڑے بلند پایہ حکمراں تھے مثال کے طور پر، فریدوں، سکندر، اردشیر، نوشیرواں عادل اور (سب سے بڑھ کر) امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (اللہ ان کی لحد کو نور سے بھر دے) ہارون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ، اسمٰعیل بن احمد سامانی اور سلطان محمود غزنوی (اللہ کی رحمت ان سب پر نازل ہو) کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ یہ وہ بڑے لوگ ہیں کہ ان کے کارنامے سب کی نگاہوں میں ہیں تاریخوں اور دوسری کتابوں میں ان عادل حکمرانوں کے تذکرے موجود ہیں لوگ ان واقعات کو پڑھتے ہیں اور ان مشاہیر کی تعریف کرتے ہیں۔

حدیث

کہتے ہیں عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں قحط پڑا اور تمام لوگ ایک بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اعراب میں ایک گروہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے شکایت کی۔ کہ امیر المومنین ہم تو اپنا خون جگر پی کر جی رہے ہیں اور ضعف اور کمزوری سے بالکل ناکارہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے رنگ زرد پڑ چکے ہیں۔ کھانے کو ہمیں کچھ نہیں ملتا۔ شاہی خزانہ میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ہمیں حاجت ہے اب آپ یہ بتائیے کہ یہ جو کچھ بیت المال میں ہے یہ آپ کا ذاتی مال ہے یا خدا کا مال ہے یا اس کے بندوں کا مال ہے۔ اگر یہ مال قوم کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس مال پر حق حاصل ہے اور اگر اسے خدا کا مال سمجھا جائے تو خدا اس مال سے بے نیاز ہے۔ اور اگر اسے تمہاری ذاتی دولت سمجھ لیا جائے۔ پھر تو تمہیں اسے ہمیں بطور صدقہ کے دے دینا چاہیئے۔ اور امیر المومنین آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ صدقہ دینے والوں کو اس کا اجر اور انعام دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے عمر بن عبد العزیز سے درخواست کی کہ وہ بیت المال کی دولت ان پر صدقہ کر دیں اس لئے کہ اللہ اس جزا اور انعام دینے والا ہے اور وہی ہے جو اعمال نیک کی جزا دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا اسی صورت میں ہم اس قحط سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ ہمارا عالم یہ ہے کہ ہماری جلدیں جیسے ہمارے جسموں پر خشک ہو گئی ہیں۔ یہ سنکر رقیق القلب عمر بن عبد العزیز کی آنکھ نمناک ہو گئی۔ ان کا جی بھر گیا۔ فرمایا: اچھا ہم ایسا ہی کریں گے۔ اسی وقت حکم ہوا کہ لوگوں کی مرادیں پوری کر دی جائیں۔ جس وقت ان لوگوں نے جانا چاہا تو عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: کہاں چلے تم لوگ۔؟ بندگان خدا کی باتیں تو تم لوگوں نے مجھ سے کہیں اب ذرا میری بات بھی تو خدائے تعالیٰ سے کرو یعنی میرے حق میں بھی دعا کرو۔ یہ سنکر بادیہ نشین سب کے سب آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ تجھے اپنے جلال، اپنی جبروت اور اپنی شوکت کی قسم جیسا برتاؤ کہ عمر نے تیرے بندوں کے ساتھ کیا ہے ویسا ہی تو اس کے ساتھ کر، ابھی دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ اُفق پر گھٹا چھا گئی اور بڑی زبردست بارش ہوئی۔ بارش کے بعد شاید اولے بھی پڑے۔ ایک اولہ عمر بن العزیز کے مکان کی ایک پختہ اینٹ پر بھی گر پڑا۔ اینٹ ٹوٹ گئی اور اس کے نیچے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکلا۔ کاغذ کو لوگوں نے دیکھا تو اس پر لکھا تھا "خدائے برتر کی جانب سے ضمانت دی جاتی ہے کہ عمر بن عبد العزیز کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا جائیگا۔ اس سلسلہ میں بہت سی حکایات بیان ہوئی ہیں۔ سردست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے

نواں باب

کارکنانِ حکومت کی منصفانہ کارکردگی

اشارات

وہ لوگ جن پر دربار کو پورا اعتقاد ہو جاتا ہے۔ اشراف کہلاتے ہیں۔ اس گروہ کا کام یہ ہے کہ دارالسلطنت کے حالات سے ہمہ وقت واقف رہیں۔ اور وقت پر ان خبروں کا اظہار بھی کر سکیں۔ اشراف کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی جانب سے ہر شہر اور قریہ میں اپنے نائب بھیجیں۔ ان نائبوں کے لئے ضروری ہے کہ یہ سب کے سب صائب الرائے اور کامل العقل ہوں۔ مگر کسی پہ ظلم وستم روا نہ رکھیں اور ہر چھوٹی بڑی بات سے باخبر اور واقف رہیں ان نائبوں کی تنخواہوں اور معاوضوں کا بار رعایا کی جیب پر نہیں پڑنا چاہیئے۔ بلکہ شاہی خزانہ کو ان کا بار سنبھالنا چاہیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ یہ سرکاری کارندے سرکاری رقوم میں غبن یا خرد برد کرنے اور رشوت لینے سے باز رہیں گے۔ سرکاری کارندوں کو درست رکھنے سے حکومت کو جو فائدہ حاصل ہوگا۔ اس کا احساس حکومت اور مملکت کو بعد میں محسوس ہوگا۔



دسواں باب

مخبرین کے فرائض انتظامی

اشارات

بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا اور لشکر یعنی عوام اور فوج اور ان تمام علاقوں کے متعلق جو پایۂ تخت سے دور ہوں یا قریب، استفسار کرتا رہے۔ اور معمولی ہوں یا اہم جس قسم کے بھی واقعات رونما ہوں ان سے واقفیت حاصل کرے۔ بادشاہ ایسا نہ کرتا ہے یا نہ کر سکے تو یہ بڑی معیوب بات ہوگی اور لوگ خیال کریں گے کہ بادشاہ ظلم وستم اور غفلت شعاری میں مبتلا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی کہنے کو ہوگا کہ مملکت میں جو جو بدعنوانیاں ہو رہی ہیں یا تو وہ بادشاہ کے علم میں ہیں یا نہیں ہیں۔ اب اگر بادشاہ ان مظالم اور ان بدعنوانیوں سے واقف ہے لیکن ان کے تدارک کی کوئی سبیل نہیں کرتا تو ان ظالموں اور ستم گاروں کی طرح وہ بھی ظالم اور جفا شعار ہے کیونکہ اس نے ظلم ہونے دیا۔ ممکن ہے بادشاہ ان مظالم سے واقف نہ ہو تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ بادشاہ غافل اور ناواقف ہے۔ بہرحال ان دو باتوں میں سے کوئی بھی درست اور پسندیدہ نہیں ان معاملات سے واقفیت کے لئے صاحب برید (برید۔ یعنی ڈاک، صاحب برید وہ جو دور و نزدیک سے آئے ہوئے خطوط اور دوسرے مراسلات کو دیکھے اور ان کا ریکارڈ رکھے) کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اسلام سے پہلے کا دور ہو یا اس کے بعد کا دور ہو بادشاہوں نے اپنے مقرر کردہ منتظمین ڈاک کے ذریعہ ہمیشہ تازہ ترین خبروں سے واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ بھلی بُری جو بات بھی ہوئی بادشاہوں کو اس کا علم رہا۔ اس دور کا انتظام ایسا تھا کہ اگر پایۂ تخت سے پانچ سو فرسنگ کے فاصلہ پر بھی مثلاً کسی نے کسی سے زبردستی بھوسہ کی ایک ٹوکری یا ایک مرغ لے لیا ہوتا تو اس کی اطلاع بادشاہ کو پہنچا دی جاتی۔ اور پھر ایسے شخص کو باضابطہ سزا دی جاتی تھی۔ اس طرح دوسروں کو برابر یہ احساس رہتا تھا کہ بادشاہ بیدار مغز ہے اور اس کی نظر ہر چیز پر ہے۔ اور شاہی مخبروں کا ہر طرف جال بچھا ہوا ہے۔ اس خوف و اندیشہ سے ظالموں کو ظلم کا

[...]را باقی نہیں رہتا لوگ امن اور چین سے زندگی بسر کرتے ہیں اور عدل و انصاف کے سایہ میں اپنے اپنے روزگار
[...]یں اور دوسرے تعمیری کاموں میں لگے رہتے ہیں۔

حکایت

جس وقت سلطان محمود نے عراق کے علاقہ پر قبضہ کیا تھا۔ ایک عورت دیر گچین کی سرائے میں ایک قافلہ
کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ چوروں نے اس کا مال اسباب لوٹ لیا اور لیکر چلتے بنے۔ یہ چور کوچ اور بلوچ کے علاقہ
کے باشندے تھے۔ یہ علاقہ کرمان سے ملا ہوا تھا۔ یہ عورت فریاد لیکر محمود کے دربار میں گئی۔ اور جاکر بارگاہ سلطانی
میں عرض کیا کہ دیر گچین میں چور میرا سارا مال لوٹ لے گئے اب یا تو مجھے میرا مال دوبارہ واپس دلایا جائے یا
سلطان تاوان دلادے، محمود بولا: دیر گچین ہے کہاں؟ عورت نے کہا: بس اتنا ملک فتح کیا کرو کہ کم از کم
نہیں یہ تو معلوم رہے کہ کس کس علاقہ پر تمہارا قبضہ ہے، اور ہر اس علاقہ کا انتظام کر سکو جو تمہارے تصرف
میں آگیا ہے۔ محمود نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن چوروں کے بارے میں تو کچھ بتا سکتی ہے کس قوم سے ان کا تعلق
تھا؟ کہاں سے وہ آئے تھے؟ عورت بولی: یہ چور کوچ بلوچ قوم کے تھے۔ یہ قوم کرمان کے پاس رہتی
ہے۔ محمود بولا: یہ جگہ بڑی دور ہے اور میرا حکم وہاں نہیں چلتا۔ میں ان چوروں کا کچھ نہیں کر سکتا۔ عورت نے سلطان
تو کیسا حاکم ہے کہ اپنی عملداری ہی میں تیرا بس نہیں چل پاتا۔ تو کیسا گلہ بان ہے کہ اپنے ریوڑ کی بھیڑوں کو بھیڑیے
سے نہیں بچا سکتا۔ مجھ ضعیف اور بے کس میں اور تجھ جیسے با اقتدار بادشاہ میں پھر فرق ہی کیا رہ گیا محمود: (با چشم نم)
ٹھیک کہتی ہے بڑھیا۔ میں اب ایسی ہی کوئی صورت کرتا ہوں کہ تیرا مال تجھے واپس مل جائے۔ اور اس سلسلہ
میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔ سلطان نے حکم دیا کہ شاہی خزانہ سے بڑھیا کو رقم دیدی جائے۔ اس
کے بعد کرمان کے امیر ابو علی الیاس کو ایک خط روانہ کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ یہ جو میں نے عراق فتح کیا ہے اس
سے عراق پر حکومت کرنا میرا مقصود نہ تھا۔ میں تو مہمات ہندوستان میں مصروف ہوں۔ مگر مجھے پے در پے اطلاعات
موصول ہو رہی ہیں کہ عراق میں دیلمیوں نے بدامنی پھیلا رکھی ہے۔ اور انکی وجہ سے عراق کے حالات خراب ہو رہے
ہیں۔ راستوں کو ان لوگوں نے غیر محفوظ کر دیا ہے۔ شاہراہوں پر لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی عورتوں
اور ان کے بچوں کو زبردستی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور انھیں اپنی ہوس رانیوں اور بدکاریوں کا نشانہ بنائے
ہیں۔ یہ لوگ جب تک چاہتے ہیں ان عورتوں اور بچوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ

لوگ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کی عفت کے قائل نہیں ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) اور رسالت مآب علیہ السلام کے ساتھیوں یعنی (صحابہ کرام رضا) کا احترام نہیں کرتے۔ یہی حال اس علاقہ کے سرکاری عاملوں کا ہے کہ سال میں دو تین بار حکومت کی طرف سے خراج وصول کر لیتے ہیں اور بے شمار دوسری من مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔ مجد الدولہ نے اپنے کو شاہنشاہ کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس شخص کے حرم میں عورتیں بغیر نکاح کے داخل ہیں۔ اسکے علاوہ ملحدوں اور باطنیوں کا مذہب ہر جگہ رواج پا رہا ہے۔ خدا اور رسول کو برا بھلا کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ یعنی خالق کائنات کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے بھی انکار کیا جا رہا ہے سرکاری حکام نہ ان لوگوں کو ان باتوں پر تنبیہہ کرتے ہیں اور نہ ان میں اتنی طاقت ہے کہ ان سے پوچھیں کہ تم لوگ آخر رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ کے اصحاب اور رفقاء کو کیوں برا کہتے ہیں۔ اور یہ ظلم اور فساد کیوں کرتے ہو۔ یہ ملحد اور یہ باطنی دونوں آپس میں مل گئے ہیں۔ جب ان حالات سے مجھے واقفیت ہوئی تو میں نے ہندوستان میں جہاد کی مہم کو ترک کر کے عراق کا رخ کیا۔ اور ترک لشکر کو جس میں مسلمان، پاک دین یعنی صحیح العقیدہ اور حنفی مسلمان ہیں میں نے ان ملحدوں اور باطنیوں پر متعین کر دیا ہے۔ تاکہ یہ ترک ان ملحد دیلمیوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے اور کچھ قید میں ڈال دیئے گئے۔ اور کچھ ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ اس کے بعد میں نے خراسان کے تمام عہدے بزرگوں کو سونپ دیئے اس لئے کہ یہ لوگ یا تو حنفی ہیں یا شافعی ہیں۔ اور یہ دونوں گروہ خارجیوں اور باطنیوں کے دشمن ہیں۔ میں نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ عراقی علاقہ کا دبیر حکومت کرے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ عراق کے دبیر زیادہ تر اسی عقیدے کے لوگ ہیں۔ اور ترکوں کے خلاف ہمیشہ شورش برپا کرتے رہتے ہیں۔ غرض میں نے تھوڑے ہی عرصہ میں عراق سے الحاد اور بے دینی کا قلع قمع کر دیا۔ یہ سب اللہ کا فضل و احسان تھا کہ میں کامیاب ہوا۔ اللہ نے مجھے اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ میں اہل فساد کو تباہ کر دوں اور نیک اور اچھے لوگوں کی حفاظت کروں۔ اور دنیا کو داد و دہش سے معمور کر دوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کوچ و بلوچ کے شرپسندوں نے دیر گچین کی ایک کارواں سرا لوٹ لی ہے اور مال و اسباب لے گئے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم انھیں گرفتار کر لو اور ان کا مال و اسباب واپس لوٹا لو۔ اور ان شرپسندوں کو سولی پر لٹکا دو اور یا اس تمام واپس شدہ مال کے ساتھ ان لوگوں کو قید کر کے شہر رے (اصفہان کا قدیم نام) بھجوا دو تاکہ آئندہ کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہو کہ کرمان سے آ کر میرے قلمرو اور علاقہ میں قدم رکھیں۔ اور اس طرح رہزنی

کریں اور اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو یاد رکھنا کرمان سومنات سے زیادہ دور نہیں۔ اگر میں سومنات پہنچ سکتا ہوں تو کرمان پر بھی فوج کشی کر سکتا ہوں اور وہاں آ کر میں کرمان کے اندر ان لوگوں کو (ان مفسدوں اور شرپسندوں کو) تباہ کر دوں گا۔ جب وقت محمود کا قاصد اس کا پیغام لے کر بوعلی الیاس کے پاس پہنچا تو وہ بے حد خوف زدہ ہوا۔ اس (بوعلی الیاس) نے قاصد کو انعام واکرام سے نوازا اور اس کی معرفت طرح طرح کے جواہرا اور مختلف قسم کے سمندری نوادر اور چاندی سونے سے بھری ہوئی تھیلیاں بطور تحفہ محمود کے دربار میں روانہ کیں۔ بوعلی الیاس نے قاصدِ محمود سے کہا: میں محمود کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود کو میرے حالات اور کرمان کے علاقہ کے حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں کسی حال یہ نہیں چاہتا کہ حالات خراب ہوں اور ملک میں تباہی پھیلے۔ کرمان کے عوام بھی سُنی اور صحیح العقیدہ لوگ ہیں۔ کوچ بلوچ کے پہاڑ کرمان سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ دریاؤں اور پہاڑوں کی وجہ سے دشوار گذار ہے۔ راستے ناقابلِ عبور ہیں اور میں ان سے عاجز آچکا ہوں۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی اکثریت چوروں اور مفسد لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور انھوں نے دو سو شہر سنج کے علاقہ میں اپنی بدامنی پھیلا رکھی ہے۔ ان کی تعداد بھی بہت بھاری ہے۔ میں ان سے مقابلہ کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ البتہ سلطان عالم (مراد محمود) میں بڑی قوت ہے۔ میں ہر خدمت کے لئے تیار رہوں۔ سلطان کے حکم کی دیر ہے۔

جس وقت بوعلی الیاس کا خط اور اس کے تحفے وغیرہ سلطان کے پاس آئے تو اس سے (سلطان محمود کو یقین) ہو گیا کہ اس میں کوئی شائبہ حیلہ وفن نہیں اور سب کچھ سچ ہے۔ محمود نے بوعلی کے (ایلچی) کو خلعت دی اور رخصت کر دیا اور کہا کہ بوعلی سے کہنا کہ کرمان کی تمام فوج جمع کر لو اور تمام کرمان کے علاقہ میں گشت لگاؤ اور پھر فلاں فلاں مہینہ کے اختتام پر کرمان کی سرحد پر، یعنی اُس طرف جدھر کوچ بلوچ کا رُخ ہے، اپنی فوج لے کر اتر پڑو اور جب تک ہمارا قاصد نہ پہنچ جائے وہیں ٹھہرے رہو۔ ہمارا قاصد فلاں فلاں علامت کے ساتھ پہنچے گا۔ جب یہ قاصد پہنچے تو فوراً وہاں سے کوچ کر دینا اور کوچ بلوچ کے علاقہ میں پہنچ کر ہر جوان آدمی کو قتل کروا دینا اور کسی کو پناہ نہ دینا۔ بوڑھوں اور عورتوں سے ان کا مال چھین لینا اور ہمارے پاس روانہ کر دینا تاکہ جن جن لوگوں سے ان کا مال چھینا گیا ہے اُنھیں واپس کر دیا جائے پھر ان لوگوں سے معاہدہ کر کے لوٹ آنا۔ محمود نے اپنا قاصد روانہ کرتے ہوئے منادی (اعلان) کرا دی تھی کہ وہ تاجر جو یزد اور کرمان کی طرف جانا چاہیں وہ تیار ہو جائیں اور سامان باندھ لیں میں خود ان کے ہمراہ محافظ دستہ بھیجوں گا

جو راستہ میں ان کی حفاظت کرے گا اور میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر کوچ بلوچ کسی کا مال لوٹ لیں گے تو میں سرکاری خزانہ سے اُسے تاوان دوں گا۔ جس وقت یہ اعلان ہوا تو شہر رے میں ہر طرف سے تاجر جمع ہونے لگے۔ ان کی تعداد کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ محمود نے ایک خاص وقت میں ان لوگوں کے روانہ کئے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ اور ایک سردار کو ڈیڑھ سو سواروں کا دستہ دے کے ان کی حفاظت پر متعین کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم لوگ کوئی اندیشہ نہ کرنا تمہارے پیچھے پیچھے ہم ایک اور فوج بھی بھیجیں گے۔ اس سے ان لوگوں کی ہمت بندھانا مقصود تھا۔ اس محافظ دستہ کو بھیجتے وقت، محمود نے ان کے امیر کو اپنے پاس تنہائی میں بلایا اور زہر قاتل کا ایک آبگینہ اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ اس کے بعد اس سے کہا کہ تم جب اصفہان پہنچنا تو وہاں دس روز قیام کرنا۔ اس عرصہ میں وہاں کے سوداگر بھی سفر کی تیاری کر لیں گے اور تم سے آملیں گے۔ اس مدت میں تم دس خروار (خروار یعنی ایک گدھے کا بوجھ) اصفہانی سیب خرید لو اور انھیں دس اونٹوں پر لاد دو۔ اور جس وقت کارواں روانہ ہو تو ان دس اونٹوں کو (یعنی یہی جن پر سیب لادے گئے ہوں) سوداگروں کے اونٹوں میں شامل کر دو اور وہاں سے روانہ ہو جاؤ اور اس منزل تک چلتے رہو جہاں سے ڈاکوؤں اور لٹیروں تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ رہ جاتا ہو۔ اس رات تمام سیب اپنے خیمہ میں لے آؤ اور انھیں تھیلوں سے باہر نکال لو۔ ہر سیب میں کسی سوجے سے سوراخ کر لو اور پھر ہر سیب میں کسی تنکے سے زہر بھر دو۔ اب ان سیبوں کو تھیلوں میں بھر دو۔ اور ان کے بیچ بیچ میں روئی کے گالے جما دو۔ پھر ان اونٹوں کو جن پر سیب لدے ہوں۔ دوسرے اونٹوں کی قطار میں شامل کر دو جس وقت ڈاکو اپنی کمین گاہوں (عموماً یہ جھاڑیوں اور غاروں سے نکل نکل کے کاروانوں پر ٹوٹ پڑتے تھے) سے نکل کر تم پر حملہ کرنے لگیں تو تم ان سے لڑنے کا خیال مت کرو اس لئے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ اور تم قلیل التعداد ہو گے۔ اور کارواں کے ہتھیار بند لوگوں کو لیکر فوراً ہی جائے وقوعہ سے نصف فرسنگ دور نکل جاؤ اور موقع کے منتظر رہو اور اس کے بعد ڈاکوؤں پر حملہ کرو۔ اس میں سے اکثر ڈاکو زہریلے سیب کھا کر ہلاک ہو جائیں گے۔ جہاں تک ہو سکے ڈاکوؤں کو قتل کر دینا۔ جب ان لوگوں سے فارغ ہو جاؤ تو دس سواروں کو جن میں سے ہر ایک کے پاس دو دو گھوڑے ہوں، بو علی کے پاس روانہ کر دینا۔ ان سواروں کو میری انگوٹھی دے دینا۔ بو علی کو اپنے سواروں کے ذریعہ اطلاع دینا کہ ڈاکوؤں کا کیا حشر ہوا اور ان کے ساتھ کیا کارروائی عمل میں آئی اور یہ کہ اب بو علی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ

فلاں فلاں علاقہ پر حملہ آور ہو جائے اِس لئے کہ وہاں سے تمام جوان، اور شرپسند اور فتنہ جو لوگ بھاگ چکے ہیں۔ اس عرصہ میں (یعنی تنے عرصہ میں کہ تمہارے دس سوار بوعلی کو پیغام دینے جائیں، تم اپنا کام کرو اور کارواں کو صحیح سلامت کرمان کی سرحد تک لیجاؤ۔ البتہ اگر تم بوعلی کے لشکر سے بھی مل سکو تو اچھا ہوگا محمود کی ان ہدایات کو سنکر امیر نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس تدبیر سے کامیابی ہوگی اور آپ کا اقبال قیامت تک قائم رہیگا۔ امیر یہ عرض کر کے محمود سے رخصت ہوا۔ کارواں اپنے ساتھ لیا اور راستے لیکر اصفہان آگیا دس اونٹوں پر سیب لاد کر کرمان کا رُخ کیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے جاسوس پہلے ہی بھیج رکھے تھے۔

اصفہان سے ان جاسوسوں نے ڈاکوؤں کو اطلاع بھیجی کہ ایک قافلہ آرہا ہے جس میں کئی ہزار تو جانور ہیں اور اس کے ساتھ وہ ساز وسامان ہے کہ بس اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے اور اِدھر ایک ہزار برس کی تاریخ میں کبھی ایسا شاندار قافلہ روانہ نہیں ہوا۔ اس قافلہ کی حفاظت پر ڈیڑھ سو سوار مامور ہیں ڈاکو لوگ یہ سب سُنکر بہت خوش ہوئے۔ اور ان لوگوں نے کوچ بلوچ کے تمام جوانوں، شاطروں اور ہتھیار بند لوگوں کو اطلاع بھجوادی۔ اور انھیں طلب کر لیا۔ چار ہزار مسلح ڈاکو کارواں کے راستہ اور راہگزر پر آکر انتظار میں بیٹھ گئے۔ جس وقت میر کارواں منزل پر آیا تو وہاں کے رہنے والوں نے اطلاع دی کہ کئی ہزار ڈاکو تم لوگوں کے راستہ میں ہیں کئی دن سے تمہارے انتظار میں ہیں۔ کارواں کے امیر نے پوچھا کہ یہاں سے اس جگہ تک کا، جہاں یہ ڈاکو ہیں، کتنا فاصلہ ہوگا۔ لوگوں نے بتایا: پانچ فرسنگ کا۔ اہل قافلہ نے یہ سُنا تو بے حد افسردہ ہوئے اور وہیں اپنے اپنے جانوروں کی پشت سے اُتر آئے۔ دوسرے وقت کی نماز جب پڑھی جاچکی تو امیر نے تمام محافظین سامان اور دوسرے کارواں سالاروں کو بلایا اور ان کی ڈھارس بندھائی۔ اور کہا: مجھے یہ بتاؤ تم لوگ جان کو بہتر سمجھتے ہو یا مال کو سب بول اُٹھے: مال کی کیا حقیقت ہے جان بہتر ہے۔ امیر بولا: تمہارے پاس مال ہے اور ہمارے پاس ہماری جانیں ہیں۔ ہم یہ جانیں نچھاور کردیں گے اور ہمیں ذرا بھی رنج نہ ہوگا۔ تو پھر تم لوگ مال کا غم کیوں کھا رہے ہو۔ مال کا تو خیر بدل دوسرا مال ہوتا ہے۔ جان کا تو کوئی بدل بھی نہیں ہوتا۔ آخر محمود نے مجھے بھی کسی کام ہی پر روانہ کیا ہے۔ وہ کوئی تم سے یا مجھ سے ناراض تو نہیں۔ اور ہم یا تم اس کے معتوب تو نہیں کہ اس نے ہمیں مرنے کے لئے ادھر روانہ کر دیا ہو۔ محمود کو تو اس کی فکر ہے کہ اس دیرہ گچین سے ایک عورت کا جو مال لیجایا گیا ہے اسکو ڈاکوؤں تک

سے واپس لے لے۔ جب ایسا ہے تو محمود بھلا اس بات کو کیوں پسند کرے گا کہ تمہاری ساری دولت وہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں چلی جانے دے۔ مطمئن رہو محمود تمہارے کام سے غافل نہیں۔ اور سلطان نے مجھے بھی ایک خاص بات بتا کر روانہ کیا ہے! کل صبح جب سورج اُبھرے گا تو ڈاکو ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور تم لوگ دیکھنا کہ آخر میں انجام اچھا ہو گا یعنی اگر خدا کو ایسا منظور ہے۔ البتہ تم سب لوگوں کو میری ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ لوگوں نے قافلہ کے امیر کی باتیں سُنیں تو بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: جو تم کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔ اب امیر نے ان لوگوں کو ہدایت دی کہ جتنے ہتھیار بند ہیں اور جو جنگ کر سکتے ہیں وہ سب اس کے سامنے آ جائیں۔ امیر نے سب کو گنا تو اس کے سواروں سمیت کل تین سو ستر آدمی نکلے۔ ان میں پیدل اور سوار سب شامل تھے۔ اب امیر نے کہا کہ آج رات جب کوچ ہو تو تمام ہتھیار بند لوگ اس کے (امیر کے) ساتھ ساتھ کارواں کے آگے آگے چلیں اور پیدل چلنے والے قافلہ کے پیچھے رہیں۔ امیر نے کہا کہ ڈاکوؤں کی عادت ہوتی ہے کہ سامان لوٹتے ضرور ہیں لیکن جب تک کوئی ان پر وار نہیں کرتا کسی کو قتل نہیں کرتے۔ کل آفتاب نکلتے نکلتے ہم لوگ ان لوگوں سے قریب آ جائیں گے جس وقت کہ یہ قافلہ پر حملہ آور ہوں گے تو میں بظاہر بہت ہزیمت کھا کے بھاگ نکلوں گا۔ تم لوگ جب مجھے یوں بھاگتے ہوئے دیکھو تو تم بھی سب کے سب پیچھے ہٹ جاؤ۔ کچھ دیر تک پیچھے ہٹتے رہنا۔ پہلے ہم ان ڈاکوؤں سے بچ نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن تم سب ہم سے نصف فرسنگ کے فاصلہ پر رہنا۔ پھر ہم پلٹ کے حملہ کریں گے اور اس حملہ کے بعد ہم تم سے آملیں گے اور تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد سب کے سب پلٹ پڑیں گے اور ان لوگوں پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس وقت تم ایک حیرت انگیز تماشہ دیکھو گے اور مجھے چونکہ اس سلسلہ میں ایک خصوصی حکم ملا ہوا ہے اور اس میں ایک راز ہے جسے تم نہیں جانتے اس لئے کل تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت پر مبنی ہے اس وقت تمہیں سلطان کی عالی ہمتی کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ سب نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے اور اس کے بعد سب لوگ پلٹ آئے۔ رات آنے پر امیر نے سیبوں کے انبار کھول دیے۔ سب کو زہر آلود کیا پھر کہا کہ جس وقت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جاؤں اور ڈاکو قافلہ کو لوٹنے میں لگ جائیں اور قافلہ والوں کے سامان اور اسباب کو کھولنا شروع کر دیں تو تم سیبوں کے تھیلوں کے منہ کاٹ دو اور نیچے سے بھی ان میں سوراخ کر کے انھیں زمین پر گر جانے دو۔ اور پھر جدھر کو منہ اُٹھے بھاگ نکلو۔ جب آدھی رات گذر گئی تو امیر نے کوچ کا حکم دے دیا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ سورج چڑھ چکا تھا۔ ڈاکوؤں نے تین مختلف

سمتوں سے یورش کی اور قافلہ پر جھپٹے۔ ان حملہ آوروں نے تلواریں کھینچ رکھی تھیں۔ امیر نے دو تین معمولی حملے کئے، چند تیر چلائے اور پھر فرار ہو گیا۔ پیدل لوگوں نے بھی ڈاکوؤں کو دیکھا تو بھاگ نکلے اب امیر قافلہ اپنے ان پیادوں سے جا ملا اور اب پورا قافلہ تھوڑی دور پر جا کر رک گیا۔ سب لوگ اکٹھے ہو گئے ڈاکوؤں نے جب دیکھا کہ قافلہ کے محافظ بہت کم تعداد میں ہیں اور باقی بھاگ گئے ہیں اور قافلہ والے بھی نکل بھاگے ہیں تو یہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اطمینان سے قافلہ کا اسباب کھولنے لگے۔ کھولتے کھولتے جب سیبوں کے انباروں کی باری آئی تو بس اسی پر ٹوٹ پڑے۔ اور بڑے شوق سے سیب کھانے شروع کر دیئے۔ شاید ہی کوئی بچا ہو جس نے سیب نہ کھایا ہو۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک ایک گرنے لگا اور یہ سب موت کی نیند سو گئے۔ دوسرے دن صبح دو گھڑی وقت گذرا تھا کہ امیر قافلہ تن تنہا ایک اونچے مقام پر چڑھ گیا۔ اور کاروان پر نظر ڈالی۔ اس کے بعد اس نے میدان کو جو دیکھا تو اسے زمین پر پڑے ہوئے بے شمار مُردوں سے اٹا پایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ محو خواب ہیں امیر نے یہ منظر دیکھا تو بلندی سے تیزی کیساتھ نیچے کی طرف آیا اور لوگوں کو یہ مژدہ سنایا کہ سلطان کی مدد آپہنچی۔ تمام ڈاکوؤں کو مار ڈالا گیا۔ اور شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ امیر نے للکارا: اے میرے شیر صفت بہادرو! آگے بڑھو اور آگے بڑھکر بقیہ لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دو اب امیر اپنے گروہ کے ساتھ ڈاکوؤں کے برباد شدہ قافلہ کی طرف بڑھا پیادہ لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے جس وقت یہ سب کے سب قافلہ کے پاس (یعنی ڈاکوؤں کے قافلہ کے پاس) پہنچے تو عجیب منظر دیکھا یعنی تمام میدان مُردوں سے اٹا پڑا تھا۔ ان لوگوں کی ڈھال، تلوار، تیر، ترکش سب ادھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ جو چند لوگ رہ گئے تھے وہ بھی فرار ہو گئے۔ لیکن عالم یہ تھا کہ قافلہ کا امیر اور دوسرے اہل قافلہ ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ ان ڈاکوؤں میں ایک شخص زندہ نہ بچا۔ اور یہ بھی نہ ہو سکا کہ ان میں سے کوئی شخص ہی زندہ رہتا اور علاقہ میں اس کشت و خون کی خبر جا کر دیتا۔ اور انھیں بتاتا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ اب امیر نے حکم دیا کہ ڈاکوؤں کے ہتھیار وغیرہ جمع کر لئے جائیں اور انھیں وہاں سے اٹھا کر لے جایا جائے۔ تمام قافلہ والوں کو الگ الگ ان کی منزلوں پر پہنچا دیا گیا۔ کسی شخص کا نقصان نہیں ہوا۔ یہ لوگ اس وقت بے حد خوش تھے۔ بوعلی الیاس ان لوگوں سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ امیر نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے دس غلاموں کو سلطان کی انگوٹھی کے ساتھ بوعلی کے پاس روانہ کر دیا۔ اور اسے واقعات کی اطلاع دی۔ اسے یہ خبر ملی تو وہ اسی وقت اپنے منظم اور تیار فوجیوں کے ساتھ کوچ بلوچ کے علاقہ پر حملہ آور ہو گیا امیر بھی بوعلی کے لشکر سے

جا ملا۔ ان سب نے مل کر دس ہزار سے زیادہ آدمی ہلاک کئے۔ اور کئی ہزار دینار بھی ان لوگوں سے حاصل کئے۔ ان لوگوں کے قبضہ میں اس قدر مال واسباب اور ہتھیار اور جانور اور چوپائے اور طرح طرح کی نعمتیں آئیں کہ جس کی انتہا نہ تھی۔ بوعلی نے ان تمام چیزوں کو ترک امیر کے ذریعہ سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ محمود نے اعلان کروادیا کہ جس وقت سے میرا قبضہ عراق پر ہوا ہے۔ اس تاریخ سے اس وقت تک جس جس کا مال اور اسباب کوچ بلوچ نے لوٹا ہے اسے شاہی خزانہ سے معاوضہ اور تاوان مل جاوے گا۔ جن جن لوگوں کے دعوے تھے وہ معاوضہ لیکر خوش خوش واپس چلے جاتے تھے۔

اس پچاس سال کے عرصہ میں، جو اس واقعہ کے بعد گذرے، پھر کوچ بلوچ نے کسی قسم کی بدامنی نہ پھیلائی۔ اس کے بعد محمود نے جگہ جگہ مخبر اور جاسوس مقرر کر دیئے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی کے یہاں سے ایک مرغ تک زبردستی لے لیتا تھا یا کسی کو کوئی بلا قصور قتل کر دیتا تو اس صورت میں بھی محمود کو اس کی اطلاع مل جاتی اور اس کی تلافی کر دی جاتی۔ قدیم زمانہ سے یہ مخبروں اور جاسوسوں کا نظام قائم ہے۔ لیکن سلجوقی بادشاہوں نے اس نظام کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ اور اس نظام پر زیادہ اعتماد نہیں کیا۔

حکایت

ایک دن کا ذکر ہے ابو الفضل سکزی نے سلطان شہید آلپ ارسلان سے کہا کہ آپ نے اپنے جاسوس کیوں مقرر نہیں فرمائے۔ بادشاہ نے کہا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری حکومت تباہ ہو جائے اور میرے خیر خواہ مجھ سے بدظن ہو جائیں۔ ابو الفضل اس بات پر متعجب ہوا تو بادشاہ نے کہا: جاسوس رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے خیر خواہ اور وہ لوگ جو میرے عزیز واقارب ہیں وہ جاسوسوں اور مخبروں کی کوئی پروا نہ کریں گے اور انھیں رشوت دے کر خوش کر لیں گے۔ اسی طرح حکومت کے مخالف ان مخبروں سے اچھے تعلقات قائم کر کے اور انھیں روپیہ دے کر اپنا الّو سیدھا کر لیں گے۔ اور مخبر ملک دشمن عناصر کے خلاف رپورٹ نہیں دے گا۔ البتہ حکومت کے بہی خواہوں کے بارے میں غلط رپورٹیں ضرور پیش کرے گا۔ اس لئے کہ یہ طبقہ اپنی حکومت سے وفاداری کے جذبہ پر اتنا اعتماد رکھتا ہے کہ اسے خفیہ پولیس یا مخبر کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ دشمنوں کے متعلق اچھی بری خبروں کی مثال تیروں سے دی جاسکتی ہے۔ جب کئی تیر پھینکے جائیں گے تو ایک نہ ایک تیر تو نشانہ پر لگ ہی جائے گا۔ ان رپورٹوں اور سرکاری

اطلاعات سے ہم (بادولت) حکومت کے دوستوں سے روز بروز بدظن ہوتے جائیں گے اور ملک دشمن عناصر سے مطمئن ہوتے جائیں گے۔ پھر جلد ہی وہ دور آجائے گا کہ دوست ہم سے دور ہو جائیں گے اور دشمن ہم سے نزدیک ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جو جگہ کہ دوست کے لئے مخصوص تھی وہ ان مخبروں (آج کل کی اصطلاح میں خفیہ پولیس کے ارباب حل وعقد) کی گل کاریوں کے طفیل دشمنوں کو مل جائے گی۔ اس صورت حالات سے کیسے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں انھیں کوئی باسانی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن ان خطروں کے باوجود مخبروں کی ضرورت ہے۔ مخبروں کا رکھنا حکومت کے قواعد اور ضوابط میں شامل ہے۔ یہ ذمہ داری نہایت قابل اعتماد آدمیوں کے سپرد کرنی چاہیئے تاکہ ان کی طرف سے وہ خطرہ نہ ہو جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ یہ کام بے حد دشوار اور اس کے لئے بڑی ہوشمندی درکار ہے اس لئے کہ اس میں دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا جو لوگ حکومت کے شعبہ اطلاعات کے کرتا دھرتا ہوتے ہیں انھیں بے حد قابل اعتماد ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ ایسے ہوں کہ ان کی شخصتیں شک و شبہ سے بالاتر ہوں ان کو بے غرض ہونا چاہیئے۔ اس میں احتیاط اس لئے زیادہ ضروری ہے کہ اس طبقہ پر مملکت کی صلاح وفلاح کا بڑا دارومدار ہے۔ پھر یہ لوگ براہ راست بادشاہ کے نمائندہ ہوتے ہیں، ان لوگوں کی تنخواہیں اور مشاہرے متعین ہونے چاہئیں اور باضابطہ طور پر انھیں پہنچتے رہنے چاہئیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شعبہ اطلاعات کے یہ لوگ فارغ البالی سے اپنی گذربسر کریں گے اور حکومت کو پوری دل جمعی کے ساتھ تمام حالات اور حادثات کی خبر دیتے رہیں گے۔ تاکہ بادشاہ ضروری امور انجام دیتا رہے۔ یعنی جسے سزا دینی ضروری ہو اُسے سزا دے اور جس کے لئے مناسب سمجھا جائے اسے انعام واکرام سے نوازا جائے۔ حالات ایسے پیدا ہو جانے چاہئیں کہ لوگوں میں حکومت کی اطاعت کا جذبہ ہو اور ساتھ ہی وہ حکومت سے خائف بھی رہیں۔ اور کسی میں یہ ہمت نہ ہو کہ وہ بادشاہ سے بغاوت کر سکے یا اس کا بُرا سوچنے کی جرأت کر سکے، مخبر اور خفیہ حکام کو مقرر کرنا بادشاہ وقت کی بیدار مغزی اور عالی ہمتی کا ثبوت ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے اس نظام کا قائم کرنا ضروری ہے۔

گیارہواں باب
مرکزی حکومت کے احکام کی بجا آوری

اشارات

مرکز کی جانب سے جو احکامات صادر ہوا کرتے ہیں ان کی نوعیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ یہ فرمان تعداد میں جتنے زیادہ ہوں گے ان کا وقار اتنا ہی کم ہوتا جائے گا۔ چنانچہ جب تک کوئی انتہائی اہم معاملہ درپیش نہ ہو مجلس عالی کی طرف سے کوئی حکم صادر نہ ہو۔ لیکن ایک دفعہ جب مجلس عالی (موجودہ اصطلاح میں کابینہ وزارت) کوئی حکم جاری کر دے تو اس حکم کی ہیبت اور اس کا وقار اتنا ہو کہ کسی کو مجال انکار نہ ہو۔ اور اگر کسی نے اس حکم کو بنظر حقارت دیکھا ہے یا اس پر عمل پیرا ہونے میں لاپرواہی برتی ہے تو خواہ وہ بادشاہ کے قریبی عزیز ہی میں کیوں نہ ہو اسے سخت سزا دینی چاہیئے تاکہ لوگوں کو احساس ہو جائے کہ بادشاہ کی بھیجی ہوئی تحریر (فرمان) اور عام تحریر میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اور فرمان سلطنت کی پیروی سے روگردانی کرنے کی کتنی سنگین سزا ہے۔

حکایت

کہتے ہیں ایک بار نیشاپور کی ایک عورت اپنی فریاد لیکر غزنین آئی اور یہاں محمود غزنوی کے دربار میں حاضر ہو کر اس نے نیشاپور کے حاکم کی شکایت کی۔ شکایت کا خلاصہ یہ تھا کہ حاکم نے اس ڈکھیا عورت کی جائداد غصب کر کے اسے اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ دربار کی جانب سے فوراً احکامات صادر کر دیئے گئے کہ فریاد کرنے والی عورت کو اس کی جائداد واپس کر دی جائے۔ لیکن مدعیٰ علیہ (حاکم نیشاپور) کو زمین متنازعہ فیہ پر واقعی استحقاق حاصل تھا اس لئے اس نے حکم کی تعمیل میں تکلف کیا اور بڑھیا کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ معاملہ کو دوبارہ مرکز کے احکامات کے لئے پیش کیا جائے گا۔ عورت بڑی صاحب ہمت تھی وہ دوبارہ فریاد لیکر غزنین آئی! اس دفعہ یہ حکم صادر ہوا کہ حاکم نیشاپور کو غزنین لایا جائے اور شاہی دولت سرا کے سامنے اسے ایک ہزار کوڑے لگائے

جائیں۔ حاکم نے اپنی صفائی پیش کی۔ پانچ سو کے قریب سفارش اور ضمانتیں مہیا کیں۔ ہزار ضربوں سے معاف کئے جانے کے معاوضہ میں ایک ہزار نیشا پوری دینار پیش کرنے چاہے۔ لیکن اس کی ایک بھی پیش نہ گئی! ایک ہزار ضربیں اس پر پڑنی ہی تھیں سو پڑیں۔ اس سے یہ کہا گیا کہ اگرچہ جس جائداد کے بارے میں اس کو احکامات صادر ہوئے تھے اس پر اس کا تصرف جائز تھا لیکن اسے حکم عدولی کا مطلق حق نہ تھا۔ اس کا فرض تھا کہ پہلے فرمان پر عمل کرتا پھر اصل واقعات بیان کر دیتا تاکہ قانون اور انصاف کی رو سے فیصلے پر نظر ثانی کی جاتی یہ سختی اس لئے کی گئی کہ آئندہ کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ ایک صادر شدہ فرمان کو ٹھکرا دے۔ جب بادشاہ کی جانب سے کوئی حکم ایک حاکم کو ملے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس کی فوراً تعمیل کرے۔ خواہ یہ حکم کسی کو سزا دینے کے بارے میں ہو یا کسی کو قتل کرنے کے سلسلے میں یا کسی نافرمان کے ہاتھ پاؤں قلم کر دینے کے بارے میں ہو۔ بہرحال کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قسم کی تادیبی کارروائی بغیر شاہی فرمان کے انجام دے۔ جو لوگ ایسا کریں انھیں دوسروں کی عبرت کے لئے قرار واقعی سزا دینی چاہیئے۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ابتدا میں پرویز، بہرام چوبین وزیر کو حد درجہ عزیز رکھتا تھا۔ اور اس کا کچھ اس درجہ گرویدہ تھا کہ ایک لمحہ بھی اسے اپنے سے دور نہ رکھتا تھا۔ شکار میں، مجلس شراب میں اور خلوت کی محفلوں میں، ہر موقع پر اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ بہرام ایک بے مثل اسپ سوار تھا۔ اسی طرح ایک بے مثل سپاہی بھی۔ ایک دن پرویز کی خدمت میں ہرات اور سرخس سے تین سو، سرخ بالوں والے اونٹ اجناس سے لدے ہوئے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ گراں بہا ساز و سامان جوں کا توں اور سب کا سب بہرام کے مکان پر بھجوا دیا جائے تاکہ بہرام کا خوانِ کرم وسیع تر ہو جائے۔ دوسرے دن پرویز کو اطلاع ملی کہ بہرام نے اپنے سرکاری ملازم کو پکڑ کر بیس چھڑیاں ماریں۔ پرویز یہ سُن کر غضبناک ہو گیا۔ فوراً بہرام کی طلبی ہوئی۔ بہرام حاضر ہوا۔ اب بادشاہ نے شاہی اسلحہ خانہ سے پانچ سو تلواریں منگوائیں اور بہرام کو حکم دیا کہ ان میں سے ڈیڑھ سو تلواریں چن لے۔ پھر حکم صادر ہوا کہ ان ڈیڑھ سو تلواروں میں سے دس بہترین قسم کی تلواریں انتخاب کی جائیں۔ اب ان دس تلواروں میں بھی دو کا انتخاب کیا گیا۔ غرض ان سینکڑوں تلواروں میں سے دو تلواریں بہرام نے چن لیں۔ اب بادشاہ نے بہرام سے کہا: بہرام! اب ان دونوں تلواروں کو

نیام میں رکھ دو۔ بہرام نے فوراً جواب دیا : جہاں پناہ دو تلواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہ آسکیں گی۔ اس پر پرویز نے کہا تو پھر ایک شہر میں دو فرمانروا کیسے رہ سکتے ہیں ؟ بہرام فوراً ہاتھ باندھ کر تعظیماً کھڑا ہوگیا۔ اسے احساس ہوگیا کہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ بادشاہ غصہ میں تھا۔ اس نے کہا بہرام اگر تمہاری پچھلی خدمات کا خیال نہ ہوتا اور اپنے قدیم نمک خوار کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تمہارے اس جرم کو کہ تم نے قانون اپنے ہاتھ میں لیکر میری اجازت کے بغیر ایک شخص کو سزا دی، ہرگز معاف نہ کرتا۔ سزا کے اختیارات خدائے تعالیٰ نے صرف ہمیں دیئے ہیں۔ تم کو نہیں آئندہ سے جب کبھی کسی زبردست سے کوئی خطا سرزد ہو تو پہلے اسے میرے علم میں لایا جائے تاکہ میں خود سزا کے بارے میں حکم صادر کروں۔ پرویز نے بہرام سے کہا کہ آئندہ وہ اسے معاف نہیں کرے گا۔ اس چیز کو ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ سب کچھ بہرام سے کہا گیا جو اس کی افواج کا کمانڈر تھا!



بارہواں باب

دربار خلافت سے سفراء کی روانگی

اشارات

دربار سلطنت سے متعدد کارندے اور نمائندگان حکومت اندرون ملک جاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہوتے ہیں جن کے ساتھ فرامین واحکامات ہوتے ہیں اور کچھ بغیر فرمان بھی جاتے ہیں۔ بغیر فرمان اور واضح اور معین مقاصد کے ساتھ سلطنت کے کارندوں کے بھیجنے میں بڑی قباحت پیدا ہوسکتی ہے لوگ من مانی کارروائیوں سے رعایا کو پریشان کرسکتے ہیں اور حکومت کے نام پر اس سے اپنی مرضی کے مطابق مال و دولت لے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے ذمہ محض دو سو دینار کی رقم واجب الادا ہے اور حکومت کا کارندہ دو سو کی جگہ پانچ سو وصول کرسکتا ہے۔ اس طرح لوگ مطلقاً قلاش اور نادار ہوسکتے ہیں چنانچہ

ہونا یہ چاہیئے کہ جب تک کوئی مہم درپیش نہ ہو حکومت کے کسی آدمی کو نہیں روانہ کرنا چاہیئے اور جب کبھی کوئی ہو جائے تو فرمانِ حکومت (حکومت کی باضابطہ تحریری ہدایات) کے ساتھ جاتے۔ کارندوں کو سخت تاکید ہونی چاہیئے کہ وہ رعایا سے صرف اتنی ہی رقم وصول کریں جتنی واجب الادا ہے ورنہ زیادہ وصول کی ہوئی رقم ان سے واپس لے لی جائے گی!

تیرھواں باب

اصلاحِ رعیت کے لئے مخبروں اور جاسوسوں کا تقرر

اشارات

یہ ضروری ہے کہ جاسوس ملک کے تمام گوشوں میں جاتے رہیں۔ یہ جاسوس اور خبر گیر (سرکار کی خفیہ پولیس کے ارکان) تاجروں، سیاحوں، صوفیوں، دوافروشوں اور درویشوں کے لباس میں ادھر اُدھر آجا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ جو کچھ بھی سُنیں۔ اُس کی دربار کو اطلاع دیں، تاکہ کوئی بات پوشیدہ نہ رہنے پائے اور حکومت کی نظر ہر چیز پر رہے اور اگر کوئی خرابی رونما ہو تو اُسی وقت اس کا تدارک کیا جائے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ والیانِ ریاست، شاہی کارندوں اور اُمراء نے علم بغاوت بلند کئے اور بادشاہ وقت کے جانی دشمن ہو گئے ادھر تو یہ ہوا اُدھر بادشاہ کا مخبر موقع پر پہنچا۔ بادشاہ کو آکر اطلاع دی اور بادشاہ اسی وقت بغاوت فرد کرنے کے خیال سے موقع واردات کی جانب چل پڑا اور دفعتاً وہاں پہنچ کر باغیوں پر حملہ کر دیا۔ اور اس صورت سے باغی بھی پکڑے گئے اور ان کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

خبر گیروں نے اس صورت میں بھی ملک کی اور بادشاہ کی خدمت کی ہے جب باہر کے کسی بادشاہ نے ملک کو تباہ کرنے کا قصد کیا ہے۔

حکایت

دیلمی اور دوسرے سلسلوں کے بادشاہوں میں عضد الدولہ سے بڑھ کر بیدار مغز، باریک بیں اور دور اندیش بادشاہ کوئی نہ تھا۔ یہ بادشاہ تعمیری کاموں میں دلچسپی لیتا اور بے حد عالی ہمت، عالم اور سیاست داں اور سیاست کار تھا۔ ایک دن عضد الدولہ کے مخبر نے اسے لکھ بھیجا کہ اسے جس مہم پہ بھیجا گیا تھا اس کے سلسلہ میں ایک ضمنی واقعہ پیش آگیا۔ یعنی جس وقت یہ مخبر شہر کے دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے کیا دیکھا کہ ایک نوجوان یوں ہی سرِ راہ کھڑا تھا۔ چہرہ اس کا زرد تھا اور گردن پر اس کے زخموں کے نشانات تھے مخبر کہتا ہے اس نوجوان نے مجھے دیکھا تو سلام کیا۔ میں نے جواب دیا اور اس کے بعد پوچھا کہ یہاں کیسے کھڑے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا۔ بس مجھے کسی ساتھی کی تلاش ہے کہ وہ مل جائے تو اس کے ساتھ کسی دوسرے شہر چلا جاؤں ایک ایسے شہر میں جہاں کا بادشاہ عادل اور منصف ہو اور قاضی بھی عدل پسند ہو۔ میں نے کہا: یہ کیا کہا تم نے! بادشاہ عضد الدولہ سے بڑھ کر عادل کون ہوگا اور ہمارے موجودہ قاضی صاحب سے بڑھ کر قاضی بھلا کون ہوگا۔ جوان بولا: اگر بادشاہ میں عدل کی صفت ہوتی تو وہ بیدار مغزی کا ثبوت دیتا۔ اور حکام سچائی کا راستہ اختیار کرتے۔ لیکن جب حاکم ہی غلط راستہ پر ہیں اور دھاندلی کرتے ہیں تو پھر بادشاہ کہاں کا منصف رہ گیا۔ میں نے سوال کیا بھلا تم نے بادشاہ کی غفلت شعاری اور حاکم کی بیدادگری کے کیا واقعات دیکھے؟ اس شخص نے کہا: میری داستان بڑی طویل ہے اور جبکہ میں اس شہر ہی سے نکل آیا تو اب اس داستان کا ذکر ہی کیا۔ میں نے کہا: مجھ سے تو نہیں کہنا ہی ہوگا۔ کہنے لگا۔ چلو تھوڑی دور یوں ہی چلتے ہیں۔ باتوں میں راستہ آسانی سے کٹ جائے گا۔ غرض ہم لوگ چل پڑے اور ایک جگہ راستہ میں کھڑے ہو گئے۔ نوجوان نے کہنا شروع کیا: تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ میں فلاں فلاں تاجر کا بیٹا ہوں۔ میرے والد کا مکان اس شہر کے فلاں فلاں محلہ میں ہے۔ سب انھیں جانتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ میرے والد دولت مند آدمی تھے۔ میرے والد کا جب انتقال ہو گیا تو چند سال تک تو میں عیش و عشرت اور میخواری میں مشغول رہا لیکن اس دورِ عشرت کے بعد ایسا بیمار پڑا کہ بس جان کے لالے پڑ گئے۔ میں نے اس بیماری میں اللہ سے یہ نذر مانگی تھی کہ اگر میں اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو پہلے حج کروں گا پھر جہاد پر چلا جاؤں گا۔ اپنے تمام لونڈی غلاموں کو الگ میں نے آزاد کر دیا۔ اور ان کی آپس میں شادیاں کرا دیں اور سبھی کو دولت اور زمین سے نواز دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا تمام سامان اور اسباب فروخت کر دیا اور پچاس ہزار دینار کی رقم اپنے پاس رکھ لی۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ جو دو سفر مجھے درپیش ہیں ان میں کافی خطرہ ہے لہٰذا مجھے ساری

کی ساری رقم اپنے ساتھ نہیں لے جانی چاہیئے چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تیس ہزار کی رقم اپنے ساتھ لے جاؤں اور بقیہ بیس ہزار چھوڑ جاؤں اب میں نے دو تانبے کے آفتابے خریدے اور ہر ایک میں دس، دس ہزار دینار رکھ کر ان کے منہ بند کر دیئے۔ یہ ہو چکا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اس رقم کو کسی کے پاس رکھا دینا چاہیئے۔ دل نے گواہی دی کہ قاضی القضاۃ اس امانت کے سب سے بہتر محافظ ثابت ہوں گے یہ عالم بھی ہیں اور محافظ قانون ہونے کی بنا پر وہ مسلمانوں کی جان اور مال کے امین بھی ہیں، میں نے سوچا قاضی القضاۃ کسی حال میں خیانت نہ کریں گے۔ قاضی القضاۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ قاضی نے قبول کر لیا۔ میں بے حد خوش ہوا۔ راتوں رات میں اُٹھا اور امانت ان کے سپرد کر دی۔ پہلے مکہ سے مدینہ پہنچا، وہاں سے دیار روم گیا۔ وہاں مجاہدوں کے زمرہ میں شامل ہو کر چند سال میں نے جہاد بھی کیا۔ ایک جنگ میں کفار نے مجھے پکڑ لیا اور میں چار سال تک قید و بند کی سختیاں جھیلتا رہا۔ خدا خدا کر کے قیصر روم نے اپنی بیماری میں تمام قیدیوں کو آزاد کیا۔ اور یوں میں نے بھی رہائی پائی۔ اب میں ملاحوں کے رحم و کرم پر تھا۔ ان کی ملازمت اختیار کرنے سے کسی حد تک اطمینان ہوا۔ لیکن اس عالم میں بھی میرے دل میں اس بات سے تقویت تھی کہ واپس ہونے پر بیس ہزار دینار کی رقم مجھے مل ہی جائے گی جو بغداد کے قاضی کے پاس میں نے امانت رکھائی ہے دس سال کی مصیبت اور غربت کے بعد خالی ہاتھ، اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ، رنجور اور بیمار اور مصائب کی زندگی سے یکسر فگار، قاضی کے پاس پہنچا۔ اور حاضر ہو کر سلام کیا۔ قاضی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ دو دن برابر اس کے پاس گیا لیکن مجھ سے کوئی بات نہ کی گئی۔ تیسرے دن میں پھر پہنچا اور قاضی کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اب بڑے ادب سے میں نے عرض کیا: میں فلاں شخص ہوں، فلاں شخص کا بیٹا، حج اور جہاد سے فارغ ہو چکا ہوں، بڑی مصیبتوں میں مبتلا رہا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ساتھ لے گیا تھا خرچ ہو چکا ہے۔ اور اب یہ عالم یہ ہے کہ میں کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا ہوں۔ میری امانت جو آپ کے پاس ہے اسے واپس فرما دیں۔ قاضی نے کچھ جواب نہ دیا حد یہ ہے کہ مجھ سے یہ بھی نہ کہا کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو یعنی مطلق طور پر خاموشی اختیار کی۔ اُٹھا اور اپنے خاص کمرہ میں چلا گیا۔ میں کہتا ہی کیا۔ میرا دل ٹوٹ گیا اور میں گھر واپس آ گیا۔ نہ پیسہ تھا نہ پہننے کو کپڑا تھا غیرت اور شرم سے نہ گھر بیٹھ سکتا تھا نہ باہر نکل سکتا تھا رات کو مسجد کے ایک گوشہ میں سو رہتا تھا اور دن میں دوسرے گوشہ میں دبکا پڑا رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ قاضی سے کئی بار میں نے یہ ساری باتیں کہیں۔ مگر اُس نے بالکل کوئی جواب نہ دیا۔ ساتویں دن میں نے سختی سے

تقاضا کیا۔اس پر قاضی نے کہا: تمہیں مالیخولیا ہوگیا ہے۔شاید سفر کی مصیبتوں نے تمہارا دماغ ماؤف کردیا ہے تم بکواس کررہے ہو۔میں تمہیں بالکل نہیں جانتا اور یہ جو تم کہتے ہو کہ تم نے کوئی امانت میرے سپرد کی تھی۔یہ سب بکواس ہے۔تم جس کا ذکر کرتے ہو وہ ایک خوب صورت اور خوش پوش نوجوان تھا۔میں نے کہا: قاضی صاحب وہ نوجوان میں ہی ہوں مصائب و آلام سے زار و نزار ہوں۔اسی وجہ سے میری صورت بگڑ گئی ہے۔اس پر قاضی نے کہا: چلو آگے بڑھو مجھے کیوں پریشان کرتے ہو۔چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے کہا یہ مت کرو اللہ سے ڈرو۔آخر اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا بھی تو ہے۔اور انسان کو اس کے اعمال کی سزا اور جزا بھی تو ملے گی۔چلو ان بیس ہزار دیناروں میں سے پانچ ہزار دینار تمہارے ہوئے۔قاضی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔اس پر بھی بات بنتی نظر نہ آئی تو میں نے کہا اچھا ان دو آفتابوں میں ایک تم لے لو اور ایک مجھے دیدو۔میں بے حد پریشان ہوں۔میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم مجھے ایک آفتابہ جس میں گویا دس ہزار دینار ہوں گے، دے دو گے تو میں اپنے باقی مطالبہ سے قطعاً دست بردار ہو جاؤں گا قاضی صاحب نے ارشاد فرمایا: کچھ دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا یہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس سے تو تمہاری دیوانگی ہی ظاہر ہو رہی ہے اور بس!میرا خیال ہے مجھے تمہیں پاگل خانہ بھجوانا پڑے گا۔یا شاید تمہیں تمام عمر کے لئے گرفتار کروا دینا پڑے۔میں ڈر گیا۔میں نے یہ محسوس کیا کہ قاضی نے طے کر لیا ہے کہ وہ مجھے کچھ نہ دے اور پھر ظاہر ہے اس کے احکامات کی فوراً تعمیل ہو گی دھیرے دھیرے میں اس کے پاس سے اٹھ آیا۔اور باہر آگیا۔میں نے اپنے دل میں کہا: لوگ کہتے ہیں گوشت خراب ہو جائے تو اس پر نمک چھڑکو مگر نمک ہی خراب ہو جائے تو کیا کیا جائے۔سارے فیصلے قاضی کے پاس لائے جاتے ہیں اب جب قاضی ہی بد دیانت ہو جائے تو کون مائی کا لال اس سے انصاف حاصل کر سکے گا۔آج عضدالدولہ منصف ہوتا تو قاضی میرے بیس ہزار دینار کیسے دبا بیٹھتا۔اور میں کیوں اس طرح بھوکا، لاچار اور مال و دولت اور شہر و وطن سے مایوس مارا مارا پھرتا۔اچھا بس اب چلا میں۔یعنی کہانی ختم ہوئی، شاہی مخبر کا دل جیسے بھر آیا وہ بولا: آزاد منش انسان مایوسی کے بعد ہی امید کی کرن پھوٹتی ہے۔اللہ پر بھروسہ رکھو اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں کا مددگار ہے۔اس کے بعد مخبر نے کہا۔اس دیہات میں میرا ایک دوست ہے۔بے حد آزاد طبیعت اور مہمان نواز میں اسی کے پاس جارہا ہوں۔میری اتنی سی بات مان لو کہ ہم ایک دن اور ایک رات اس دوست کے یہاں قیام کریں۔کل کا اللہ مالک ہے۔مخبر نوجوان کو اپنے دوست کے پاس لے گیا۔جو کچھ گھر

میں تھالایا گیا۔ ان لوگوں نے خوب کھایا پیا۔ اور پھر گھر کے اندر جاکر یہ لوگ سو رہے۔ مخبر نے واقعہ کی تمام تفصیلات لکھ کر ایک دیہاتی کو دیں اور اس سے کہا کہ عضد الدولہ کے محل تک جائے اور فلاں خادم کو بلوا کر یہ تحریر اس کے حوالہ کردے کہ فوراً اسے (اس تحریر کو) عضد الدولہ کے پاس پہنچادے۔ عضد الدولہ نے جوں ہی یہ تحریر پڑھی دانتوں تلے انگلی دبالی۔ اسی وقت اپنے ایک خاص آدمی کو بھیجکر مخبر کو حکم دیا کہ مظلوم نوجوان کو آج ہی رات کو میرے پاس حاضر کرو۔ مخبر کو جب یہ پیغام ملا تو اس نے اس شخص سے کہا چلو شہر چلیں تم کو اور مجھے عضد الدولہ نے طلب کیا ہے۔ یہ دیکھو خلیفہ کا قاصد آیا ہے۔ نوجوان بولا: خیریت تو ہے، مخبر بولا: خیریت ہی ہوگی تم راستہ میں جو کچھ مجھ سے کہہ رہے تھے اس کی اطلاع خلیفہ کو ہوگئی ہے، مجھے اُمید ہے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اور تم اس مصیبت سے نجات پا جاؤ گے۔ غرض مخبر اُٹھا اور نوجوان کو عضد الدولہ کے پاس لے گیا عضد الدولہ نے اسی وقت تخلیہ چاہا۔ تمام لوگ ہٹ گئے۔ نوجوان سے اس کے حالات پوچھے گئے اس نے اول سے آخر تک اپنا واقعہ دہرادیا۔ عضد الدولہ نے اس نوجوان سے کہا تم اپنا دل مت چھوٹا کرنا اب یہ کام میرا اپنا کام ہے۔ قاضی میرا گماشتہ ہے اور اس معاملہ میں سب کچھ مجھے کرنا ہے اللہ نے مجھے اسی لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اس لئے کہ میں قوم کی پاسبانی کروں اور کسی پر ظلم نہ ہونے دوں کسی شخص کو ظلم کی اجازت نہ دوں اور قاضی کو تو کسی صورت بھی ظلم نہیں کرنے دیا جا سکتا اس لئے کہ میں نے قاضی کو مسلمانوں کی مال و دولت کا امین مقرر کردیا ہے اور اسے معقول معاوضہ خدمت ادا کرتا ہوں۔ اس معاوضہ اور مشاہرہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ قاضی حق اور سچائی کے ساتھ مسلمانوں کے کام کرے اور شرع کے احکامات میں رورعایت نہ کرے اور رشوت نہ لے اب اگر خاص دار الخلافہ بغداد میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور یہ ایک معمر اور عالم قسم کے شخص سے سرزد ہو سکتا ہے نوجوان عمر اور جاہ طلب قسم کے قاضی تو جانے کیا کیا کرتے ہوں گے۔ شروع شروع میں یہ قاضی (جس نے آج یہ ظلم کیا ہے) غریب اور بیوی بچوں والا آدمی تھا۔ لیکن اب تو اس کی تنخواہ اتنی ہے کہ اس کے لئے کافی ہو جاتی ہوگی۔ اب صورت یہ ہے کہ اس قاضی کے پاس بغداد اور بغداد کے اطراف میں لاتعداد زمینیں، باغات، چمن، مکانات اور دوسری جائدادیں ہیں۔ ظاہر ہے یہ سارا ساز و سامان محض اس تنخواہ کے بل بوتہ پر نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ بات ہوگی کہ قاضی نے قوم کا روپیہ کھایا ہے اس کے بعد عضد الدولہ نے اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہا: جب تک تجھے تیرا حق نہ دلادوں گا مجھے چین نہیں آئے گا۔ تم مجھ سے خرچ لو اور اصفہان جاکر فلاں فلاں شخص کے پاس ٹھہر جاؤ۔ ہم لکھے دیتے

ہیں)، یہ آدمی تم کو آرام سے رکھے گا۔ تم وہاں (اصفہان میں) اس وقت تک ٹھہرے رہنا جب تک تمہیں طلب نہ کروں، دو سو دینار اور پانچ جوڑے کپڑے اس آدمی کو دے دیئے گئے اور راتوں رات اس نوجوان کو اصفہان بھیجدیا گیا۔ اب عضدالدولہ تھا اور اس کے انکار! تمام رات عضدالدولہ سوچتا رہا کہ کہ اس مسئلہ میں کیا کرے؟ بادشاہ نے سوچا: اگر میں اپنا شاہی اقتدار کام میں لاتا ہوں اور قوت استعمال کرتا ہوں تو قاضی اپنے جرم کا اعتراف نہیں کرتا اور اپنی بددیانتی کا معترف نہیں ہوتا۔ اور اس طرح یہ رقم کھٹائی میں پڑجاتی ہے۔ اور لوگ الٹے مجھ سے شکوہ سنج ہوجائیں گے کہ عضدالدولہ نے بڈھے کو (مراد سن رسیدہ اور عالم قاضی کو) ناحق ستایا اور مال کی لالچ میں یہ بدنامی مول لی۔ مجھے اس سلسلہ میں کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیئے کہ قاضی کی خیانت اور بددیانتی ظاہر ہوجائے اور اس آدمی کو اپنا مال واپس مل جائے اس بات پر دو ماہ گذر گئے۔ قاضی کے سامنے مال کے مالک کا آنا بالکل نہ ہوا۔ قاضی نے اپنے دل میں کہا۔ میرے پاس بیس ہزار دینار تو آہی چکے ہیں لیکن سال بھر اور صبر کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس اثناء میں میں اس شخص کی موت کی خبر بھی سن لوں۔ کم از کم میں نے جس شکل میں اسے دیکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی زیادہ نہیں جئے گا۔ اس بات پر بھی دو ماہ بیت گئے۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا گرمی بے حد پڑرہی تھی، عضدالدولہ نے اپنا آدمی بھیجکر قاضی کو بلوا بھیجا اور اس سے تنہائی میں کہا: قاضی صاحب آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو کس لئے تکلیف دی ہے۔ قاضی نے کہا: یہ تو بادشاہ ہی کو معلوم ہوگا۔ بادشاہ بولا: مجھے تھوڑی سی عاقبت اندیشی کا خیال آچکا ہے۔ مجھے آئندہ کی فکر ہے۔ اس فکر نے میری راتوں کی نیند اڑادی ہے میں سوچتا ہوں اس دنیا اور بادشاہی اور جہاں داری کا کچھ بھروسہ نہیں زندگی کا بھی مطلق کوئی سہارا نہیں۔ اب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو کوئی عالی حوصلہ اور طالب سلطنت کسی گوشہ سے اٹھ کر سلطنت ہم سے چھین لے گا جیسے کہ ہم نے دوسروں سے چھینی ہے۔ اور قاضی تمہیں دیکھو میں نے کیا کیا دکھ جھیلے ہیں جب آج یوں مسند شاہی سے ٹیٹھ لگا کے بیٹھ سکا ہوں۔ اور یا پھر مجھے داعی اجل کو لبیک کہنا ہوگا۔ اور ہم ناکام و نامراد اس دنیا سے اٹھ جائیں گے مرنے سے کسے مفر ہے کہ مجھے ہوگا۔ رہی یہ میری بقیہ عمر تو اگر ہم نیک رہیں گے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کریں گے، لوگوں کو خوش رکھیں گے تو ہمارا ذکر اچھائی کے ساتھ ہوگا اور قیامت کے دن ہم نجات حاصل کرسکیں گے۔ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اگر ہم برے رہتے ہیں،

مخلوق خدا سے برائی کرتے ہیں تو قیامت تک ہمارا ذکر برائی کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بھی ہمارا ذکر کرے گا بیزاری سے کرے گا۔ اور قیامت کے دن ہم سے مواخذہ ہوگا، باز پرس ہوگی اور ہماری جگہ دوزخ ہوگی تو جس قدر ممکن ہو ہمیں اچھے کاموں کو انجام دینا چاہیئے اور مخلوق خدا کے معاملہ میں انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن میں جو تم سے یہ سب کہہ رہا ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے محل میں چند عورتیں اور بچے میرے زیر تربیت ہیں۔ بچوں کا معاملہ تو خیر ایسا نازک نہیں ہوتا۔ ان کا انداز تو وہی مرغان ہوا کا سا ہوتا ہے یہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جا سکتے ہیں۔ مگر پردہ دار خواتین کا حال بدتر ہوتا ہے۔ یہ بالکل بے یار و مددگار اور بے کس ہوتی ہیں۔ آج میری زندگی ہے تو میں ان خواتین کا خیال رکھ سکتا ہوں۔ کل میری موت واقع ہو جائے گی یا حکومت پر زوال آ جائے گا تو میں کیا کر سکوں گا۔ ابھی تو میں ان کے لئے کچھ کر بھی سکتا ہوں۔ غور کرتا ہوں تو تمام مملکت میں تم سے زیادہ پارسا اور متقی اور پرہیزگار مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ تم میں نہ مال و زر کا لالچ ہے اور نہ تم بد دیانت ہو۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں بیس لاکھ دینار زر (طلائی سکہ) اور جواہر وغیرہ امانتہً تمہارے پاس رکھوا دوں اور اس طرح کہ تم جانو اور میں اور خدائے تعالیٰ اور بس، کوئی دوسرا نہ جانے۔ فرض کرو کل مجھ پر کوئی وقت آن پڑے اور میرے ان متعلقین کا عالم یہ ہو جائے کہ یہ نان شبینہ کو محتاج ہو جائیں تو تم بالا بالا انھیں طلب کرو اور یہ مال جو میں تمہارے پاس رکھوا رہا ہوں اسے ان میں بانٹ دو ان میں سے ہر عورت کی کسی نہ کسی شخص سے شادی کر دو تاکہ ان کی حرمت اور آبرو ضائع نہ جائے۔ اور انھیں مخلوق کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اب اس کام کی صورت یہ ہوگی، تم اپنے مکان کے بالکل اندر کے کمروں میں ایک پختہ اور ہوا کا مضبوط اور محکم تہ خانہ تعمیر کروا لو۔ اور جب اس کی تعمیر مکمل ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ میں حکم دے دوں گا کہ بیس ایسے خونی مجرموں کے ذریعہ جن کا سولی پر چڑھایا جانا قانوناً تسلیم ہو چکا ہے سارا مال تمہارے مکان میں لے آئیں ان لوگوں کو یہ ہدایت ہونی چاہیئے کہ زر و جواہر کے انبار تہ خانہ اور زیر زمین رکھ دیں اور پھر محراب کا دروازہ بند کر دیں۔ اس کے بعد یہ سب لوگ باہر نکل آئیں گے اور میرے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے اور یہ راز طشت از بام نہ ہونے پائے گا۔ قاضی نے کہا بادشاہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ہر ممکن خدمت کے لئے تیار ہوں، اس کے بعد بادشاہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ وہ آہستہ سے خزانہ شاہی سے دو سو دینار ایک کیسہ یعنی (تھیلے) میں رکھ لائے۔ بادشاہ نے خادم کے آنے کے بعد یہ کیسہ قاضی کی طرف بڑھا دیا اور کہا کہ یہ رقم تہ خانہ کی تعمیر کے لئے ہے اور اگر مزید ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے بھی حکم صادر کر دوں گا۔ قاضی نے کہا حضور اس

کی کیا ضرورت تھی یہ رقم میں خود صرف کر دیتا، عضد الدولہ نے جواب دیا نہیں یہ بے انصافی ہوگی کہ میرے کام میں تمہاری دولت صرف ہو۔ تمہاری رقم تمہاری ضروریات کے لئے ہے ان سب کاموں کے لئے نہیں ہے۔ اب کوشش کرو کہ جس معاملہ میں تم پر بھروسہ کیا جارہا ہے اس کو پورے طور پر انجام دو۔ ایسا کر سکو گے تو گویا بڑی خدمت انجام دو گے۔ قاضی نے کہا: بادشاہ کا ارشاد بجا اور درست ہے۔ وہ سو دینار رکھ لئے اور باہر آگیا۔ قاضی! اپنے دل میں کہنے لگا خوش تقدیری نے کیا خوب اس بڑھاپے میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میرا گھر تو اب سونے سے بھر جائے گا۔ بادشاہ مر مرا گیا تو کس کے پاس دستاویز یا ثبوت ہے کہ مجھ سے یہ سب دولت واپس لے سکے۔ یہ تمام دولت پھر یا تو میرے تصرف میں رہے گی یا میری اولاد کے تصرف میں۔ وہ شخص جوان دو آفتابوں کا (یہاں آفتابوں سے مراد دو نگیں بھی ہو سکتی ہیں)، مالک ہے ابھی زندہ ہے تو بھی مجھ سے اپنی رقم نہیں لے سکتا بادشاہ جب مر جائے گا تو بھلا کون مجھ سے یہ دولت چھین سکے گا۔ قاضی اپنے مکان پر پہنچا اور جلد از جلد تہ خانہ کی محراب تعمیر کرالی۔ ایک مہینہ میں عمارت کھڑی ہوگئی۔ کافی مضبوط عمارت! اب قاضی، عضد الدولہ کے پاس پہنچا۔ عشاء کی نماز کے وقت! عضد الدولہ نے قاضی کو خلوت میں طلب کر کے پوچھا کہ وہ اس وقت رات گئے کس ضرورت سے آیا، قاضی نے کہا: میں چاہتا ہوں بادشاہ کو یہ اطلاع دوں کہ تہ خانہ تیار ہو چکا ہے، عضد الدولہ نے کہا: بہت خوب، بہت خوب، میں تو جانتا ہی تھا کہ تم ہر کام میں جسے کرنے پر آتے ہو دلچسپی لیتے ہو۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ میں جیسا سوچتا تھا ویسا ہی ہوا۔ اب میں اس معاملہ میں مطمئن ہو چکا ہوں جیسا کہ میں نے تم سے کہا تھا میں پندرہ لاکھ دینار گنوا چکا ہوں۔ پانچ لاکھ دینار ابھی آنے باقی ہیں۔ ساتھ ہی میں نے یہ کیا ہے کہ متعدد پارچہ جات، عود اور عنبر اور مشک اور کافور وغیرہ اس رقم کے معاوضہ میں رکھوانا طے کیا ہے۔ ان اشیاء کا کاروبار کرنے والے وقتاً فوقتاً آتے جائیں گے اور سامان فروخت کرتے جائیں گے۔ اس ہفتہ کے آخر تک یہ (پانچ لاکھ دینار کے مساوی)، خریداری مکمل ہو جائے گی۔ اس کے بعد تمہارے یہاں محفوظ رکھوانے کے لئے یہ تمام کا تمام نقد اور اسباب ایک ساتھ تمہارے پاس بھجوا دیا جائے گا۔ میں کل رات تمہارے یہاں تہ خانہ کی عمارت دیکھنے آؤں گا! چونکہ میں فوراً ہی لوٹ آنے کا ارادہ رکھتا ہوں لہٰذا کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی کو یہ کہکر بادشاہ نے روانہ کر دیا لیکن اسی وقت اپنا ایک قاصد اصفہان بھیجا کہ قاضی کے یہاں محفوظ رقم کا اصل مالک آجائے۔ دوسرے دن بادشاہ قاضی کے مکان پر پہنچا۔ تہ خانہ کو دیکھ کر اسے پسند کیا اور قاضی سے کہا: منگل کے دن میرے محل آجانا تاکہ جو کچھ موجود ہے اس کا جائزہ لے سکو۔ قاضی

نے کہا: میں خادم ہوں۔ قاضی کے مکان سے آنے کے بعد بادشاہ نے اپنے افسر خزانہ کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس زرپی آفتابے خزانہ میں رکھ دے اور ان کے سامنے تین عدد موتیوں سے بھرے ہوئے قرابے اور صندوق اور ساتھ ہی سرخ رنگ کے یاقوت، لعل اور فیروزہ کے جام رکھ دیئے جائیں۔ خزانہ دار اس کام سے فارغ ہوا۔ منگل کا دن آپہنچا۔ عضدالدولہ نے قاضی کو بلایا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اس کمرہ میں لے گیا جہاں یہ تمام مال رکھوایا گیا تھا۔ قاضی نے وہ سب مال دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بادشاہ نے فرمایا: اسی ہفتہ کسی دن آدھی رات کو میں تم سے کہلوا بھیجوں گا کہ یہ سارا مال منگوا لو۔ منتظر رہنا۔ قاضی اپنے گھر چلا گیا خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ عجب اتفاق کہ دو آفتابوں کا مالک دوسرے ہی دن اصفہان سے وارد ہو گیا۔ عضدالدولہ نے فرمایا: فوراً قاضی کے پاس جاؤ اور کہو میں نے ایک زمانہ تک صبر کیا ہے اور آپ کی حرمت کا خیال رکھا ہے۔ لیکن اب میرے برداشت سے ہر چیز باہر ہو چکی ہے۔ اس شہر میں ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ میرے مرحوم والد کے پاس کیا کچھ دولت تھی اور شاید ہر شخص میری بات کی تصدیق بھی کرے گا۔ میرا پیسہ مجھے دے دو گے تو خیر ورنہ میں اسی وقت عضدالدولہ کے سامنے پیش ہوا جاتا ہوں اور تمہارے خلاف فریاد کرتا ہوں: پھر ظاہر ہے تمہاری بے عزتی ہوگی۔ ایسی کہ ایک دنیا اس سے عبرت حاصل کرے گی؟ اگر تمہیں تمہاری رقم مل جائے تو اچھا ہے ورنہ جو صورت پیش آئے مجھے اطلاع دینا۔ یہ آدمی قاضی کے پاس پہنچا۔ اس کے بالکل قریب جا بیٹھا اور اس سے ویسے ہی کہا۔ اب قاضی نے کہا: اس موقع پر یہ شخص میری شکایت کرتا ہے اور عضدالدولہ کے پاس پہنچ جاتا ہے اور میری شخصیت کو مشتبہ اور مشکوک قرار دے دیتا ہے تو ممکن ہے عضدالدولہ امانت کا مال میرے گھر نہ بھیجے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کم بخت کا مال واپس دے دوں۔ آخر اس مال سے ڈیڑھ سو آفتابہ زر اور بے شمار جواہر تو بہرحال زیادہ ہیں۔ قاضی نے اب بیٹا، ابدلا ارے میں تو تمہیں مدت سے ڈھونڈھ رہا ہوں قاضی اٹھا اور ایک کوٹھری میں گیا۔ آدمی کو وہاں بلایا۔ گلے سے لگایا اور کہا: تو میرا دوست ہے۔ میرے بیٹے کی جگہ ہے۔ میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ محض احتیاط کے طور پر کیا ہے۔ میں نے اس دن سے آج تک تمہاری راہ دیکھی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج تمہیں دوبارہ دیکھ رہا ہوں اور اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ تمہارا مال جوں کا توں ہے۔ اس کے بعد قاضی اٹھا اور دونوں آفتابے آدمی کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اور کہا: یہ رہی تمہاری دولت۔ اسے لو اور جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ یہ شخص دو مزدوروں کے سر پر اپنے آفتابے رکھوا کر عضدالدولہ کے محل پہنچا۔ عضدالدولہ

نے زر کے آفتابے دیکھے تو ہنس پڑا۔ اور کہا الحمدللہ کہ تم کو تمہارا حق مل گیا اور قاضی کی بددیانتی بھی ثابت ہوگئی تمہیں کچھ خبر ہے ہیں نے کیا کیا ترکیبیں کی ہیں جب تم کو تمہاری رقم ملی ہے۔ عمائدین سلطنت نے پوچھا حضور کیسے ملی؟ عضدالدولہ نے سارا قصہ کہہ سنایا سب نے حیرت کا اظہار کیا، سب کو تعجب ہوا۔ اب حاجب بزرگ کو حکم ہوا کہ وہ جا کر قاضی کی دستار اُتار لے اور اُسے برہنہ پا کر دے اور اس کی دستار اس کی گردن میں قلادہ کی مانند ڈال دے اور اسی حالت میں اُسے لے آئے۔ حاجب گیا اور عضدالدولہ کے حکم کے مطابق (قاضی کو) دربار میں لے آیا۔ قاضی جب آیا تو اس نے اپنے قرض خواہ کو بھی کھڑا پایا فوراً سمجھ گیا کہ ان تمام مذاکرات کا اصل مقصد دو آفتابہ زر کی واپسی تھی۔ دل میں قاضی نے کہا: افسوس کہ میں تباہ ہوا عضدالدولہ نے قاضی سے کہا۔ اے قاضی تو بوڑھا بھی ہے، عالم بھی ہے، حاکم بھی ہے اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے تو خیانت کرتا ہے اور امانت کا مال کھا جاتا ہے، جب تیرا یہ حال ہے تو دوسروں سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے تیری تمام دولت اور تیرا سارا ساز و سامان سب قوم کا ہے۔ اس خیانت کی آخرت میں تجھ کو سزا ملے گی۔ اب چونکہ تو معمر بھی ہے اور عالم بھی۔ میں تیری جان بخشی کرتا ہوں۔ لیکن تیری یہ تمام دولت اور تیرا سب مال حکومت کے خزانہ میں چلے جائیں گے۔ قاضی سے اس کی تمام دولت چھین لی گئی۔ اس واقعہ کے بعد قاضی کو کوئی دوسرا عہدہ کبھی نہ سونپا گیا۔ زر کے وہ دو آفتابے اس کے اصل مالک کے تصرف میں پہنچا دئے گئے تھے۔

حکایت

اسی قسم کا واقعہ سلطان محمود، ابن سبکتگین کو بھی پیش آیا تھا (مروج الذہب میں مسعودی نے اس حکایت کو معتضد عباسی سے منسوب کیا ہے، مترجم) ایک شخص آیا اور اس نے سلطان کو عرضی دی۔ عرضی میں یہ شکایت تھی کہ میں نے دو ہزار دینار ایک کیسہ میں بند کر کے قاضی شہر کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دئے تھے۔ اس کے بعد میں سفر پر روانہ ہوگیا۔ جو کچھ اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ ہندوستان کے راستہ میں چوروں اور ڈاکوؤں نے مجھ سے چھین لیا۔ چنانچہ واپس آکر میں نے قاضی سے اپنی امانت لے لی۔ گھر پہنچ کر جب میں نے کیسہ کا منہ کھولا تو اس میں مجھے تانبے کے درم نظر آئے، سونے کے دینار نہیں! فوراً میں قاضی کے پاس گیا اور کہا: قاضی صاحب میں نے تو طلائی سکے آپ کے سپرد کئے تھے اب دیکھتا ہوں تو کیسہ میں تانبے کے درم ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر؟ قاضی نے کہا: تم نے امانت دیتے وقت کیسہ کھول کر مجھے دکھایا تھا؟ تم کیسہ کا منہ بند کر کے اور اس پر

مہر لگا کر میرے پاس لائے تھے۔ اس کے بعد میں نے تمہیں یہ کیسہ جوں کا توں واپس کر دیا اور واپس کرتے وقت میں نے پوچھا تھا کہ یہ تمہارا ہی ہے، تم نے کہا تھا۔ ہاں میرا ہی ہے۔ اور اب آئے ہو مجھے الزام لگانے! میں نے عرض کیا: سرکار خدارا میری فریاد سن لیجئے میں اب روٹیوں کا محتاج ہو چکا ہوں، بادشاہ نے یہ سارا قصہ سنا، تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ کہنے لگا، تم مطمئن رہو۔ تمہارے مال کی واپسی کی تدبیر اب مجھے کرنی ہوگی۔ تم بس وہ کیسہ میرے پاس لے آنا، عرض گزار نے کیسہ لاکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ محمود نے کیسہ کو چاروں طرف سے الٹ پلٹ کر دیکھا کسی جگہ بھی اسے کوئی ایسا نشان نظر نہ آیا جس سے معلوم ہوتا کہ کیسہ کو پھاڑا گیا تھا۔ محمود نے ایک دن دوپہر کو جب وہ کھانے کے بعد آرام کر رہا تھا کیسہ کو اپنے سامنے رکھا۔ ہاں ایک بات رہی جاتی ہے محمود نے عرضی گزار سے کہا کہ جب تک تمہارا معاملہ زیر انصاف ہے تم میرے سرکاری وکیل سے ہر ماہ ایک دینار لیتے رہو اور ہر روز تمہیں تین سیر روٹی اور ایک سیر گوشت غذا کے لئے ملتے رہیں گے۔ محمود نے اس معاملہ پر غور کیا اور سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو سکتا ہے آخر محمود اس نتیجہ پر پہنچا کہ ممکن ہے اس کیسہ کو کھولا گیا ہو۔ اس میں شگاف کیا گیا ہو۔ طلائی سکے اس میں سے نکال لئے گئے ہوں اور پھر شگاف میں رفو کر دیا گیا ہو۔ محمود کے پاس ایک انتہائی نفیس زرکار غلاف تھا جو اس کی مسند پر ڈالا جاتا تھا۔ ایک دن محمود آدھی رات کو اٹھا ایک خنجر لیا اور اس غلاف سے چند گز کا ٹکڑا کاٹ لیا اس کے بعد اپنی جگہ پلٹ آیا، دوسرے دن صبح ہی صبح بادشاہ شکار پر نکل گیا اور تین دن شکار کھیلتا رہا۔ بادشاہ کے ملازم خاص اور فراش خاص نے جو بادشاہ کی خدمت پر مامور تھا جس وقت صبح صبح مسند شاہی وغیرہ کو صاف کرنے کا ارادہ کیا اور اس نے غلاف کو پھٹا ہوا پایا تو یہ دیکھ کر سہم گیا۔ اتفاق سے فراش خانہ میں ایک تجربہ کار فراش بھی رہتا تھا۔ یہ اس کے پاس گیا بڈھے نے جو اسے دیکھا تو پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے۔ یہ کیا حالت ہے۔ فراش شاہی نے کہا: میں تو بتا نہیں سکتا، بڈھے نے کہا: گھبراؤ مت، مجھ سے کہو تو سہی، فراش بولا: ایسا معلوم ہوتا ہے کسی کو مجھ سے عداوت تھی۔ میری مخالفت میں وہ ایوان خاص اور بادشاہ کے خصوصی کمرہ میں پہنچا اور بادشاہ کی مسند کے غلاف کو ایک گز کے اندازہ سے پھاڑ دیا۔ بادشاہ اسے دیکھ لے گا تو میرے قتل کا حکم دیدے گا۔ بڈھے فراش نے پوچھا: تمہارے سوا کسی اور نے تو نہیں دیکھا۔ فراش خاص بولا نہیں: بڈھے نے کہا: اگر ایسا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں مجھے اس کی تدبیر معلوم ہے اور میں تمہیں یہ ترکیب بتا بھی دوں گا۔ لو سنو: بادشاہ شکار پہ گیا ہوا ہے اس شہر میں ادھیڑ عمر کا ایک رفوگر ہے۔ فلاں فلاں جگہ اس کی دوکان ہے۔ نام اس کا احمد ہے۔ رفوگری میں

اس کا کوئی مقابل نہیں۔ اس شہر کے سارے رفوگر اسی کے شاگرد ہیں۔ اس غلاف کو تو اسی رفوگر کے پاس لیجاؤ اور وہ جو اُجرت بھی مانگے اسے دے دینا۔ وہ رفو یوں کر دے گا کہ اس فن کا بڑے سے بڑا اُستاد بھی یہ نہ بتا سکے گا کہ رفو کہاں ہوا ہے۔ فراش نے فوراً ہی غلاف اُٹھایا اور احمد رفوگر کی دوکان کی طرف چل پڑا۔ اور اس سے کہا: اُستاد بولو کیا لوگے؟ اس غلاف کو تم اس طرح رفو کر دو کہ کسی کو رفو کا گمان بھی نہ ہو، بڈھے نے کہا: نصف دینار لوں گا؟ فراش نے کہا: نصف کی جگہ تم ایک پورا دینار لو لیکن اس کام میں اپنی پوری پوری اُستادی صرف کر دو۔ بڈھا رفوگر بولا: شکریہ بہت بہت۔ گھبرانا مت کل ظہر کے وقت اپنا غلاف لے جانا، فراش نے رفوگر کو ایک دینار دیا اور جلد کام ختم کرنے کی ہدایت کر دی۔ دوسرے دن وعدہ کے مطابق رفوگر نے غلاف فراش کے سامنے رکھ دیا تھا۔ لیکن کمال یہ ہوا تھا کہ غلاف کو دیکھ کر کسی کو یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ اس میں رفو کیا گیا ہے ؎

دلِ شکستہ درآن کوئی می کنند درست   چناں کہ خود نشناسم کہ از کجا بشکست!

فراش خوش خوش گھر لوٹ آیا۔ اور حسبِ معمول غلاف کے زرکار اور زرتار کپڑے کو اس کی جگہ پر ڈال دیا۔ سلطان محمود غزنوی شکار سے واپس آیا۔ دوپہر میں بادشاہ اپنے خاص کمرہ میں گیا کہ کچھ دیر آرام کرے۔ مگر یہ کیا! غلاف تو جوں کا توں تھا، ویسا ہی جیسا کہ پہلے تھا۔ فوراً حکم دیا کہ فراش کو بلواؤ۔ فراش جو آیا تو بادشاہ نے کہا: یہ غلاف پھٹ گیا تھا اسے کس نے ٹھیک کیا۔ فراش نے کہا: میرے مالک یہ تو کبھی نہیں پھٹا تھا لوگ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: احمق مت ڈر میں نے اس کپڑے کو پھاڑا تھا۔ اس سے میرا ایک مقصد تھا۔ اب یہ بتا کہ اس کپڑے کو کس نے رفو کیا ہے کہ رفو معلوم نہیں ہوتا۔ فراش نے کہا: حضور اسے فلاں رفوگر نے رفو کیا ہے میں نے جب غلاف دیکھا تو میں بے حد ڈرا۔ ایک فراش نے مجھے بتایا کہ فلاں فلاں رفوگر کے پاس چلا جاؤں۔ حکم شاہی ہوا کہ رفوگر کو فوراً لایا جائے۔ اور اس سے کہا جائے کہ بادشاہ اسے طلب کر رہا ہے۔ اور جب وہ آئے تو اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ بیچارہ رفوگر غزنی کے بادشاہ کے روبرو کھڑا تھا اور اس پر خوف طاری تھا۔ بادشاہ نے کہا: تو ڈر مت۔ یہ رفو تو نے کیا ہے؟ رفوگر نے اثبات میں جواب دیا تو بادشاہ بولا: اس کام میں تو نے کمال کا ثبوت دیا ہے۔

رفوگر: ہاں حضور اچھا کام ہو گیا، جہاں پناہ کا اقبال سلامت رہے۔

سلطان: اس شہر میں تم سے زیادہ بھی رفوگری کے فن میں کوئی اُستاد اور با کمال ہے؟

رفوگر: نہیں

سلطان: میں تم سے جو بات پوچھوں مجھے اس کا صحیح جواب دو گے؟

رفوگر: بادشاہ سے سچ بات کے سوا اور بات ہی کیا کہی جا سکتی ہے۔

سلطان: یہ بتاؤ اس ایک سال کی مدت میں تم نے کوئی دیبائی کیسہ رفو کیا ہے۔ کسی بڑے آدمی کے مکان میں،

رفوگر: ہاں رفو کیا ہے،

سلطان: کہاں،

رفوگر: قاضی شہر کے مکان میں اور مجھے دو دینار اُجرت بھی ملی ہے،

سلطان: تمہیں کیسہ دکھایا جائے تو پہچان لوگے

رفوگر: جہاں پناہ، کیوں نہیں،

اب سلطان نے کیسہ کو نکالا اور اسے رفوگر کو دیتے ہوئے پوچھا یہی کیسہ ہے۔

رفوگر: یہی کیسہ ہے،

سلطان: اس میں تم نے رفو کہاں پر کیا ہے؟

رفوگر: رفو کی جگہ پر انگلی رکھتے ہوئے، یہاں پہ

سلطان: نہایت تعجب سے دیکھتا ہے اور رفوگری کے کمال سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھتا ہے۔ موقع آنے پر قاضی کے سامنے گواہی دے سکو گے۔

رفوگر: کیوں نہیں۔ ضرور گواہی دوں گا۔

قاضی کو بلوانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا۔ کیسہ کے اصل مالک کو بھی بلوا لیا گیا۔ قاضی آیا تو اس نے سلام کیا اور با ادب بادشاہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ محمود نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم بوڑھے بھی ہو اور عالم بھی ہو اور میں نے اس شہر کی عدلیہ تمہارے سپرد کر رکھی ہے۔ میں نے تم پر اعتماد کیا ہے ورنہ اس شہر اور اس ملک میں دو ہزار آدمی ہوں گے کہ تم سے علم میں زیادہ ہوں گے لیکن سب بے روزگار ہیں اور یہ عہدہ جلیلہ تم کو ملا ہے۔ اب کیا یہ مناسب ہو گا کہ تم بد دیانتی کرو، امانت کی شرائط پوری نہ کرو اور مسلمانوں کا مال کھا جاؤ۔ اور ایک مسلمان کی دولت قبضہ میں کر کے اسے محروم کر دو۔ یہ سُنکر قاضی نے کہا: بادشاہ سلامت یہ کیا ارشاد فرما رہے ہیں۔ اب محمود کو جلال آگیا۔ اس نے غضبناک ہو کر کہا: میں جو کچھ

کہہ رہا ہوں اے بے ایمان، کتے، یہ تیرے ہی کرتوت ہیں۔ اس کے بعد اسے کیسہ دکھاتے ہوئے، بادشاہ نے کہا کہ وہ کیسہ ہے جسے امانت کے طور پر تیرے پاس رکھوایا گیا تھا۔ تو نے اس میں شگاف کیا اور طلائی سکے باہر نکال کر اس میں تانبے کے سکے رکھ دیئے اور پھر کیسہ کو رفو کروالیا۔ پھر واپس کرتے وقت تو نے کیسہ کو منہ بند اور مہر زدہ اس کے مالک کو بظاہر جوں کا توں واپس کر دیا۔ یہ ہے تیرا کام، یہ ہے تیرا کردار اور یہ ہے تیری ایمانداری، قاضی بولا: میں نے نہ تو اس کیسہ کو دیکھا ہے اور نہ یہ جو کچھ کہا جارہا ہے۔ اس کی مجھے خبر ہے۔ محمود نے کیسہ کے مالک اور رفوگر دونوں کو بلوا لیا۔ اور کہا: اے جھوٹ بولنے والے، یہ رہا دیناروں کا اصل مالک اور یہ رہا وہ رفوگر جس نے کیسہ پر رفو کیا تھا!

قاضی نادم ہوا اور خوف سے کانپنے لگا۔ ایسا کہ اس کی زبان سے کوئی بات نہ ادا ہو سکتی تھی۔ محمود نے حکم دیا کہ قاضی کو پکڑ لیا جائے اور اس سے زر کے اصل مالک کو، جو کیسہ لایا تھا، اس کا زر دلوایا جائے قاضی کو فوراً بادشاہ کے حضور سے ہٹا دیا گیا اور بالکل نیم جان حالت میں اسے دیوان خانہ لایا گیا۔ وہاں اس سے زر کا مطالبہ کیا گیا۔ قاضی نے اپنے وکیل اور مہتمم کو بلا بھیجا اسے قاضی نے پتہ دے دیا، وکیل واپس ہو گیا اور قاضی کے مکان سے دو ہزار نیشاپوری دینار لے آیا۔ سارے دینار کھرے تھے۔ اس رقم کو اصل مالک کے حوالہ کر دیا گیا دوسرے دن محمود دادگاہ اور دیوان عام میں بیٹھا تو اس نے قاضی کی بے ایمانی کے بارے میں کھلم کھلا بات کی۔ اس کے بعد محمود نے بھرے دربار میں قاضی کو بلوا بھیجا اور اسے اُلٹا لٹکوا دیا۔ قاضی صاحب آستانہ عالی کے ایک کنگورے سے الٹے لٹکے ہوئے ہیں، عمائدین سلطنت نے سفارش کی کہ قاضی بوڑھا ہے اور عالم بھی ہے اسے اس سزا سے معاف کر دیا جائے۔ پچاس ہزار دینار دے کر قاضی نے اپنی جان چھڑائی۔ یہ رقم قاضی سے سرکاری عاملوں نے وصول کرلی اور قاضی کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔ اس قسم کی حکایتیں بہت ہیں۔

یہ چند حکایتیں اس لئے بیان ہوئی ہیں کہ خداوند جہان (مراد بادشاہ، ملکشاہ) کو اس کا احساس ہو جائے کہ بادشاہوں اور سلاطین نے عدل اور انصاف کے معاملہ میں کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ کیا کیا تدبیریں کی ہیں۔ اور کس کس طرح دنیا سے مفسدوں اور شرپسندوں کا قلع قمع کیا ہے۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ بادشاہوں نے بڑی بڑی فوجوں اور طاقتور لشکروں کے مقابلہ میں پختہ عزم اور ارادہ سے کامیابی حاصل کی ہے۔ خدا کا شکر ہے بادشاہ کے پاس طاقتور لشکر بھی ہے اور عقل کامل بھی۔ اس باب کو جاسوسوں اور

بادشاہ کے معتمدوں سے مخصوص کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جنہیں یہ کام کرنا ہوتا ہے انھیں ایسا ہونا چاہیئے۔ ایسے لوگوں کو ہر جگہ روانہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ باب جاسوسوں اور شاہی معتمدوں سے متعلق ہے منشاء یہ ہے کہ ان فرائض کو انجام دینے والے جان جائیں کہ انھیں کس طرح اپنی ذمہ داریاں انجام دینا چاہیں۔ جو لوگ ان کے اہل ہیں ان کو ہر جگہ ان فرائض کی بجا آوری کے لئے روانہ کیا جا سکتا ہے۔

چودھواں باب

نمائندگان سلطنت کا مستقل انتداب

اشارات

مشہور مشہور شاہراہوں پر مخبروں کو مستقل طور پر بٹھا دینا چاہیئے۔ ان خبر گیروں کو اتنی تنخواہیں اور سفر خرچ دیئے جائیں کہ وہ پریشانیوں اور الجھنوں سے بے فکر اپنے فرائض اطمینان سے انجام دیتے رہیں۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں پچاس فرسنگ (ایک فرسنگ ایک میل سے کچھ کم ہوتا ہے) کے علاقہ میں جو بھی واقعہ پیش آئے گا اور جو حادثہ بھی رونما ہوا ہوگا۔ اس کی اطلاع بادشاہ کو فوراً ہو جائے گی۔ ان خبر گیروں کے مددگار بھی ہونے چاہئیں جو وقتاً فوقتاً ان کا کام سنبھال سکیں تاکہ یہ اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں۔

پندرھواں باب

احکامات کے اجراء میں احتیاط

اشارات

سکریٹریٹ، وزارت مال اور ملکی مہمات اور صوبوں کے اہم مسائل سے متعلق فرامین صادر ہوتے رہتے ہیں۔ ان فرامین سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن میں فوری طور پر تدبر اور غور وخوض درکار ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی عمل درآمد بھی۔ یہ بے حد نازک اور دشوار کام ہے۔ اس میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان احکامات کے بارے میں لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں یا انہیں صحیح طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ پیغام ایک خاص شخص کے ذریعہ پہنچایا جائے۔ اور وہ شخص جو شاہی حکم کو لے کر جائے وہ خود اپنی زبان سے پیغام کہے کسی دوسرے کی زبان سے نہیں۔ اگرچہ یہ فرامین اور احکامات زبانی متعلقہ لوگوں تک پہنچا دیئے جاتے ہیں لیکن جب تک کہ ایک بار ان احکامات کی بادشاہ کے روبرو با ضابطہ توضیح نہ ہو جائے اور اُسے ملاحظہ کے لئے پیش نہ کیا جاسکے ان پر دستخط نہیں ثبت ہونے چاہئیں۔

ــــــــــــــــــــــــــــــ

سولھواں باب

وکیل خاص یعنی وزیر اعظم کے عہدۂ جلیلہ کی اہمیت

اشارات

اس زمانہ میں وکیل کے فرائض کافی دشوار رہیں ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وکیل کا کام کسی ممتاز

اور محرم راز شخص کو سونپا جا تا رہا ہے۔ وکیل کا عہدہ اس شخص کو ملتا ہے جس سے متعلق شاہی باورچی خانہ شراب خانہ اور بادشاہ اور شاہزادوں اور بادشاہ کے اعزاء خاص کے محلوں کا انتظام ہوتا ہے۔ وکیل کا ہر ماہ بلکہ ہر روز مجلس عالی میں اس کی حیثیت سے تعارف ہونا چاہیئے اور بادشاہ کو اس سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ وکیل کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ حکومت کی جانب سے جو جو کارروائیاں کیۓ جاتا رہے اس کی اطلاع بادشاہ کو دیتا رہے۔ ایک بات اور ہے وکیل خاص کا کام اسی وقت خوش اسلوبی سے چل سکے گا جبکہ اس کے عہدہ اور مرتبہ کا پورا پورا احترام کیا جائے۔

سترھواں باب

اہل دربار اور مقربین بارگاہ،

اشارات

بادشاہ کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اس کے پاس شائستہ اور مہذب قسم کے ندیم اور مصاحب ہوں۔ بادشاہ ان ندیموں اور رفقاء مجلس سے کھل کے اور بے تکلفی سے بات کر سکتا ہے اگر بادشاہ، عمائدین سلطنت امراء اور قائدین اور سرداران لشکر سے زیادہ ملاقات کرے گا تو اس کے وقار اور شان وشکوہ میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اور یہ لوگ بادشاہ سے بے تکلف اور گستاخ ہو جائیں گے۔ جس شخص کو بھی کوئی عہدہ سونپا جائے اسے ندیمی یعنی بادشاہ کی بے تکلف مجلس کی رکنیت اور رفاقت نہیں حاصل ہونی چاہیئے۔ اسی طرح بادشاہ کے ندیم اور دوست کو کوئی عہدہ نہیں ملنا چاہیئے ورنہ وہ بادشاہ کے ساتھ اپنی بے تکلفی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دراز دستی شروع کر دے گا اور لوگوں کو اذیت پہنچائے گا۔ حکومت کا ہر عامل اور کارکن ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ بادشاہ کا رعب اور دبدبہ تسلیم کرے اور اس سے ڈرتا رہے البتہ ندیم بے تکلف

ہوسکتا ہے۔ اس بے تکلفی اور گستاخی میں بادشاہ کو لذت اور حلاوت ملتی ہے۔ اور اس کی طبع شاہانہ میں انبساط اور موزونیت پیدا ہوتی ہے۔ ندیموں کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہوتا ہے۔ ان کا وقت وہ ہوتا ہے جب بادشاہ بار عام دے چکا ہو اور عمائدین سلطنت سب ہی جا چکے ہوں۔ ندیم سے چند فائدے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ بادشاہ کا مونس اور غم گسار ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ چونکہ وہ شب و روز بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک جاندار یعنی محافظ بھی رہتا ہے، (جان دار یعنی جان کو رکھنے والا۔ مراد محافظ۔ افسوس کہ یہ لفظ جو یہاں بے حد بجا اور مناسب ہے اس کا محل ایرانی محققوں کی سمجھ میں نہ آسکا۔ مترجم) پھر یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی خطرہ سامنے آجائے تو یہ ندیم اپنی جان نچھاور کر سکتا ہے اور بادشاہ کی ذات پر حملہ کو اپنی جان پر روک سکتا ہے۔ ایک بات اور ہے بادشاہ اپنے ندیموں سے ہر قسم کی باتیں کر سکتا ہے اور اپنے دل کی گرانی کم کر سکتا ہے عمال اور حکام سے اس لئے بات نہیں کر سکتا کہ یہ بہرحال عامل اور کارکن ہوتے ہیں۔ یہ ندیم لوگ بادشاہ کے سامنے دوسرے سلاطین کے تذکرے کر سکتے ہیں۔ اور ان کی جاسوسی بھی کر سکتے ہیں، ندیم حضرات بادشاہ سے مختلف حالتوں میں، مستی اور میگساری کے وقت اور ہوشیاری کے وقت، اچھی بھلی ہر قسم کی بات کر سکتے ہیں۔ اس میں بڑی بڑی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ندیم میں یہ صفتیں ہونی چاہئیں۔ وہ عالی نسب، پاک کردار، خوش طبع، صحیح العقیدہ، محرم راز اور خوش مسلک ہو، ندیم کو ایسا بھی ہونا چاہیئے کہ وہ خوش گفتار، قصہ خوان، لطیفہ باز اور ساتھ ہی چٹکلے باز ہو۔ اسے بے شمار اقوال یاد ہونے چاہئیں۔ اس کے دماغ میں بہت سی باتیں ہونی چاہئیں۔ ندیم جب بات کرتا ہے اچھی بات کرتا ہے اور ہمیشہ دلپذیر چیزیں کہتا ہے، ندیم کو چوسر اور شطرنج اور اس قسم کے دوسرے دل بہلاوے کے کھیل آنے چاہئیں۔ اگر ندیم تیر انداز اور ہتھیاروں کے استعمال سے واقف ہو تو بہتر ہے۔ ندیم کو کبھی بھی بادشاہ کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے۔ بادشاہ جو بھی کہے ندیم کو لازم ہے بجا و درست کہتا رہے یعنی وہ مسئلہ ہو کہ ع

مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے۔

ندیم کو بادشاہ کا معلم اور اتالیق نہ بن جانا چاہیئے کہ یہ کیجئے اور وہ نہ کیجئے۔ اور یہ کہ یہ کیوں کیا اور یہ نہ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ بادشاہ کو بے حد ناگوار گذرتا ہے اور اسے اس سے کراہت ہوتی ہے یعنی یہ بات اس پر شاق گذرتی ہے۔ البتہ ندیم شراب و عشرت اور مجلس آرائی اور محفل نشینی اور شکار اور چوگان وغیرہ کے بارے

ہیں ضرور رائے دے سکتے ہیں اس لئے کہ یہ ان چیزوں سے واقف ہوتے ہیں اور ان کی اس قسم کی تربیت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک امور مملکت اور جنگ اور دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے اور ریاست اور سرکاری ذخیروں کی فراہمی، انعامات، سفر اور قیام اور فوج اور رعایا وغیرہ کے امور سے متعلق ہے، اس باب میں وزیروں اور سرکاری مشیروں سے مشورہ لینا چاہیئے۔ یہ کہیں بہتر ہوگا اس سے کام بگڑنے نہیں پائیں گے اور ہر چیز مناسب انداز میں انجام پا جائے گی۔ اکثر بادشاہ طبیبوں اور ماہرین علم نجوم کو اپنا ندیم بنا لیتے ہیں۔ اس کی پشت پر یہ خیال رہا ہے کہ ایسے ندیم ہر مشکل کا حل پیش کر دیتے ہیں اور بادشاہ کی طبیعت اور اس کے مزاج کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ طبیب یہ بتا سکتا ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے لئے کون سی چیز سازگار ہوگی۔ اور منجم اور نجوم داں یہ بتا سکتا ہے کون سا وقت اور کون سی ساعت مبارک اور نامبارک ہے۔ منجم بادشاہ کو اس کے منصوبہ کے بارے میں مشورہ دے سکتا ہے اور نیک ساعت کا انتخاب کر سکتا ہے۔ بعض بادشاہ ان دونوں باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ندیم کو نہ طبیب ہونا چاہیئے نہ منجم۔ یہ بادشاہ اس نظریہ کے ہوتے ہیں کہ اگر ندیم طبیب ہوتا ہے تو وہ اپنے طبی مشوروں سے ہمیشہ ہمیں عذاب کھتا ہے۔ یہ مت کھائیے وہ مت کھائیے غرض تمام لذیذ غذاؤں سے ہم محروم رہ جاتے ہیں۔ ایک اور مصیبت ہوتی ہے طبیب قسم کا ندیم مبتلائے مرض ہو بغیر ہمیں دوائیں تیار رہتا ہے یعنی خواہ ہم مرض میں مبتلا ہوں یا نہ ہوں اور ذرا ذرا سی بات میں فصد لگ کھونے لگتا ہے دوسری طرف منجم ہر اس کام سے جو کرنے کا ہوتا ہے۔ منع کرتا رہتا ہے اور اہم امور میں مزاحم ہوتا ہے، اور اس طرح زندگی ایک وبال جان بن جاتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ طبیب یا منجم کو جس وقت ضرورت ہو انھیں طلب کیا جائے یہ نہیں کہ یہ ہر وقت پیچھے لگے رہیں۔ ندیم (میرے نزدیک آج کل کی اصطلاح میں پرائیوٹ سکریٹری مترجم) اگر جہاں دیدہ تجربہ کار اور بڑے لوگوں کا صحبت یافتہ ہو تو بہتر ہے۔ لوگ ندیموں کو دیکھ کے بادشاہوں کے مزاج اور ان کی عادات کا اندازہ کرتے ہیں۔ ندیم خوش طبع اور بذلہ سنج اور فاضل اور متواضع ہوں گے تو عام لوگ بادشاہوں کے بارے میں بھی یہی قیاس کریں گے۔ اور انھیں یقین ہو جائے گا کہ جب ندیموں کا یہ انداز ہے تو ان کے بادشاہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ بدخوئی اور تند مزاجی سے نفور، خوش طبع اور خوش مزاج، سخی اور فیاض ہے

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

ہر ندیم کا مرتبہ اور اس کی منزلت متعین ہونی چاہیئے۔ بعض ندیموں کو دربار میں بیٹھنے کا اذن (حکم) ملتا ہے لیکن بعض کھڑے ہی رہتے ہیں۔ قدیم شہنشاہوں کا یہی انداز رہا کیا ہے، یہی ان کی رسم رہی ہے۔ خلفائے قدیم کے خاندانوں میں اب تک یہی روایت قائم ہے۔ خلیفہ کے ندیموں کی تعداد اس کے والد کے ندیموں کی تعداد کے برابر ہوتی ہے۔

غزنین کے سلطان کے پاس ہمیشہ بیس ندیم ہوتے ہیں۔ دس اذن نشست (بیٹھنے کا حکم) پاتے تھے اور دس ایستادہ (کھڑے ہوئے) رہتے تھے۔ یہ رسم اور یہ روایت سامانیوں کے عہد سے قائم ہے۔ بادشاہ کے ندیم کو مکمل احترام حاصل ہونا چاہیئے۔

لیکن ندیموں کو بھی انتہائی مہذب اور خوددار ہونا چاہیئے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اٹھارہواں باب

اہل علم سے بادشاہ کی مشورہ طلبی

اشارات

مشورہ ہمیشہ ایسے اشخاص سے کرنا چاہیئے جو مدبر، ذی عقل اور دور اندیش ہوں۔ ذی عقل اور دانا لوگوں میں مراتب کا فرق ہوتا ہے، بعض زیادہ جانتے ہیں بعض کم، پھر اہل علم و عقل میں بھی دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک گروہ ان اشخاص کا ہوتا ہے جن کا علم تو مسلم ہوتا ہے مگر ان کے تجربات محدود ہوتے ہیں لیکن ایک گروہ ان اشخاص کا ہوتا ہے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور آزمودہ کار بھی ہوتے ہیں۔

توضیح: اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ دو آدمیوں کا تصور کیجئے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس نے محض طب کی کتابیں پڑھی ہیں اور امراض کے علاج معالجہ کے سلسلے میں اس نے فن کا مطالعہ کیا ہے حتیٰ کہ اسے دواؤں کے نام تک حفظ ہیں۔ اور دوسرا وہ ہے جو ان دواؤں سے واقف

ہونے کے علاوہ علاج کا عملی تجربہ بھی رکھتا ہے۔ اب ظاہر ہے موخرالذکر کو اول الذکر پر کتنا تفوق حاصل ہوگا ایسے ہی یہ بات ایک دوسری مثال سے بھی واضح ہو سکتی ہے۔ اگر دو آدمی ہوں، جنہیں ایک نے خوب سیر و سیاحت کی ہو، جہاں دیدہ ہو۔ اور زندگی کے ہنگاموں میں شریک رہ چکا ہو، اور دوسرے نے گھر سے باہر تک قدم نہ نکالا ہو، تو صاف بات ہے کہ ان دونوں کا مقابلہ ہی کیا! تدبیر اور مشورہ کے لئے عقلمند اور دانا اور جہاں دیدہ اشخاص کو منتخب کرنا چاہیئے۔ دانائی اور تجربہ کاری مشورہ دینے والے کی سب سے اہم صفتیں اور خوبیاں ہوتی ہیں اس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ بعض اشخاص بلا کے ذہین اور طبّاع ہوتے ہیں اور مسائل کو جلد سمجھ جاتے ہیں اور بعض اشخاص کند ذہن ہوتے ہیں اور ذرا دیر میں بات سمجھتے ہیں اور مشکل سے مسئلہ کی تہہ تک پہنچ پاتے ہیں۔ عقلاء کا قول ہے کہ ایک آدمی کی قوت اس کی عقل ہے اور دس آدمیوں کی قوت بھی ان دس آدمیوں کی عقل میں مضمر ہے۔ تمام دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بنی نوع انسان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر عاقل اور خرد مند کوئی نہ تھا۔ آپ وہ تھے کہ آپ اپنی دانش نورانی کے فیض سے ابد اور ازل کے رازوں سے باخبر تھے۔ اور آسمان و زمین، بہشت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی اور فضائے بسیط کی ہر شے آپ کے دیدۂ بینا میں تھی، آپ کے سامنے یہ ساری اشیاء پیش ہوئی تھیں۔ آپ وہ تھے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام ہر گھڑی آپ کی خدمت میں باریاب ہوتے اور وحی آسمانی اور بشارتیں لاتے تھے۔ لیکن کیا اس مرتبہ اور عظمت اور جلال و کمال اور معجزات نے پیغمبر اعظم کو مشورہ سے بے نیاز کر دیا تھا؟ ہرگز نہیں، پروردگار عالم نے پیغمبر اعظم کو بھی حکم دیا کہ اے محمدؐ اگر تمہیں کسی اہم مسئلہ کا سامنا ہو تو اپنے رفقاء اور اصحاب سے مشورہ کرو۔ یہ مشورہ لینے کا مشورہ اسے دیا جا رہا ہے جس سے زیادہ مشورہ سے بے نیاز بھلا کون ہو سکتا تھا!

اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر بادشاہ کو کوئی مہم درپیش ہو تو اسے سن رسیدہ اور مخلص اشخاص سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ صلاح مشورہ کا طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ مسئلہ کے بارے میں پہلے ہر آدمی اپنی رائے کا اظہار کرے اور اس کے بعد اپنی رائے کا بادشاہ کی رائے سے مقابلہ کرے اور پھر مختلف لوگ بیٹھ کر آپس میں اپنی اپنی آراء کا ایک دوسرے سے مقابلہ اور موازنہ کریں یعنی آپس میں تبادلہ خیال کریں۔ اس تبادلہ خیال سے یقیناً ایک مشترک بات سامنے آجائے گی، جس پر سب کا اتفاق ہو گا۔ مختلف امور میں دوسروں سے مشورہ نہ کرنا انسان کی کمزوری ہے۔ ایسا شخص جو مشورہ سے گریز کرتا ہے خود پسند اور مطلق العنان کہلاتا ہے۔ ایسا شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ہر کام بس اسی کی مرضی کے مطابق ہو۔ اور بس! جس کام کے کرنے میں

صلاح مشورہ کو دخل نہیں ہوتا وہ بخوبی انجام پذیر نہیں ہو پاتا۔ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ خداوند جہاں میں دونوں صفتیں موجود ہیں۔ صاحب نظر اور قوی الرائے کی صفت بھی اور مردان کار اور داناؤں سے مشورہ کرتے رہنے کی صفت بھی! اس کتاب کی تکمیل کے لئے اس موضوع پر اتنا لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

انیسواں باب

حفاظتی دستہ کے افراد اور ان کا ساز و سامان

اشارات

آستانہ شاہی پر دو سو جوان ہمیشہ حاضر رہنے چاہئیں۔ انھیں مفردان (جمع مفرد یعنی اپنی صفات کے لحاظ سے منفرد) کہتے ہیں۔ یہ بڑے چُنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں ان کی شخصیتیں ممتاز ہوتی ہیں۔ یہ صورت کے لحاظ سے تو ممتاز ہوتے ہی ہیں، ہمت اور دلاوری میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان دو سو میں سے سو دیلمی اور سو خراسانی ہوتے ہیں۔ بادشاہ سفر میں ہو یا مرکز سلطنت میں ٹھہرا ہوا ہو ان کا رکاب میں ہونا لازمی ہے۔ یہ ہمیشہ آستانہ پر حاضر رہتے ہیں۔ ان کا لباس اچھا اور ان کے ہتھیار پورے ہوتے ہیں۔ انھیں یہ چیزیں ضرورت کے وقت دی جاتی ہیں۔ اور وقت پڑنے پر واپس بھی لی جا سکتی ہیں۔ ان دو سو آدمیوں پر بیس عدد گلو بند یا حمائل اور ڈھال مرصع اور باقی ایک سو اسی حمائل اور ڈھالیں روپہلی اور چاندی کی بنی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی نیزے بھی چاندی کے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو آذوقہ اور لباس کے مصارف ملتے ہیں۔ ہر پچاس آدمیوں پر ایک نقیب ہوتا ہے جو اُن کے حالات سے کماحقہ واقف ہوتا ہے اور اُن کو ان کے فرائض بتاتا ہے۔ ان تمام 'مفردان' کو گھڑ سواری بھی جاننی چاہیئے اور اُن کے پاس ساز و سامان مکمل ہونا چاہیئے تاکہ اگر کوئی موقع پیش آجائے تو یہ لوگ اپنے فرائض سے بخوبی عہدہ بر آ ہو سکیں۔ چار ہزار پیدل کے نام ہمیشہ مرکزی دفتر میں لکھے رہنے چاہئیں۔ ان میں سے ایک ہزار جو سب میں منتخب ہوں وہ خاص بادشاہ کی رکاب

کے لئے اور باقی تین ہزار اُمراء لشکر و دربار اور قائدین لشکر کے ہمراہ رہیں۔ ہاں کوئی مہم درپیش ہوگی تو انھیں اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا سکتا ہے۔

بیسواں باب

بارگاہ خاص میں مرصع اسلحہ کی ترتیب

اشارات

ہمیشہ اور ہمہ وقت دس عدد مرصع اور غیر مرصع لباس تیار رہیں اور خزانہ میں محفوظ ہیں۔ تاکہ جب کبھی اور جس وقت بھی ادھر ادھر سے سفیر حضرات آئیں تو بیس شاہی غلام نہایت اچھے اور گراں بہا لباس پہنیں اور ان ہتھیاروں سے آراستہ اور مزین ہو جائیں۔ اور جس وقت بادشاہ سفراء کو بار بخشے تو یہ تخت شاہی کے چاروں طرف کھڑے ہو جائیں یہ صحیح ہے کہ ہمارا یہ موجودہ بادشاہ (مراد ملکشاہ سلجوقی) اس رتبہ اور اس منزلت پر پہنچ چکا ہے کہ وہ ان تکلفات سے بلند ہے مگر بادشاہی زینت و آراستگی اور ملکی شان و شوکت کو بھی بادشاہ کے مرتبہ کے شایان شان ہونا چاہیئے۔ آج دنیا میں ہمارے بادشاہ سے بڑھ کر، اللہ اس کی سلطنت کو دوام بخشے، بااقتدار کوئی نہیں۔ آج کسی کی سلطنت اتنی وسیع نہیں، لہذا بادشاہ کے لئے لازم ہے کہ اس کی شان و شوکت دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں دس گنی ہو۔ مثال کے طور پر دوسروں کے یہاں جو چیز تعداد میں ایک ہو یہاں اس کی تعداد دس ہو، اور جو اوروں کے یہاں دس کی تعداد میں ہو یہاں سو کی تعداد میں ہو۔ بادشاہ کے یہاں لشکر کی تعداد، ان کے لئے ساز و سامان، ہر قسم کی بڑائی اور بزرگی، عقل و ارادہ، سلطنت و مملکت سبھی ہوں، تاکہ یہ کہنے کو ہو کہ:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری، انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری،

اکیسواں باب

عہدۂ سفارت سے متعلق ہدایات

اشارات

آستانہ شاہی پر حاضر ہونے کے لئے جو مختلف سمتوں سے سفراء آتے رہتے ہیں اس کی کسی کو اطلاع نہیں ہو پاتی۔ یہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن ذرا ان کی خاطر مدارات نہیں ہوتی اور نہ کسی کو خبر ہو پاتی ہے۔ یہ بات حکومت کی غفلت شعاری پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا حکومت کے ان گماشتوں کا جو سرحدوں پر متعین ہوتے ہیں فرض ہے کہ جوں ہی یہ سفراء پہنچیں فوراً سوار بھیجکر دربار کو ان کی آمد کی خبر دیں۔ اور یہ لکھ بھیجیں کہ مثلاً یہ شخص جو آیا ہے کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اس کے ساتھ کتنے پیدل اور کتنے سوار ہیں۔ اس کے ساتھ ساز و سامان کس نوعیت کا ہے۔ اس کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ گماشتوں کا فرض ہے کہ سفراء یا باہر سے دوسرے آنے والوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی قابل اعتماد حکومت کا آدمی کر دیں تاکہ انھیں کسی جانے پہچانے شہر میں پہنچا دیا جائے۔ اور وہاں اُنھیں ارباب حل و عقد کے سپرد کر دیا جائے۔ ایک معروف شہر میں پہنچنے کے بعد سفراء کو اسی انداز میں دوسرے شہر یا علاقہ میں لے جایا جائے اور اسی انداز میں اُنھیں آستانہ شاہی تک بھی لایا جائے۔ سفراء کو ہر منزل پر احترام اور اکرام کے ساتھ اُتارا جائے اور اُن کے ساتھ بالکل وہی سلوک ہونا چاہیئے جو بادشاہ کی ذات کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے بادشاہوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کی حرمت اور بزرگی کا خیال رکھا ہے اور اسی لئے سفیروں کی ہمیشہ تکریم کی ہے۔ اس سے بادشاہوں کا شرف اور اُن کے جاہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بادشاہوں میں آپس میں مخالفت پیدا ہو گئی ہے اور اس سے پہلے ان کے سفراء چل پڑے ہیں۔ اب اگر عین مخالفت کے عالم میں مخالف بادشاہ کا سفیر پہنچ جائے تو اُسے کوئی آزردگی نہیں ہونی چاہیئے۔ گویا اس مخالفت کے باوجود سفراء کی روایتی تعظیم میں خلل نہیں واقع ہونا چاہیئے کیونکہ سفیر بذات خود مخالفت کا باعث بھی

نہیں ہو سکتا۔ سفیر کا کام پیغام کا پہنچانا ہے۔ اور بس۔

دوسرا باب

جاننا چاہیئے کہ بادشاہوں کے ایک دوسرے کے پاس سفراء کے بھیجنے کا مقصد کچھ نفس نامہ و پیام نہیں ہوتا کہ ہر بات اس میں ظاہر کر دی جاتی۔ اس سفارت میں ہزار مقصد پنہاں ہو سکتے ہیں۔ بادشاہوں کا سفیر بھیجنے سے یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ راستوں اور ان کے پس منظر، دریاؤں، چراگاہوں اور عرائز آب کے بارے میں اطلاع حاصل کی جا سکے۔ سفراء کو یہ بھی ہدایت ہوتی ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ جس ملک میں وہ سفیر بنکر گئے ہیں وہاں کے جغرافیائی حالات کیا ہیں، پانی کن کن علاقوں میں رکاوٹ بن سکتا ہے کہ فوج کو آسانی سے نہ گزارا جا سکے۔ جانوروں کے لئے چارہ کہاں کہاں ہے، گماشتوں کی جگہ پر کون کون ہے۔ فوج کی تعداد کیا ہے۔ فوج کے پاس کیا کیا اسلحہ ہیں۔ بادشاہ کی ضیافتوں اور اُس کے دربار کا کیا حال ہے۔ اس کے یہاں دربار میں نشستوں کی کیا ترتیب ہے۔ چوگان اور شکار کا حال کیا ہے، بادشاہ کے اخلاق کی کیا حالت ہے۔ وہ فیاضیاں اور سخاوتیں کس نوعیت کی کرتا ہے۔ دیکھتے ہیں، دوسروں کی بات سُنتے ہیں، ظلم اور انصاف کے معاملہ میں وہ کیسا ہے۔ سفیر کا کام یہ بھی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ بادشاہ بوڑھا ہے یا جوان، عالم ہے یا جاہل، اس کی مملکت آباد ہے یا ویران، اس کی فوج میں ابتری اور بے اطمینانی تو نہیں پائی جاتی، رعایا کا معیار زندگی پست ہے یا بلند، بادشاہ بیدار مغز ہے یا غافل۔ بخیل ہے یا فیاض، بادشاہ کا وزیر لائق ہے یا نہیں، وہ ایماندار اور اعلیٰ کردار کا مالک ہے یا نہیں۔ بادشاہ کے سپہ سالار تجربہ کار ہیں یا نہیں، اس کے ندیم عالم اور ہیا ستداں ہیں یا نہیں۔ بادشاہ کو کون کون سی چیزیں پسند ہیں کون سی ناپسند۔ مے خواری میں یہ بادشاہ کھُل جاتے ہیں یا اُن کی طبیعت ایسے موقعوں پر قابو میں رہتی ہے۔ ان میں مروت اور بزرگانہ شفقت موجود ہے یا بالکل غافل ہیں۔ سنجیدگی اور متانت انھیں پسند ہے یا لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کبھی یہ طے پایا کہ جس ملک میں سفیر گیا ہے وہاں کے بادشاہ کو مغلوب کیا جائے یا اس سے جنگ کی جائے یا اس کے عیوب بے نقاب کئے جائیں تو چونکہ اس کے حالات سے پہلے سے واقفیت ہوگی اس لئے اس باب میں حکمت عملی کامیاب ہو جائے گی۔ اچھی بُری سبھی باتیں معلوم رہیں گی۔ اور وہی کیا جائے گا جو ضروری ہوگا۔ سعادت مند سلطان، الپ ارسلان کے عہد میں، اللہ ان کی روح کو سکون

بخشے ، یہی واقعہ میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ دنیا میں (مراد جہانِ اسلام یا اسلامی دنیا ہے) دو مذاہب بہت اچھے
اور پسندیدہ ہیں۔ ایک امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے ۔ ایک امام شافعیؒ کا مذہب ہے ۔ سلطان الپ ارسلان
مرحوم اپنے مذہب میں اس درجہ سخت اور صحیح العقیدہ اور راسخ الایمان تھا کہ اکثر اس یہاں تک ارشاد فرمایا
کہ کاش میرا وزیر شافعی مذہب نہ ہوتا۔ سلطان کا دبدبہ اور اس کا تدبر دونوں عظیم تھے اور اسے اپنے مسلک
سے بڑا زبردست لگاؤ تھا۔ اور میں اس خیال سے کہ بادشاہ شافعی مذہب کو پسند نہ کرتا تھا ہمیشہ اس
باب میں ڈرتا رہتا تھا۔ اتفاق سے سلطان شہید نے ماوراء النہر ترکستان کا علاقہ کا
اور عزم کا محرک یہ جذبہ تھا کہ شمس الملک سلطان کی اطاعت نہ کرتا تھا۔ ابتدائی مرحلہ میں سلطان نے لشکر
طلب کیا اور شمس الملک نصر بن ابراہیم کے پاس سفیر روانہ کیا۔ میں نے بادشاہ کے سفیر کے ساتھ ساتھ ایک
نمائندہ بھی بھیج دیا۔ یہ تھا دانشومند اشتر (دانشومند گویا دانشمند کی پرانی شکل ہے۔ مترجم) میں نے اپنے
نمائندہ کو ہدایت کی تھی کہ جو کچھ وہاں (شمس الملک کے دربار میں) گذرے اس کی وہ مجھے اطلاع دے۔
لیجئے بادشاہ کا ایلچی نامہ و پیغام لے کے واپس پہنچ چکا ہے ۔ اور خان (مراد شمس الملک) نے بھی اپنا سفیر
بادشاہ کے سفیر کے ساتھ ساتھ بھیجا ہے جیسا کہ روایت بن چکی ہے سفراء وقت بے وقت اور موقع بے موقع
وزراء کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنی درخواستیں پیش کرتے ہیں تاکہ وزراء بادشاہوں تک ان درخواستوں
کو پہنچا دیں ۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سفراء واپس اپنے وطن نہیں لوٹ جاتے
عجب اتفاق ہوا میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا! اور شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک ساتھی
کو شطرنج میں مات بھی دے چکا تھا۔ میرے ایک ہاتھ کی انگلی میں ایک نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھی تھی
یہ انگوٹھی بائیں ہاتھ کی انگلی میں پڑی تھی اس لئے میں نے اسے دائیں ہاتھ میں پہن لیا تھا۔ عین اسی وقت
اطلاع ملی کہ خانِ سمرقند کا ایلچی حاضر ہے ۔ میں نے کہا اندر لے آؤ، شطرنج کی بساط اٹھوانے کا حکم دیدیا۔
جس وقت سفیر آیا اور بیٹھا اور اپنی بات کہی تو اس وقت میں اپنی وہی انگوٹھی اپنی انگلی میں گھما رہا تھا سفیر
کی نگاہ آخر انگوٹھی پر پڑ ہی گئی ۔ سفیر اپنا پیغام کہہ چکا تو چلا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان نے
ارشاد فرمایا کہ خان کے سفیر کو واپس بلوا لیا گیا ہے ۔ اور اب دوسرے سفیر کو جواب کے ساتھ بھیجا جا رہا ہے
میں نے اس بار پھر اپنا مضبوط اور دانا آدمی یعنی وہی دانشومند اشتر بادشاہ کے سفیر کے ساتھ کر دیا۔ سفرا
جب سمرقند پہنچ گئے تو سب شمس الملک کے دربار میں حاضر ہوئے ۔ خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ سلطان

(مراد الپ ارسلان) تدبر اور شخصیت کے لحاظ سے کیسا ہے۔ اس کا لشکر تعداد میں کتنا ہے۔ لشکر کے پاس سازو سامان کس مقدار میں ہے اور کس نوعیت کا ہے۔ پائے تخت، دیوان اور ملکی انتظام کیسے ہیں؟ سفیر نے جواب دیا: اے میرے خداوند: جہاں تک کہ سلطان کے مردانہ بانکپن اس کی شجاعت، سیاست اور دبدبہ اور حکمرانی کا تعلق ہے اس کا کوئی مقابل نہیں۔ اس کی فوج کی تعداد کا علم بس خدا کو ہوگا۔ فوج کے پاس بے اندازہ آلات جنگ اور سازو سامان موجود ہیں۔ دیوان، آستانہ عالی، دربار اور قصر سلطنت سے متعلق سارے امور قابل ستائش ہیں۔ سلطان کی مملکت میں کوئی اور عیب تو نظر نہیں آیا البتہ ایک عیب ضرور ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو اس مملکت کے خلاف کسی کو بھی بغاوت کی جرأت تک نہ ہوتی۔ شمس الملک نے سوال کیا: وہ ایک عیب کیا ہے؟ سفیر بولا: ان کی مملکت میں وزیر بددین اور ملحد ہے سمرقند کے بادشاہ نے پوچھا: یہ تم نے کیسے جانا؟ سفیر نے کہا: وہ یوں کہ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد میں ان لوگوں کے وزیر سے ملنے اس کے خیمہ پہ حاضر ہوا۔ وہاں میں نے یہ دیکھا کہ وزیر نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہن رکھی ہے۔ اور جس وقت کہ وہ الپ ارسلان کا وزیر مراد نظام الملک) مجھ سے بات کر رہا تھا وہ اپنی انگوٹھی بھی برابر اپنی انگلی میں گھمائے جا رہا تھا

میرے آدمی یعنی دانشومند اشتر نے فوراً مجھے لکھ بھیجا کہ یہاں آپ کے بارے میں شمس الملک کے سامنے یہ بات کہی گئی ہے آپ کی اطلاع کے لئے آپکو لکھا جا رہا ہے میں نے سُنا تو میں اپنے بادشاہ کے خوف سے سخت آزردہ ہوا۔ میں نے سوچا بادشاہ شافعی مذہب تک کو بُرا جانتا ہے اور ہمیشہ اس پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ اب اگر اس نے یہ سُن پایا کہ ماوراء النہر کے لوگ یا اہل ہنگہ مجھے ملحد اور بددین اور بدفعل کا مرتکب سمجھتے ہیں تو شاید مجھے زندہ ہی نہ چھوڑے۔ چنانچہ میں نے تیس ہزار دینار صرف کئے اور بڑی دادودہش کی تب کہیں یہ ہوا کہ یہ بات سلطان تک نہ پہنچنے دی گئی۔

اس کا ذکر میں نے اس لئے کر دیا ہے کہ سفراء میں برائی کا پہلو دیکھنے کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ اس طبقہ کی روایت کچھ ایسی ہے کہ یہ ہر مملکت کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ اس کے اچھے اور بُرے سب ہی پہلو دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ سفراء بادشاہوں تک کو ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہی سبب ہے اور اسی بات کے پیش نظر ہوشمند اور عاقل بادشاہوں نے اپنے اخلاق سنوارنے کی طرف اور تہذیب، متانت اور شائستگی اختیار کرنے کی طرف توجہ کی ہے اور اپنا کردار پاکیزہ اور اعلیٰ بنایا ہے۔ شائستہ اور پاکباز اور مخلص و صادق لوگوں نے ہمیشہ ماضی سے سبق لئے ہیں۔ اور یہ سعی کی ہے کہ کوئی ان میں عیب نہ تلاش کر سکے

سفارت اور ایلچی گری کے لئے ایک ایسا شخص ہونا چاہیئے جو بادشاہوں کی صحبتیں اُٹھا چکا ہو۔ گفتگو میں دلیر ہو، منضبط الکلام اور کم گو ہو۔ کافی سیاحت کر چکا ہو۔ ہر علم و فن سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہو، اس کے ذہن میں خیالات محفوظ رہیں۔ اس کی نظر ماضی پر ہو۔ خود اس کی شخصیت میں جاذبیت ہو۔ اگر ان صفات پر اس کے (سفیر کے) سن رسیدہ اور عالم ہونے کی صفت مستزاد ہو تو کیا کہنا۔ اگر بادشاہ سفارت کے عہدہ کے لئے اپنے کسی ندیم اور مقرب کا انتخاب کرے تو اور بہتر ہوگا اور اس پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکے گا۔ شجاع اور دلیر اور دلاور اور شہ سوار اور سپاہی قسم کا سفیر ہو تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ ایسا آدمی جب سفیر بن کے کسی دوسرے ملک میں جائے گا تو دوسروں پر یہ اثر پڑے گا کہ اس کے ملک کے سب آدمی اس جیسے ہوتے ہوں گے۔ ایلچی عالی خاندان کا رکن ہو تو بھی اچھا ہوتا ہے۔ عالی خاندان آدمی کی عزت اسکی خاندانی وجاہت سے بھی ہو جاتی ہے۔ بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ زیادہ تر بادشاہوں نے سفراء کو جب بھی بھیجا ہے تحفے تحائف اور نفیس اشیاء کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ اور اسلحہ اور فرمائشات بھی بھجوائی ہیں اور عموماً ان مواقع پر بڑی عاجزی اور انکساری کا ثبوت دیا ہے اور یوں (کبھی کبھی) دوسروں کو دھوکہ میں رکھ کے ایک تیار شدہ فوج اور آزمودہ کار سپاہیوں کی معیت میں حملہ کر کے دشمن کو شکست بھی دے دی ہے۔

ہر سفیر اور ایلچی کو دیکھ کر لوگ بادشاہ کے کردار اور اس کی عقلمندی اور اس کے تدبر کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔

بائیسواں باب

مختلف منازل شاہی پر مویشیوں کیلئے خوراک کی بہم رسانی

اشارات

رکاب عالی یعنی بادشاہ اور اس کے ہمراہ لوگ جس وقت سفر کرتے ہیں تو ہر منزل اور ہر مرحلہ پر جانوروں کے لئے چارہ اور دوسرا ضروری سامان مہیا نہیں رہتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باربرداری کے جانوروں اور سواری میں کام آنے والے جانوروں (گھوڑوں اور اونٹوں) کے لئے روز کا روزینہ چارہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس میں یا تو بڑی کاوش کو دخل دینا ہوتا ہے یا رعایا سے وہ مقدار کسی نہ کسی طرح وصول کی جاتی ہے ... یہ بات یعنی اس صورت سے جانوروں کے لئے چارہ کے سلسلہ میں تگ و دو کرنا قطعاً مناسب نہیں اب چونکہ رکاب عالی مختلف راستوں سے گذر سکتا ہے، اس لئے ہر وہ دیہات جہاں ٹھہرا جا سکتا ہے خواہ وہ سرکاری ہو یا کسی صوبہ دار کی جاگیر میں ہو، اسے اس مقصد کے لئے تصرف میں لایا جا سکتا ہے۔ جہاں جہاں سرائے اور دیہات نہیں ہیں (یعنی بادشاہ کے اختیار کردہ راستے میں جہاں جہاں یہ دیہات اور سرائے) واقع نہیں ہیں تو نزدیک ترین دیہات سے غلہ کی شکل میں لگان وصول کر لینا چاہیئے۔ اگر اس غلہ کی ضرورت نہ ہو تو اسے خرچ کر دینا چاہیئے ورنہ اسے فروخت کر کے دوسرے اموال کی طرح خزانۂ شاہی میں لے آنا چاہیئے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ رعایا پر کوئی بار نہ پڑے گا اور اُس سے جو کچھ وصول کیا جائے گا وہ لگان میں محسوب ہو جائے گا، ادھر شاہی پارٹی کو بھی جانوروں کے لئے چارہ کی تکلیف نہ ہوگی اور جس مقصد سے بادشاہ نے سفر اختیار کیا ہے وہ بھی پورا ہوگا۔

تیئیسواں باب

لشکریوں کی املاک کا جائزہ،

اشارات

لشکر کو کتنا مال ملنا ہے اس بات کو مبہم نہ رہنا چاہیئے۔ وہ لوگ جنہیں حکومت نے مملکت کی طرف سے جاگیریں دے رکھی ہیں ان کو مال کے خرچ کرنے میں وسیع اور مطلق اختیارات ہونے چاہئیں۔ لیکن غلام لوگ جن کے پاس علاقے نہیں ہوتے ان کو بھی جو کچھ ملتا ہے اسے واضح کر دینا چاہیئے۔ جس وقت یہ طے ہو۔ نے کہ کس مخصوص لشکر کا معاملہ درپیش ہے اور اُسے کتنا مال ملنا چاہیئے تو اسے مہیا کر کے مقررہ وقت پر متعلقہ لوگوں کو پہنچا دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ اس مال کو خزانہ میں جمع کر دیا جائے یا بغیر بادشاہ سے ملے ہوئے بالا بالا اس مال کو خزانہ سے لے لیا جائے۔ یہ کہیں بہتر ہو گا کہ بادشاہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے لشکر میں مال تقسیم کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لشکریوں کے اندر محبت اور اتحاد کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اور جنگ کے موقعوں پر یہ زیادہ داد شجاعت دیں گے۔ پُرانے سلاطین کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ علاقے نہیں تقسیم کیا کرتے تھے۔ ان کے دور میں طریقہ یہ تھا کہ ہر شخص کو سال میں چار بار اس کے حقوق مل جاتے تھے۔ اور یہ حقوق نقد کی شکل میں ملتے تھے۔ اہل لشکر کے پاس کبھی کسی چیز کی کمی نہ ہوتی تھی۔ سلطنت کے عمّال مال کو اکٹھا کر کے خزانہ میں لے آتے تھے۔ ان عمال کو مال کی فراہمی کا معاوضہ یہ ملتا تھا کہ ہر تین ماہ میں ایک بار وصول کی ہوئی رقم انہی کو مل جاتی تھی اس رقم کو اصطلاح میں پیشہ کائی یعنی حق الوصول کہتے تھے۔ یہ طریقہ اور یہ روایت محمود غزنوی کے خاندان میں اب تک رائج ہے جن لوگوں کے پاس علاقے اور علاقائی فوجیں ہوتی ہیں ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر فوج کا کوئی رُکن مر جانے اور یوں فوج میں اس کی جگہ خالی رہ جائے تو فوراً اطلاع دی جائے۔ مختلف فوجی ٹکڑیوں کے سرداروں کو حکم ہونا چاہیئے کہ جس وقت اُنھیں ان کی مطلوبہ ضروریات حاصل ہو جائیں تو پھر وہ ہر قسم کے

ہنگامی حالات کے لئے تیار رہیں۔ اگر ایسا کرنے میں کسی کی طرف سے تکلف ہو تو فوراً اس مضمون کا فرمان صادر ہونا چاہیئے کہ اگر احکامات کی خلاف ورزی ہوئی تو ان لوگوں پر عتاب نازل ہوگا اور ان پر جو کچھ صرف ہوا ہے اس کا ہرجانہ اور خسارہ لے لیا جائے گا

چوبیسواں باب

فوج میں مختلف طبقوں کی نمائندگی کی ضرورت

اشارات

فوجی نقطہ نگاہ سے اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی کہ فوج میں ایک ہی قوم اور ایک ہی نسل اور جنس کے لوگ ہوں اور بس، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ زیادہ محنت اور جفاکشی کا ثبوت نہیں دیتے۔ اور آپس میں ساز باز کر لیتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیئے کہ لشکر میں مختلف قسم کے عناصر ہوں۔ دو ہزار دیلمی اور خراسانی آستانہ شاہی پر بھی حاضر رہیں۔ جو تعداد ان کی دیلمیوں اور خراسانیوں کی، پہلے سے موجود ہے اسے باقی رہنے دیا جائے۔ اور دو ہزار میں جو کمی ہے اسے پورا کر لیا جائے۔ لیکن شاہی محافظوں کے ان دستوں میں گرجی اور شبانکارہ (دو مختلف قبائل) بھی شامل ہوں۔ یعنی آستانہ پر حاضر رہنے والے کئی مختلف نسلوں کے ہو جائیں تو اور بھی بہتر ہے۔

حکایت

سلطان محمود نے روایت یہ بنا رکھی تھی کہ وہ اپنی فوج میں ہر قوم اور ہر قبیلہ کے اشخاص شامل کرتا تھا۔ ترک، خراسان، عرب، ہندی، دیلمی اور غوری، بادشاہ جب سفر کرتا تو یہ ظاہر کر دیا جاتا تھا کہ پاس رہنے والے اور خیمہ شاہی کی حفاظت کرنے والے کن کن گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر گروہ

کی جگہ بھی متعین رہتی تھی۔ کوئی گروہ، جس وقت وہ حفاظت کر رہا ہوتا تھا، دوسرے گروہوں کے خلاف اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی ہمت نہ کرتا تھا۔ اور تمام رات حفاظت پر مامور رہتا تھا۔ اس کے بعد اگر دنیا کے اوقات میں جنگ ہونے لگتی تو ہر گروہ ہر دوسرے گروہ سے سبقت لے جانے کی سعی کرتا۔ اس لئے کہ کوئی گروہ اس کے لئے تیار نہ تھا کہ اس پر اپنے فرائض کی بجا آوری میں تغافل کیشی ——— اور سستی کا الزام لگایا جائے۔ اب چونکہ لشکر کا ماحول ایسا تھا کہ ایک آدمی یا ایک گروہ اپنی لیاقت کا اظہار کر کے اور دلاوری دکھا کے شہرت پا سکتا تھا ہر شخص زور سپہ گری دکھانے کی سعی کرتا تھا۔ اور پیچھے ہٹنے کے ننگ سے بچتا تھا۔ اور مخالف لشکر کو شکست دے کے رہتا تھا ایک بار فتحیاب اور کامیاب ہو جانے کے بعد ایک گروہ کے اندر اعتماد پیدا ہو جاتا تھا اور پھر ایسی رجمنٹ سے ٹکر لینا دوسری رجمنٹوں کے لئے کے لئے سخت دشوار اور مشکل ہو جاتا تھا۔ گویا اس دستہ کی دھاک چاروں طرف بیٹھ جاتی تھی اور اس طرح بادشاہ کا وقار بھی قائم رہتا ہے اور لوگ اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۲۵)

پچیسواں باب

مرکز میں بعض افراد کا بطور ضمانت کے قیام، اشارات

عرب اور کردی امراء سے اور اسی طرح دیلمی، رومی اور ان دوسرے امراء سے جنہیں نیا نیا منصب سے نوازا گیا ہے اس بات کا مطالبہ کرنا چاہیئے اور ان سے کہنا چاہیئے کہ آستانہ شاہی پر مستقل طور پر قیام کرنے کے لئے اپنے بیٹوں یا بھائیوں کو چھوڑ جائیں۔ مجموعی طور پر ان بیٹوں اور بھائیوں کی تعداد کسی زمانہ میں بھی پانچسو سے کم نہ ہونی چاہیئے۔ انہیں ہر سال رخصت دی جا سکتی ہے یعنی آستانہ سے باہر جانے دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کے بجائے انہی کے قبیلہ کے دوسرے لوگ آچکے ہوں۔ جب

تک بدلہ کے لوگ نہ آجائیں انھیں نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اس (نوا) یعنی گویا ضمانت کے طور پر چند لوگوں کے آستانہ پر مقیم رہنے سے، اور ایسے لوگوں کے مقیم رہنے سے جو امراء لشکر کے قریب ترین عزیز ہوں، یہ ہوگا کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے کی کسی میں جرأت نہ پیدا ہوگی۔ اسی طرح دیلمیوں اور کوہیوں اور طبرستان اور شبانکارہ کے علاقوں میں جن لوگوں کو مدد معاش کے لئے علاقے ملے ہیں یا انھیں ریاستیں عطا کی گئی ہیں، ان کے بھی پانچ سو آدمی آستانہ پر رہیں تاکہ آستانہ آدمیوں سے خالی نہ رہے یعنی ایسے آدمیوں سے جن سے اہم کام نکالے جاسکتے ہیں۔

* * * * * * * * * *

(۲۶)
چھبیسواں باب

ترکمانوں اور ترک لڑکوں کی غلامان دربار کی حیثیت سے تقرری

ترکمانوں اور ترکوں کو خدمت کے مواقع فراہم کرنے کے بارے میں اشارات

ہرچند یہ بات صحیح ہے کہ ترکمانوں نے (بادشاہ کو) بڑے دکھ دئے ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ان ترکمانوں کے اس حکومت پر بڑے حقوق ہیں۔ اول ان لوگوں نے حکومت کے لئے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔ ان میں سے اکثر بادشاہ کے عزیز واقارب ہیں۔ ان ترکمانوں میں سے کم از کم ایک ہزار لڑکوں کے ناموں کی ایک فہرست بنانی چاہیئے اور محل کے غلاموں اور شاہی خادموں کے انداز میں ان کی تربیت ہونی چاہیئے جب یہ ترکمان زادے مستقل طور پر خدمت میں رہیں گے تو انھیں مسلح حفاظت کے اور دوسرے آداب خدمت معلوم ہو جائیں گے اور وہ قوم میں دل جمعی لینا شروع کر دیں گے اور ان کا وہ طبعی توحش دور ہو جائے گا۔ اور یہ شاہی غلاموں کی طرح خدمت گذاری سیکھ لیں گے۔ اور موقع آنے پر یہ دس ہزار کی تعداد میں خدمت شاہی میں باریاب ہو سکیں گے۔ اور یہ باریابی ان کے ساز و سامان کے ساتھ ہوا کرے گی۔ اس تمام قضیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ ترکمان

اس حکومت سے پورے طور پر فیض یاب ہوں اور بادشاہ کی تعریف ہوتی رہے اور یہ سب لوگ راضی ہوں۔

ستائیسواں باب (۲۷)

شاہی عملہ کی عدم اطاعت

اشارات

وہ بندگان شاہی جن کے فرائض میں دربار میں تعظیماً کھڑے رہنا شامل ہے اُنھیں اسی وقت دربار میں پابندی سے حاضر ہونے کی اجازت ہے جب اس کی ضرورت پیش آئے۔ اور جب امن کا دور ہو، نیرنگی اور جنگ کا نہیں۔ جس وقت کہ یہ بندے فوری طور پر دربار سے چلے جائیں تو (ضرورت پڑنے پر) فوراً ہی واپس بھی آجائیں۔ جس وقت قطعی اور فوری تعمیل کا فرمان دیا جائے اور بندوں سے دوبارہ کہا جائے تو اُنھیں ان احکامات کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اس بات کی نوبت نہ آنی چاہیئے کہ آبداروں اور ساقیوں، ہتھیار سنبھالنے والوں اور شراب داروں اور لباس کے منتظمین کو، اور اسی طرح امیر حاجب اور امیر بزرگ کے لئے مخصوص غلاموں کو بار بار ہدایتیں دینی پڑیں کہ مثلاً فلاں جگہ سے اٹھنے اور فلاں جگہ سے اٹھنے غلام ان ان کاموں کے لئے حاضر ہوتے ہیں، سب کو اپنے اپنے فرائض سے آگاہ رہنا چاہیئے۔ قدیم زمانوں میں غلاموں اور بندوں کی شروع سے یعنی ملازمت کے روز سے، آخر تک، جب یہ بوڑھے ہو جاتے تھے، بڑی نگہداشت کی جاتی تھی۔ اس دور میں، یہ پرانی روایات ختم ہو گئی ہیں اسی لئے اس موضوع پر اس کتاب کے لئے کچھ روشنی ڈال دی گئی ہے۔

محل شاہی کے غلاموں کے فرائض

ابھی سامانیوں کے عہد تک یہ قاعدہ اپنی جگہ رہا ہے کہ خدمات، لیاقت اور استعداد کی بنیاد پر

غلاموں کے رتبوں اور درجوں میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر جس وقت ایک غلام کو خریدا جاتا تو اسے سال بھر تک بادشاہ سلامت کے جلوس اور ان کی سواری میں صرف پیادہ پا شامل ہونے کی اجازت ہوتی تھی۔ جب کبھی شاہی سواری نکلتی یہ غلام زندنیجی قبا (زندنیج ایک مقام سے نسبت ہے) پہنے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک سال کی مدت تک ان غلاموں کو اس بات کی قطعاً اجازت نہ ہوتی تھی کہ بہ برسرِ عام یا پوشیدہ طور پر بھی گھوڑے پر سوار ہو کر (رکابِ شاہی میں) نکلیں۔ اگر کوئی غلام اس کی خلاف ورزی کرتا تو اسے سزا دی جاتی۔ ایک سال گزر جانے پر غلام گردش کا نگراں، حاجب کو، جس کے ماتحت تمام شاہی اسٹاف ہوتا تھا۔ اس تربیتی دور کے ختم ہونے کی اطلاع دیتا تھا۔ حاجب اس بات کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد غلام کو ایک ترکی گھوڑا دے دیتا تھا۔ یہ گھوڑا لگام اور زینِ سادہ سے آراستہ ہوتا تھا۔ تو گویا غلام ایک سال پیادہ خدمت کرنے کے بعد ایک سال گھوڑے اور تازیانہ (کوڑا) کو سنبھالے رہتا تھا۔ اس دوسرے سال غلام کو ایک ٹپکا کمر پر باندھنے کو ملتا تھا۔ پانچویں سال بہتر قسم کی زین، گھوڑوں کے لئے لگام، جس پر ستارہ کا نشان ہوتا تھا، اور شاہی غلاموں والی وردی، ان غلاموں کو دی جاتی تھی۔ چھٹے سال انھیں امتیازی لباس ملتا تھا۔ ساتویں برس ایک عدد خیمہ جس کی سقف (چھت) یکساں اور جس کے نصب ہونے کے لئے سولہ میخیں درکار ہوتیں، ملتا۔ اسی طرح ساتویں سال تین غلام بھی اس کے ماتحت کر دیئے جاتے تھے۔ اب اس کا لقب "وثاق باشی" یعنی غلاموں کا محافظ ہو جاتا تھا۔ اب غلام کو استحقاق حاصل ہو جاتا کہ وہ سیاہ نمدہ کی ٹوپی جس پر چاندی کا کام ہوتا تھا پہن لیتا۔ ساتھ ہی اسے گنجہ (ترکستان میں ایک مقام) کی بنی ہوئی قبا بھی پہنا دی جاتی۔ یوں ہر سال غلاموں کا رتبہ، ان کا معیارِ زندگی، ان کے ماتحتوں کی تعداد، سب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہی غلام ایک پورے عملہ کا سربراہ ہو جاتا تھا۔ آخری درجہ حاجب کا ہوتا تھا جو گویا شاہی عملہ کا سب سے بڑا آدمی ہوتا تھا۔ اب حاجب کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھا جاتا تھا۔ جب سب میں اس کی (حاجب کی) لیاقت مشتہر ہو جاتی۔ اس کے کارنامے بھی سامنے آ جاتے اور اس میں نیابت اور شاہ پرستی کے عناصر نمایاں ہو جاتے۔ تو گویا یہ عہدہ اسے زیب دیتا۔ چھتیس سال سے پہلے پہلے کسی کو امیر نہ بناتے تھے اور نہ کسی علاقہ کا والی مقرر کرتے تھے۔

الپتگین نے جس کی تربیت اور تعلیم و ترقی سامانیوں کی نگرانی میں ہوئی تھی، پینتیس سال کی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری حاصل کر لی۔ الپتگین انتہائی سچا اور باوفا شخص تھا۔ اس میں مردانہ صفات

تھیں۔ وہ مدبر اور قائد اور اپنے ماتحتوں کا عاشق تھا۔ سخی اور فیاض تھا خدا سے ڈرتا تھا۔ غرض اس میں سرداروں کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ والی خراسان کے پاس ایک زمانہ سے دو ہزار سات سو ترک غلام تھے۔ ایک دن والی نے تیس غلام خرید کیے۔ انہی میں ایک سبکتگین بھی تھا۔ سبکتگین یعنی وہی محمود غزنوی کا والد! جس دن یہ سب خریدے گئے ہیں یہ سبکتگین غلاموں کی صف میں الپتگین کے روبرو کھڑا تھا۔ اتنے میں حاجب نے آکے والی کو اطلاع دی کہ فلاں فلاں وثاق باشی (محافظ غلامان) کا انتقال ہو گیا اور اب اس کی جگہ خالی ہے۔ اس وثاقی کا لباس، اثاثہ اور اس کا ترکہ کس غلام کو سونپا جائے۔ الپتگین کی نگاہ سبکتگین پر پڑی تو اس کی زبان سے نکل گیا: اس غلام کو عطا ہو! حاجب بول اٹھا: میرے آقا اس غلام کو آتے ہوئے ہوئے تین دن بھی تو نہیں ہوئے۔ اور اس نے ابھی ایک سال بھی تو ملازمت نہیں کی۔ اس درجہ پر پہنچنے کے لئے تو اسے سات سال کی ملازمت کا ریکارڈ پیش کرنا چاہیے تھا۔ یہ آخر اس عہدہ کا کیسے اہل ثابت ہو سکے گا۔ الپتگین بولا: بس میں نے کہہ دیا اور غلام نے اسے سن لیا اور وہ شکریہ کا کورنش بھی بجا لایا ہے، تو میں ایک بخشی ہوئی چیز اس غلام سے کیسے واپس لے سکتا ہوں لیجئے سبکتگین کو محافظ غلام کا لباس وغیرہ سب کچھ مل گیا۔ اب الپتگین نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر کیا کیا جائے کہ ایک نئے نئے خرید کئے ہوئے غلام کو جسے برسوں کی خدمت کا منصب مل گیا ہے، اس منصب اور اس مقام کے قابل بھی بنا دیا جائے۔ اس نے سوچا سبکتگین جو حقیقت میں عالی خاندان ہے۔ اسے ترکستان میں اقبال مندی حاصل ہونی چاہئے اور اسے ترقی کرنی چاہیئے۔ اب الپتگین نے سبکتگین کو آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے تو اسے مختلف لوگوں کے پاس زبانی پیغام کے ساتھ بھجواتا تھا اور ان پیغاموں کو اسکے جانے سے پہلے سنا بھی جاتا تھا۔ کیا مجال جو پیغام کے دہرانے میں اس سے ذرا بھی غلطی ہوتی! اس تربیت کے بعد اسے جواب لانے کے لئے مختلف مقامات پر روانہ کیا جاتا اور وہ عین پیغام کی منشاء کے مطابق وقت پر جواب لے آتا۔ ان آزمائشوں پر پورا اترتے رہنے کے بعد الپتگین کے دل میں غلام کی محبت گھر کر گئی۔ اسے آبداری یعنی ساقی گری دے دی گئی۔ اور والی کے خاص ملازموں میں اسے شریک کر لیا گیا۔ اور اس کی ماتحتی میں دس غلام دے دیئے گئے۔ روز بروز سبکتگین کو عروج ملتا جا رہا تھا اٹھارہ سال کی عمر میں سبکتگین کی ماتحتی میں دو سو اور غلام آ گئے تھے۔ سبکتگین نے وہی اپنے آقا الپتگین کا انداز اختیار کر رکھا تھا۔ وہی کردار بنایا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ الپتگین نے خلج اور ترکمان کی مہم پر

جانے کے لئے دو سو غلام نامزد کئے۔ مہم یہ تھی کہ خلج اور ترکمان کے لوگوں کو جواب تک لگان نہیں ادا کر سکے تھے تمام واجب الادا رقوم ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ سبکتگین بھی انہی دو سو غلاموں میں شامل تھا۔ وہاں پہنچ کر معاملہ یہ پیش آیا کہ لوگوں نے پورا مال یعنی مطالبہ دینے سے انکار کر دیا۔ البتگین کے غلام غضبناک ہو گئے اور ان لوگوں نے خنجر سنبھال لیے اور لڑائی لڑنے کا ارادہ کر لیا تاکہ بقایا زبردستی حاصل کریں۔ اس موقع پر سبکتگین بولا: میں تو جنگ نہیں کروں گا اور تمہارا اس لڑائی میں ساتھ نہ دوں گا۔ اور جب دوسرے ساتھیوں نے کہا کیوں تو اس نے جواب دیا: ہمارے آقا نے ہم سے جنگ کے لئے تو نہیں کہا تھا، اس نے تو ہمیں حکم دیا تھا کہ حکومت کے مطالبے وصول کر لیں۔ اب اگر ہم لڑتے ہیں اور پھر ہار جاتے ہیں تو یہ ہماری بڑی رسوائی ہو گی اور اس سے ہمارے خداوند کے وقار کو صدمہ بھی پہنچے گا۔ اور ہمارا خداوند ہم سے پوچھے گا کہ بغیر حکم کے تم نے کیوں جنگ کی۔ پھر تا زندگی ہم اس رسوائی اور ملامت سے نجات نہ حاصل کر سکیں گے۔ پھر کیا ہم میں اپنے ولی نعمت کے عتاب کی تاب بھی ہے؟ سبکتگین کی تو تقریر یہ تھی۔ دوسرے لوگ جن کی اکثریت تھی بولے۔ سبکتگین ٹھیک کہتا ہے۔ اس پر غلاموں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ آخر میں جنگ نہیں لڑی جا سکی اور سب لوگ پلٹ آئے اور البتگین کے پاس حاضر ہو گئے اور بتایا خلج اور ترکمان کے لوگوں نے سرکشی کی ہے اور حکومت کے مطالبات نہیں ادا کئے۔ البتگین نے پوچھا: اگر ایسا تھا تو تم نے جنگ کیوں نہ کی۔ اور ان لوگوں سے لڑ کر رقم کیوں نہ وصول کی۔ غلام بولے: ہم نے تو جنگ کرنی چاہی تھی۔ سبکتگین نے ایسا نہ کرنے دیا اور یہ مسئلہ نزاعی مسئلہ بن گیا۔ جس وقت ہم میں دو مختلف رائیں رکھنے والے گروہ ہو گئے تو ہم لوگ لوٹ آئے۔ البتگین نے سبکتگین سے پوچھا: تو نے جنگ سے کیوں گریز کیا؟ اور میرے غلاموں کو جنگ کیوں نہ کرنے دی۔ سبکتگین بولا: میں نے اگر جنگ نہ کی اور نہ کرنے دی تو اس کا سبب یہ تھا کہ خداوند نے ہمیں اس کا حکم نہ دیا تھا اور اگر ہم بغیر حکم کے لڑتے تو گویا ہم میں سے ہر ایک خود ہی آقا بن بیٹھا تھا۔ اور بندگی کے حدود سے نکل چکا تھا۔ بندگی کی علامت یہ ہے کہ آقا کی ہر بات مانی جائے اور وہی کیا جائے جو آقا کی مرضی ہو۔ اگر ہم ہار گئے ہوتے تو خداوند ہم سے کہتا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور تم سے کس نے کہا تھا کہ جنگ کرو۔ پھر ہم اس عتاب کو کیسے سنبھالتے۔ بہرحال اگر حکم ہو تو ہم جنگ کے لئے جانے کو تیار ہیں۔ ہم جاتے ہیں۔ اور جنگ کرتے ہیں۔ اب یا ہم مطلوبہ مال لے کے آتے ہیں یا وہیں خداوند کے فرمان کی راہ میں جان دے دیتے ہیں۔ البتگین یہ سنکر خوش ہوا۔ اس نے کہا سبکتگین ٹھیک

کہتا ہے۔ پھر کیا تھا سبکتگین کو روز بروز ترقی دی جانے لگی ایک دور ایسا بھی آیا کہ سبکتگین کے ماتحت تین سو غلام آ گئے۔ اتنے میں خبر آئی کہ خراسان کے امیر، نوح بن نصر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ البتگین اس موقع پر نشاپور میں تھا۔ بخارا کے دربار کے ممتاز حضرات نے البتگین کو لکھا کہ ایسا ایسا سانحہ وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ امیر خراسان کا انتقال ہو چکا ہے امیر نے ایک تیس سالہ بھائی اور سولہ سالہ بیٹا چھوڑا ہے۔ البتگین، اگر مناسب سمجھو تو ہم لوگ ان دونوں میں سے ایک کو گدی پر بٹھا دیں، اس وقت مملکت کا مدار تمہی پر ہے، البتگین نے فوراً ہی اپنا قاصد روانہ کیا اور لکھا کہ یہ دونوں ہی یعنی امیر کے بھائی اور بیٹے ... تخت نشین ہونے کے مستحق ہیں اور دونوں ہمارے لئے آقازادہ اور شاہ زادہ ہیں جہاں تک بھائی کا تعلق ہے وہ ایک پختہ کار شخص ہے۔ اس نے زمانہ کے سرد و گرم اور نشیب و فراز سب ہی دیکھے ہیں۔ وہ معاملہ فہم ہے۔ لوگوں کو پہچانتا اور اُن کے اوصاف کو سمجھتا ہے۔ نوح کا لڑکا ابھی بہرحال لڑکا ہے اور اس کو دنیا کا تجربہ نہیں ہے میرے نزدیک وہ لوگوں کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ اور شاید اُلٹے سیدھے احکامات نافذ کرنا شروع کر دے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہوگا کہ بھائی کو تخت نشین کرا دیا جائے اسی مضمون کا ایک مراسلہ اور ایک خط ایک دوسرے شخص کے ذریعہ بھجوا دیا۔ پانچ دن کے بعد بخارا سے قاصد پہنچا اور یہ خبر لے آیا کہ بیٹے کو تخت نشین کر دیا گیا ہے۔ اور قاصد نے یہ بھی بتایا کہ البتگین کے دونوں خطوط نے بخارا میں بڑا خلفشار پیدا کر دیا ہے۔ اس پر البتگین بولا: یہ کم عمر لوگ (مراد بخارا کے ارباب حل و عقد) جب اپنی رائے کے مطابق کام کر رہے تھے تو مجھ سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی میرے لئے تو یہ دونوں ہی شہزادے آنکھ کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ میرے لئے کوئی بھی تخت نشین ہو برابر ہے۔ میرا خیال ہے چونکہ میں نے اپنے نامہ میں بھائی کی طرف اشارہ کیا تھا تو ممکن ہے جس وقت وہاں میری تحریر پہنچے بادشاہ کے بیٹے کو یہ بات پسند نہ آئے۔ یقیناً نیا بادشاہ خیال کرے گا کہ میں کسی خاص وجہ سے مرحوم بادشاہ کے بھائی کی طرف مائل ہوں اس سے اسے گرانی خاطر ہوگی اور میری جانب سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اہل غرض الگ نوجوان بادشاہ کے کان بھریں گے اور اسے میرے خلاف اکسائیں گے۔ اسی وقت پانچ سانڈنی سوار روانہ کر دیئے گئے۔ انھیں ہدایت یہ ملی تھی کہ قبل اس کے کہ قاصد دریائے جیحوں عبور کر سکیں انھیں لوٹا لایا جائے سوار قاصدوں کے پیچھے بھاگے اور ان دو میں سے ایک کو بیابان آمویہ (دریائے آمو کی ترائی) میں جا لیا اور اسے لوٹا لائے۔ البتگین کی تحریر بخارا پہنچی تو بادشاہ کے بیٹے کے ہمدرد اور ہوا خواہ چیں بہ جبیں ہوئے اور بولے: دیبہ البتگین نے کچھ اچھا نہیں کیا کہ بھائی

کے لئے سفارش کی، ان لوگوں کا کہنا تھا: باپ کی میراث بیٹے کو ملتی ہے نہ کہ بھائی کو۔ یہی بات بار بار کہی جاتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹے کا دل البتگین سے بالکل ہی متنفر ہو گیا۔ البتگین نے بہت معذرت چاہی۔ ارادت مندی اور بندگی کے بہت سے ثبوت دیئے لیکن جیسے نئے بادشاہ کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اور کوئی قوت اس کے دل کا وہ ملال دور نہ کر سکی۔ اہل غرض اور فسادی لوگ اور بات کا بتنگڑ بناتے تھے اور نوح کا بیٹا جو اب تخت نشین تھا کچھ اور البتگین سے آزردہ ہوجاتا تھا۔ اس کے دل میں نفرت اور حقارت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا

البتگین کا قصہ یہ تھا کہ اسے احمد اسمٰعیل نے خریدا تھا البتگین نے نصر احمد کے بیٹے کی بھی، اس کے آخری زمانہ میں خدمت کی تھی۔

نوح کے زمانہ میں اسے خراسان کی سپہ سالاری ملی۔ نوح کے مرنے پر اسی منصور بن نوح کو بادشاہی کی مسند پر بٹھا دیا گیا منصور کی بادشاہی پر چھ سال گذر گئے تھے۔ البتگین مال سے دولت سے تحریر سے نامہ وپیام سے، ہر ممکن کوشش کرتا رہا کہ منصور کا دل ہاتھ میں لے لے لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا منصور کا دل ویسا ہی اس کی جانب سے رنجیدہ رہا۔ البتگین کے آدمی بخارا کے فسادی اور غرض مند لوگوں کی ریشہ دوانیوں کی اسے خبر دیتے جاتے تھے نوبت یہ پہنچ گئی کہ بخارا میں منصور کے مشیروں نے اس اس سے کہا: جب تک تم البتگین کو نہ مار دو گے تم بادشاہ ہی نہیں۔ اور تمہارے احکام چلنے کے نہیں۔ پچاس برس گذر چکے ہیں۔ البتگین عملی طور پر خراسان کا بادشاہ ہے۔ فوج صرف اسی کی بات سنتی ہے، اسے قتل کر کے اس کے مال سے تم اپنا خزانہ بھی بھر سکتے اور بالکل مطمئن ہو جاؤ گے۔ اب اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم البتگین کو دربار میں طلب کرو اور یہ ظاہر کرو کہ جب سے ہم تخت نشین ہوئے ہیں، ایک تم ہی آستانہ پر حاضر نہ ہوئے۔ اور از سر نو میری بیعت نہ کی۔ ہم تم سے ملاقات کے آرزو مند ہیں۔ اس لئے کہ آج تم باپ کی جگہ ہمارے لئے بزرگ ہو۔ اس وقت تم پر ہی اس مملکت کا دارو مدار ہے اور اس ملک کی ساری رونق تمہارے دم سے ہے۔ اور یہ جو تھوڑی سی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے یہ سب تمہارے آستانہ پر حاضر نہ ہونے کے سبب سے ہے۔ جلد از جلد آستانہ پر حاضری دو اور یہاں بخارا کے دربار میں جو جو بھی بے عنوانیاں اور بے قاعدگیاں تھیں۔ ان سب کو دور کردو۔ اس سے ہمارا اعتماد تم پر بڑھ جائے گا اور تمہارے مخالفوں کا بھی منہ بند ہو جائے گا۔ غرض یہ مشورہ نئے بادشاہ کو دیا گیا کہ البتگین کو یہ لکھا جائے، اور جس وقت وہ یہاں آجائے تو اسے خلوت اور تنہائی میں بلوا کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ امیر منصور بن نوح نے ایسا ہی کیا اسے آستانہ پر طلب کیا۔

البتگین کے مخبروں اور جاسوسوں نے اس کو تمام واقعات کی اطلاع پہنچادی۔ اب البتگین نے اس بات کا اعلان کروادیا کہ سب لوگ تیار ہوجائیں تاکہ بخارا چلا جاسکے۔ نشاپور سے کوچ کرکے البتگین سرخس کے مقام پر آیا۔ اس وقت اس کے ساتھ تقریباً تیس ہزار سوار تھے۔ خراسان کے تمام سردار اور امیر بھی البتگین کی رکاب میں موجود تھے۔ تین دن پڑاؤ رہا۔ اس کے بعد لشکر کو طلب کرکے البتگین بولا: مجھے تم لوگوں سے کچھ کہنا ہے اور جو کچھ کہنا ہے بہت ضروری ہے۔ اب تم لوگ مجھے اس باب میں مناسب مشورہ دو۔ امراء بولے: ہم سب فرماں بردار ہیں۔ ایسا ہی کریں گے۔ اب البتگین نے کہا: تم بتا سکتے ہو امیر منصور مجھے کیوں طلب کررہا ہے؟

امراء: غالباً وہ آپ سے ملاقات اور تجدید محبت کا طالب ہوگا اس لئے کہ آپ امیر کے لئے باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ اس خاندان کے لئے،

البتگین: تمہارا خیال غلط ہے۔ اس بادشاہ نے مجھے اس لئے طلب کیا ہے کہ میرا سر تن سے جدا کردے! دراصل بادشاہ ابھی ایک کم عمر لڑکا ہے اور اسے دلاوروں اور مردانِ عمل کی قدر نہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ سامانیوں کی سلطنت کا میں ساٹھ سال سے محافظ ہوں جس وقت ترکستان کے خان نے اس خاندان کو تباہ کرنا چاہا تو میں نے ہی اس کی قوت توڑی تھی۔ اسی طرح ہر طرف سے یورش کرنے والے باغیوں کی میں ہی سرکوبی کرتا رہا ہوں۔ میں کبھی ایک لمحہ کے لئے اس خاندان کا باغی نہیں ہوا اور ہمیشہ ان لوگوں کا وفادار رہا۔ میری ہی وجہ سے موجودہ بادشاہ کے باپ اور دادا حکومت کرتے رہے۔ اب میری خدمات کا صلہ یہ دیا جارہا ہے کہ بادشاہ میرے تن سے میرا سر جدا کرنے کی سوچ رہا ہے۔ وہ یہ بھولتا ہے کہ اس کی سلطنت ایک تن ہے اور میں اس کا سر ہوں۔ سر ہی دھڑ سے جدا ہوگیا تو دھڑ میں کیا رکھا رہے گا۔ اب تم لوگوں کے خیال میں اس خطرے کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے

امراء: اس مرض کا علاج ہماری تلواریں کریں گی جب بادشاہ تمہارے بارے میں سوچ سکتا ہے اے سردار، تو ہم اس سے کس چیز کی توقع کرسکتے ہیں۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو آج سے پچاس سال پہلے حکومت پر قابض ہوگیا ہوتا۔ اور انھیں (آلِ سامان کو) نکال باہر کیا ہوتا۔ ہم سب تو تمہیں جانتے ہیں۔ بادشاہ کو نہیں جانتے اور نہ بادشاہ کے والد کو تم سے زیادہ شاہی کے لئے موزوں بھی کون ہوسکتا ہے ہم تمہارا ہی دیا کھاتے ہیں اور آج جو ہم لوگوں کو عزت اور وقار حاصل ہے سب تمہارا فیض ہے۔ ہم سب تمہارے

حکم پہ چلیں گے۔ خوارزم، خراسان اور نیم روز کے علاقوں میں تمہارے لئے اطاعت اور وفاداری کے جذبات موجود ہیں۔ منصور بن نوح کو گولی مارو، اپنی بادشاہت کا اعلان کردو۔ اگر پسند کرنا تو اپنی طرف سے منصور کو بخارا اور سمرقند بخش دینا۔ اگر پسند نہ کرنا تو یہ علاقے بھی خود ہی لے لینا۔

البتگین (امراء کا اپنی جانب یہ میلان دیکھنے کے بعد) اللہ تم لوگوں کو جزائے خیر دے۔ میں تو تمہیں آزمارہا تھا۔ میں جانتا ہوں تم نے یہ جو کچھ کہا ہے سچائی اور خلوص کے جذبات سے متاثر ہو کے کہا ہے۔ مجھے تم لوگوں سے اسی کی توقع تھی۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو سچائی کا صلہ دے۔

جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا البتگین کے پاس تیس ہزار سوار تھے اور اگر وہ چاہتا تو اسے ایک لاکھ سوار اور مل جاتے۔ دوسرے دن امراء سے مخاطب ہو کر ذیل کی تقریر کی:

"میں دراصل اس گفتگو سے تم کو آزمارہا تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم لوگ میرا ساتھ دوگے یا نہیں اور اگر مجھے کوئی مہم پیش آجائے تو میرے لئے سینہ سپر ہو گے یا نہیں۔ تم نے اس وقت بڑی وفاشعاری دکھائی ہے۔ اور حق نعمت ادا کیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ میں اس نوعمر لڑکے سے تلوار کی جنگ نہیں لڑوں گا۔ آخر کو تو یہ لڑکا ہی ہے۔ ابھی برا اچھا برا نہیں سمجھتا۔ بس چند خود غرضوں کے کہنے میں آگیا ہے۔ اور مصلحت کے تقاضے کیا ہیں یہ نہیں سمجھتا۔ میں نے اس خاندان کی ہمیشہ خدمت کی ہے اب یہ مجھے چھوڑ رہا ہے یہ شخص چند ملک دشمن بدخواہوں کو جو مملکت کی حفاظت نہیں کرسکتے اپنا دوست سمجھے بیٹھا ہے۔ اس نے میری جان لینے کا ارادہ کیا ہے۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ میں اس سے سلطنت چھین کر اس کے چچا کو تخت نشین کرسکتا ہوں یا خود تخت نشین ہو سکتا ہوں۔ لیکن پھر سوچتا ہوں دنیا کیا کہے گی اگر میں ایسا کروں گا تو کہنے والے کہیں گے دیکھا البتگین نے ساٹھ برس تک سامانیوں یعنی اپنے آقاؤں کے لئے خون پسینہ ایک کیا اور جب اس کی عمر اسی برس کی ہوئی تو خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت ان سے چھین کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ کیسا کفران نعمت کیا اس نے البتگین نے کہا میں اس بڑھاپے میں یہ سب نہیں سننا چاہتا۔ میں نے تمام عمر نیک نامی میں گذاری ہے اور اب کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ دنیا میں اپنی شہرت خراب کروں۔ یہ مانا کہ غلطی نوجوان بادشاہ کی ہے لیکن سب تو یہ نہیں جانتے کچھ لوگ مجھے غلطی پر مانیں گے مجھے سلطنت کی کوئی آرزو نہیں۔ اور نہ میں موجودہ خاندان کی تباہی کا خواہاں ہوں پھر بھی زبان خلق کو کون پکڑے گا۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ امیر——

مجھ سے روز بروز بدظن ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں نے یہ طے کیا ہے۔ کہ میں خراسان ہی کو چھوڑ دوں تاکہ خود غرض لوگوں کو کچھ کہنے کو نہ رہ جائے۔ اس کے بعد چونکہ پیٹ بھرنے کے لئے مجھے بہر حال تلوار اٹھانی ہوگی تاکہ میری یہ باقی عمر کٹ سکے اس لئے کیوں نہ میں جہاد پر چلا جاؤں اور کافروں پر تلوار اٹھاؤں تاکہ کچھ ثواب بھی ملتا رہے۔ خراسان۔ خوارزم۔ نیمروز۔ اور ماوراء النہر کا لشکر کوئی میرا لشکر نہیں ہے یہ لشکر منصور کا لشکر ہے۔ تم سب اس کے فرمانبردار ہو۔ اور میں اس کی طرف سے تم پر حکم چلاتا ہوں۔ اب تم لوگ یہاں سے اٹھ کر منصور کے آستانہ پر حاضری دو۔ اس سے ملو اور نئے احکامات لے کر خدمت میں مشغول ہو جاؤ۔ میں تو اب ہندوستان کو چلا۔ وہاں میرا ارادہ جہاد کرنے کا ہے۔ مر گیا تو شہید ہوں گا کامیاب ہوا تو کفر کی دنیا میں اسلام قائم کر دوں گا اور پھر جنت کا امیدوار بن جاؤں گا۔ اس سے اگر منصور کے دل کی ناگواری ختم ہو جائے اور یہ بحث جو چل پڑی ہے رک جائے تو منصور اس کی مصلحت مجھ سے بہتر سمجھے گا۔ ورنہ میں ثواب چاہ ہی رہا ہوں۔ خراسان کے عوام اور فوج سے الپتگین نے یہ کہا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ اور امراء میں سے ایک ایک کو بلا کے اسے الوداع کہی۔ امراء نے ہر چند اصرار کیا لیکن الپتگین نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ اب ان لوگوں پر رقت طاری ہو چکی تھی۔ یہ کہتے تھے اور جدا ہوتے تھے۔ یہ سب ہو لیا تو الپتگین اپنے حرم میں چلا گیا۔ ابھی تک کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ الپتگین واقعی خراسان چھوڑ کے ہندوستان چلا جائے گا۔ لوگ سوچتے تھے۔

الپتگین کے پاس پانچ سو نو مخصوص مواضعات تھے۔ کوئی شہر نہ بچا تھا جہاں الپتگین کے مملوکہ مکانات باغات، سرائیں اور حمام وغیرہ نہ ہوں۔ الپتگین کے پاس بے شمار چراگاہیں بھی تھیں۔ دس لاکھ بھیڑوں اور بکریوں کا اس کے پاس گلہ تھا۔ ایک لاکھ کی تعداد میں گھوڑے، اونٹ اور خچر تھے۔ یہ سب دولت تھی لیکن سامانیوں کے دیس میں ایک دن کتنی عجیب سی بات ہوئی کہ نقارے بج گئے اور الپتگین اپنے غلاموں اور خواص کے ساتھ کوچ کر گیا۔ اور ان تمام نعمتوں کو، دولتوں اور ثروتوں کو چھوڑ دیا۔ اور امراء خراسان بخارا پہنچ گئے۔ الپتگین بلخ پہنچا تو اس نے وہاں دو ایک ماہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ ماوراء النہر، ختلان اور بلخ کے اطراف میں جو لوگ جہاد کے لئے آمادہ ہوں وہ بھی ان مجاہدوں سے آملیں جو اس کے ساتھ تھے۔ منصور کو اس کے بدخواہوں نے پھر بھڑکایا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ الپتگین ایک گرگ باراں دیدہ (بوڑھا اور تجربہ کار بھیڑیا) ہے۔ اس سے تمہیں چین نہ مل سکے گا جب تک کہ آ

اپنے راستہ سے صاف نہ کردو گے۔ اس لئے اس کے پیچھے ایک فوج بھیجنی ضروری ہے۔ جو اسے گرفتار کرکے تمہارے حضور میں پیش کرے۔ منصور نے ایک امیر کو سولہ ہزار سوار کے ساتھ بخارا سے بلخ بھجوا دیا۔ مقصد تھا الپتگین کی گرفتاری۔ منصور کا لشکر ترمذ پہنچا۔ اور جیحوں سے گذر گیا۔ الپتگین نے کوچ کا حکم دیا اور غلم کی طرف چلدیا۔ غلم اور بلخ کے درمیان ایک بہت ہی تنگ سا درہ ہے وہاں یہ سب کے سب بیٹھ گئے۔ مجبوری بھی کیونکہ آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔ الپتگین کے دو سو ذاتی اور زر خرید غلام تھے۔ یہ سب بڑے دلاور اور اچھے لڑنے والے تھے۔ جہاد کے لئے آٹھ سو آدمی الگ تیار بیٹھا تھا۔ لیجئے منصور کا لشکر بھی آپہنچا۔ یہ لوگ صحرا اور اور کھلے میدان میں اتر پڑے۔ الپتگین کے آدمی درہ سے ہو کے گذر بھی نہ سکتے تھے۔ دو ماہ یوں ہی گذر گئے یہ لوگ وہیں پڑے رہے۔ دو ماہ کی مدت تمام ہوئی تو اب سبکتگین کی باری تھی کہ وہ حفاظتی دستہ کی کمان سنبھالے۔ سبکتگین نے درہ کے منہ کے پاس کھڑے ہو کر جو دیکھا تو آدمی ہی آدمی دیکھے۔ اب وہ ہر اول دستہ کے ساتھ مخالفوں کو تاک رہا تھا اور ان کی نقل و حرکت کا معائنہ کر رہا تھا۔ الپتگین کے پاس آکر سبکتگین بولا: اے میرے آقا آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ تو امیر خراسان کو بخش آئے اور اس کے لئے چھوڑ آئے۔ جہاد کی تیاری بھی آپ نے کرلی ہے۔ اور یہ لوگ جو اس وقت صحرا میں پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں آپ کی جان کے دشمن ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جوں جوں نیکی کرتے ہیں یہ لوگ اور انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے اور مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس روش سے ہم سبھی برباد اور ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ بھی۔ ہم سب بھی۔ اب تلوار اٹھانی ہی پڑے گی۔ جب تک ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں گے یہ لوگ ٹلنے کے نہیں ہیں۔ اللہ مظلوموں کا مددگار اور حامی ہے۔ اس کے بعد سبکتگین اپنے دستہ کے غلاموں سے مخاطب ہوا اور بولا: آج یہ دن ہمیں دیکھنا پڑا ہے اور اب یہ کام ہمیں کو کرنا ہوگا۔ اگر آج یہ لوگ ہم پر غلبہ پاگئے تو ہم میں ایک شخص بھی زندہ نہ بچے گا۔ آج میں ان لوگوں سے ٹکر لیتا ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ خواہ الپتگین اس کی اجازت دے یا نہ دے خواہ کچھ بھی ہو۔ یہ کہہ کے سبکتگین اپنے آدمیوں کے ساتھ غنیم پر چھاپہ مار کر دشمن کے لشکر کے اندر گھس گیا۔ بالکل اچانک طور پر سبکتگین نے حملہ کیا تھا چنانچہ جب تک منصور کے آدمی ہتھیار پہنیں اور گھوڑے پر سوار ہوں۔ کام ہو چکا تھا۔ اور غنیم کے لشکر میں رخنہ پڑ چکا تھا۔ ایک ہزار سے زائد آدمی کھیت رہے اور جس وقت دشمن کے لشکر نے زور باندھا تو سبکتگین پھرتی کے ساتھ واپس پھر آیا۔ اور درہ کے منہ کے قریب آگیا۔ الپتگین کو واقعہ کی اطلاع دی گئی اسے بتایا گیا کہ سبکتگین نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ بوڑھے سردار نے سبکتگین کو بلا کے کہا: تم نے جلدی سے

کام لیا۔ تمہیں صبر کرنا چاہیئے تھا۔ سبکتگین نے جواب دیا: آخر ہم کب تک صبر کریں۔ صبر اور برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اپنی حفاظت کے لئے، اپنے بچاؤ کے لئے کوشش تو کی ہی جاتی ہے۔ یہ کام صبر سے نہیں ہونے کا۔ اس کے لئے تلوار اُٹھانی ہوگی۔ جو تمام عمر میں اپنے آقا کے لئے اُٹھاتا رہوں گا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ الپتگین نے کہا کہ اب تو تم فتنے کو جگا ہی چکے ہو۔ اب ایک زیادہ بہتر تدبیر کرنی چاہیئے۔ لوگوں سے کہہ دو کہ خیمے اُکھاڑ دیں۔ اور بار باندھ لیں۔ اور مغرب کے بعد کوچ کر جائیں اور اپنا ساز و سامان اُٹھا لے جائیں۔ درہ کو اندر سے صاف کر دیا جائے۔ اور اس میں ایک ہزار مسلح آدمی چھپ جائیں۔ یہ آدمی تمہارے دائیں طرف چھپیں۔ اور تم ایک ہزار آدمی لیکر بائیں طرف فلاں فلاں درہ میں پہنچ جاؤ۔ ادھر میں ہزار سواروں کے ساتھ درہ سے باہر نکل جاؤں گا۔ اور صحرا میں رُک جاؤں گا۔ آخر دوسرے دن یہ لوگ درہ کے قریب آئیں گے ہی اور جب کسی کو نہ دیکھیں گے تو خیال کریں گے الپتگین چلا گیا۔ بھاگ گیا۔ چنانچہ پھر یہ لوگ بغیر کچھ سوچے سمجھے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے اور ہمارا پیچھا کریں گے۔ یہ لوگ ظاہر ہے درہ کے اندر بھی داخل ہو جائیں گے۔ جس وقت یہ درہ میں آدھی دور آ جائیں تو تم لوگ اس وقت مجھے میدان میں دیکھو گے اب تم دائیں اور بائیں دونوں جانب سے اپنی کمین گاہوں سے نکل آنا اور تلواریں سونت لینا۔ جس وقت شور بلند ہوگا تو اس وقت تک یہ لشکر میرے مقابل آ چکا ہوگا کچھ پیچھے بھاگیں گے یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہو رہا ہے اور کچھ جو درہ کے اندر رہ جائیں گے وہ بھی پیچھے بھاگیں گے۔ کچھ تو تمہاری تلوار کے ذریعہ ٹھکانے لگیں گے اتنے میں میں پیچھے سے حملہ کر دوں گا پھر تم درہ کے اندر سے باہر کی طرف حملہ کر دو۔ جو درہ کے اندر رہ جائیں گے۔ ان سے میں نمٹ لوں گا۔ جو مقابلہ پر آئیں گے انھیں میں مار دوں گا۔ البتہ رات آئے گی تو انھیں بھاگنے دیا جائے گا۔ اور بھاگنے کی راہ صرف رات کو کھول دی جائے گی۔ اس موقع پر ہم پھر ان پر پیچھے سے ٹوٹ پڑیں گے اور غنیمت کا مال لوٹ لیں گے۔ یہی کیا گیا۔ یہ لوگ (الپتگین کے آدمی) درہ سے باہر نکل آئے۔ دوسرے دن صبح ہی صبح امیر خراسان (منصور) کی فوج ہتھیار بند ہوگئی۔ اور جنگ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ اور درہ کے منہ پر آ گئی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ ان لوگوں نے سوچا یہ بھاگ لئے۔ چنانچہ لشکر کو وہیں آتار لیا گیا۔ اور اہل لشکر سے کہا گیا کہ درہ سے نکل کر میدان میں آ جائیں اور بس گھڑی کی گھڑی میں وہ الپتگین کے آدمیوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اور الپتگین کو گرفتار کر لیں گے۔ اس کے بعد فوج کو بڑی عجلت سے آگے بڑھا دیا گیا۔ اچھے لڑنے والے سب سے آگے آ گئے۔ یہ لوگ درہ سے باہر نکل آئے۔ الپتگین کو انھوں نے دیکھا

کہ ایک ہزار سوار اور تھوڑی پیادہ فوج کے ساتھ وہ میدان میں رُکا ہوا ہے۔ اب جب وقت آدھا لشکر درہ سے نکل آیا تو دائیں جانب سے ایک ہزار آدمی ٹوٹ پڑے۔ اور حملہ کر دیا اور درہ کے اندر تلوار کے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔ جو لشکر کہ آگے بڑھ رہا تھا اسے بھی پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اسے شکست دے دی گئی۔ ساری قوت دشمن کی منتشر ہو چکی تھی۔ ادھر سبکتگین نے دائیں طرف سے حملہ اول دیا اور شمشیر سنبھال لی۔ ترکی لالو اور سوریا بھی اس سے مل گئے۔ ان دونوں دستوں نے اپنا کام کر کے درہ سے اپنے کو نکال لیا۔ اب البتگین نے سامنے سے حملہ کر دیا اور دیکھتے دیکھتے دشمن کی فوج کو مار گرایا۔ اب دشمن بھاگ رہا تھا۔ اور جہاں اسے پناہ مل رہی تھی پناہ گزیں ہو رہا تھا۔ البتگین کے غلام بھی درہ سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں گھوڑے خچر اور اونٹ، اور سونے اور چاندی کی چیزیں، دیبا، غلام، خلاصہ یہ کہ جو بھی ہاتھ آیا سب لے بھاگے۔ البتہ خیمہ اور فرش فروش قسم کی چیزیں یہ لوگ چھوڑ گئے اور اب اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ ایک ماہ کی مدت تک بلخ کے دیہاتی اور مزارعین اس لوٹ کے مال سے لیتے رہے۔ لاشیں گننے پر معلوم ہوا کہ چار ہزار سات سو پچاس آدمی مارے گئے تھے۔ زخمی اس کے علاوہ تھے۔ اب البتگین نے کوچ کر دیا۔ اس کے بعد البتگین کی جھڑپ بامیوں سے (ایک قبیلہ کا نام) ہوئی۔ بامیوں کے امیر نے اس سے جنگ کی لیکن گرفتار ہو گیا۔ البتگین نے اسے معاف کر دیا اور اسے خلعت دی۔ اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا یا کم از کم اسے بیٹا کہہ کے مخاطب کیا۔ امیر بامیاں کو شیر بارک دلاغر اندام شیر، بھی کہتے تھے (ملک طاہر بن احمد صفار کا بھی یہی لقب تھا۔ مترجم)۔ وہاں سے یعنی بامی قبیلہ کو شکست دے کر البتگین کابل چلا آیا اور امیر کابل کو شکست دے دی۔ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا اس کے بعد [illegible] نوازا اور اس کے والد کے پاس بھیج دیا۔ یہ امیر کابل لویک کا داماد تھا۔ اس کے بعد یہ غزنین پہنچا امیر غزنین بھاگ نکلا اور سرخس پہنچ گیا۔ البتگین غزنین کے دروازہ پر پہنچا تو لویک باہر نکل آیا اور اس نے جنگ کی۔ ایک بار پھر کابل کے امیر کو گرفتار کر لیا گیا۔ غزنین کے امیر کو بھی شکست ہو گئی۔ البتگین نے اس شہر کا بھی محاصرہ کر لیا۔ زادستان کے لوگ البتگین سے بہت خائف تھے کہ جانے یہ ان سے کیسا برتاؤ کر بیٹھے۔ اس نے اب اعلان کروا دیا کہ کسی شخص کو بغیر قیمت ادا کئے کوئی چیز نہیں لینی چاہیے اور معلوم ہو جائے گا کہ کسی نے ایسا کیا تو ایسے شخص کو سزا دی جائے گی۔ ایک دن البتگین کی نگاہ اپنے ایک ترک غلام پر پڑ گئی۔ یہ غلام ایک توبڑہ میں گھاس لئے تھا اور اپنے جھولے سے ایک مرغی باندھ رکھی تھی۔ البتگین نے کہا: ذرا اس غلام کو میرے پاس لے آنا۔ لوگ اسے لے آئے۔ اب ذرا غلام اور امیر کا مکالمہ سُنیئے۔

البتگین: یہ مرغی تم کہاں سے لے آئے ہو؟

غلام: میں نے ایک دیہاتی سے لیا ہے اسے،

البتگین: کیا تمہیں خزانہ سے ہر ماہ بیس کان (ایک سکہ کا نام) تنخواہ نہیں ملتی۔

غلام: کیوں نہیں۔ مجھے یہ تنخواہ ملتی ہے

البتگین: پھر تم نے یہ مرغی پیسے دے کر کیوں نہیں خریدی۔ اور دیہاتی سے اسے زبردستی کیوں لیا؟

اسی وقت البتگین نے حکم دیا کہ ترک کے بدن کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اور اعلان کروا دیا کہ جو بھی مسلمانوں کا مال اس طرح لے گا اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ یعنی وہ معاملہ ہوگا جو اس غلام کے ساتھ ہوا ہے۔ اس سزا کے بعد البتگین کے لشکر پر سخت ہراس طاری ہوا۔ اور اس علاقہ کی رعایا نے بھی امن وامان کی فضا میں سانس لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر اُدھر کے دیہاتی ہر روز لشکر گاہ کے پاس اتنا کچھ فروختگی کے لئے لاتے تھے کہ جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن کیا مجال کہ کوئی سپاہی ایک سیب کا دانہ بھی زبردستی اٹھاتے۔ شہر کے لوگوں نے یہ امن اور یہ انصاف دیکھا تو کہنے لگے ہمیں تو بس ایسا بادشاہ ملنا چاہیئے کہ وہ انصاف کرتے خواہ وہ کوئی ہو ہمیں ایسا بادشاہ چاہیے کہ ہمارے اہل وعیال اس کے دور میں سکھ اور چین سے جئیں۔ اور ہمارا مال اور ہماری دولت محفوظ رہیں۔ انصاف ہونا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا غیر ترک، لیجئے شہر کا دروازہ خود بخود کھل گیا بغیر قتل و غارت کے قوم البتگین کے پاس خود ہی آگئی۔ اور خود مطیع ہوگئی۔ لویک نے یہ دیکھا تو بھاگ نکلا اور قلعہ میں جا کے بیٹھ رہا لیکن بیس دن بعد قلعہ سے نکل کے خود ہی البتگین کے سامنے پیش ہو گیا۔ البتگین نے اسے کچھ جاگیر بخش دی، اور اس کی معاش کا بند وبست کر دیا۔ کسی کو نہ ستایا۔ اور غزنین کو اپنا وطن بنا لیا وہیں غزنین سے یہ اب ہندوستان پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اور غنیمت (لوٹ کا مال) لے کے واپس آجاتا تھا غزنین سے کافروں کے دیس تک (مراد اس دور کا ہندوستان) بارہ دن کا رستہ تھا۔ خراسان، ماوراءالنہر اور نیمروز کے علاقوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ البتگین نے ہندوستان کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور اسے بے شمار علاقے، زروسیم (سونا چاندی)، چارپائے، غلام اور غنیمت کا مال ہاتھ لگے ہیں۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے لوگ اس کی جانب ٹوٹ پڑے۔ اب اس کے ارد گرد چھ ہزار سوار جمع ہو چکے تھے۔ اس نے ہندوستان کا کافی حصہ لے لیا تھا اور بھاپور (اس زمانہ کے کسی ہندوستانی شہر سے مراد ہے۔ مترجم) تک اپنا قبضہ جما لیا۔ ایک ہندوستان کا راجہ (غالباً اننگ پال) ڈیڑھ لاکھ سوار اور پیدل اور پانچ سو ہاتھیوں کے ساتھ سامنے آیا تاکہ البتگین کو ہندوستان

سے نکال باہر کرے یا اسے اور اس کے لشکر کو تباہ کر ڈالے۔ دوسری جانب ایک اور گل کھلا۔ منصور یعنی امیر خراسان نے بلخ اور خلم میں اپنے لشکر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ابوجعفر کو پچیس ہزار سوار کے ساتھ الپتگین سے جنگ کے لئے بھیجدیا۔ الپتگین نے امیر خراسان کے لشکر کو غزنین سے دو تین میل کے قریب تک آجانے دیا اور سب سے پہلے اپنے چھ ہزار سواروں کے ساتھ اسی پر ٹوٹ پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے پچیس ہزار سواروں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ ابوجعفر کو اس بار جو شکست ہوئی وہ اس شکست سے بھی زیادہ سخت تھی۔ جو خراسان کے لشکر کو بلخ میں ہوئی تھی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ ابوجعفر ہارا اور بھاگ نکلا۔ لیکن دہقانیوں نے اسے پکڑ لیا اس کا گھوڑا لے لیا۔ اس کے کپڑے چھین لئے۔ اب وہ بھیس بدل کے بلخ چلا گیا۔ اس کے بعد امیر خراسان کو الپتگین کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ الپتگین نے جو ملک چھوڑا تو سامانیوں کے خاندان اور اس کی سلطنت میں زبردست ضعف پیدا ہوگیا۔ اب ترکستان کے خاندان نے اس خاندان کو ہڑپ کر جانا چاہا اور ان کا بہت سا علاقہ لے لیا الپتگین ابوجعفر سے فارغ ہوا تو ہندوؤں کے راجہ سے نمٹنے لگا اور خراسان اور ہر طرف علاقہ میں خطوط بھیجے۔ اور مدد طلب کی۔ بے شمار لوگ مال کی طمع میں آئے جس وقت لشکر آراستہ ہوا تو معلوم ہوا کہ پندرہ ہزار تھا۔ پانچ ہزار پیدل فوج الگ تھی۔ مسلح جوانوں پر مشتمل۔ یہ فوج ہندوستان کے راجہ سے الجھ گئی۔ دفعتہً یہ لشکر راجہ پر ٹوٹ پڑا اور بے شمار آدمی مار دیئے۔ اور لغیر غنیمت لوٹتے ہوئے واپس لوٹنے۔ ہندوؤں کی فوج نے ہرچند پیچھا کیا حملہ آور ہاتھ نہ آئے۔ ایک اونچی سی پہاڑی تھی۔ اور دو پہاڑیوں کے بیچ میں ایک درہ تھا۔ ہندوستان کے راجہ کا راستہ اسی درہ سے گذرتا تھا الپتگین نے درہ کے منہ پر قبضہ کرلیا۔ راجہ ادھر سے آیا تو راستہ بند پایا۔ وہیں اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔ دو مہینے اس نے وہاں قیام کیا۔ الپتگین باہر نکل کے ہندوؤں کو مار رہا تھا۔ سبکتگین نے اس جنگ میں بڑی جانفشانی دکھائی۔ اور اسے بعض اہم کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اب راجہ کے لئے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا۔ پیچھے بھی نہ ہٹ سکتا تھا۔ آخر میں شاہ ہندوستان نے کہا کہ تم لوگ یہاں روٹی کی خاطر آئے ہو۔ میں تمہیں مال و دولت دیتا ہوں۔ قلعے تمہارے سپرد کرتا ہوں تم ہمارے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ اور اپنی مراد حاصل کرلو۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر یہ ہوگیا کہ راجہ کے چلے جانے کے بعد قلعے، الپتگین کے آدمیوں کے سپرد نہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ جس وقت الپتگین، قلعوں پر قبضہ کرنے پہنچا تو قلعہ داروں نے اسے قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ اب الپتگین کے لئے اسے برداشت کرنا دشوار تھا۔ اس نے کہا: اب ان میں اور مجھ میں جو عہد و پیمان تھا وہ ٹوٹ چکا ہے اور اب اس نے از سر نو حملے

شروع کر دیئے اور قلعوں کا محاصرہ شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں البتگین مر گیا اب سب غلام سراسیمہ ہو گئے۔ وہ نہ جانتے تھے کہ کیا کریں کیا نہ کریں؛ ان کے چاروں طرف کفار کی فوج تھی بہرحال یہ لوگ صلاح و مشورہ کے لئے بیٹھ گئے۔ انھوں نے سوچا البتگین کا کوئی بیٹا تو ہے نہیں کہ اسے اس کی جگہ بٹھا دیا جائے۔ پھر سوچا: ہم نے ہندوستان میں اپنی ایک ہیبت اور حشمت قائم کر لی ہے۔ ہندوؤں کے دلوں میں ہماری دہشت بیٹھ گئی ہے اس وقت اگر ہم لوگ اس میں الجھ گئے کہ فلاں کہے میں بڑا ہوں اور فلاں کہے نہیں میں بڑا ہوں تو ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ اور دشمن ہم پر غلبہ حاصل کر لے جائے گا۔ جہاں ہم میں آپس میں چلی تو بس یہ تلوار جو اب تک دشمن کے سر پر چمکتی تھی ہمیں کو کاٹنا شروع کر دے گی۔ اس طرح یہ ہاتھ آیا ہوا ملک ہم سے نکل جائے گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اپنے میں سے ایک موزوں آدمی کو انتخاب کر لیں اور اسے اپنا سردار بنا لیں اور وہ پھر جو بھی کہے اسی کے مطابق ہم عمل کریں۔ بس ہم ایسا سمجھیں کہ ہمارا نیا سردار خود البتگین ہے۔ سب نے یہ بات قبول کر لی۔ اب انتخاب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ پہلے تمام خواص غلاموں کو ذہن میں رکھا گیا۔ پھر ایک ایک کے اچھے اور برے پہلو دیکھے بھالے گئے پیچھے سبکتگین کا نام بھی لے لیا گیا۔ اس نام کو سنکر جیسے بحث یکلخت بند ہو گئی۔ جیسے سب اسی نام کے منتظر تھے۔ ایک آدمی بول اٹھتا ہے: سبکتگین کو البتگین نے ہم میں سب سے پہلے خریدا تھا۔ اس نے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ ایک اور شخص بولا: سبکتگین میں ہوشمندی، دلاوری، فیاضی اور سخاوت، خوش طبعی، خداترسی اور وفاداری اور دوست نوازی کی صفتیں سب سے زیادہ ہیں۔ اسے خود ہمارے آقا نے تربیت دی ہے اس کے تمام کام بے حد پسندیدہ ہیں۔ اس میں تمام صفات البتگین کی ہیں۔ سبکتگین ہم سب کو جانتا بھی ہے میں نے جو مناسب سمجھا کہا اب تم لوگ بہتر سمجھتے ہو۔ کافی دیر تک ہر قسم کی گفتگو ہوتی رہی آخر میں باتفاق آراء سبکتگین بحیثیت امیر انتخاب میں آیا سبکتگین اس سے بچنا چاہتا تھا لیکن لوگوں نے اسے امارت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ آخر میں نئے سردار نے اعلان کیا کہ اگر میری قیادت ضروری سمجھی گئی ہے تو میں اسے قبول کئے لیتا ہوں۔ لیکن میری ایک شرط ہے میں جو کچھ کہوں یا کروں اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اسی طرح جو میری مخالفت کرے گا یا مجھ سے بغاوت کرے گا یا میرے احکام کی بجا آوری میں کاہلی دکھائے گا تو میں اس کی سرکوبی کروں گا اور تم سب کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔ بلکہ اسے ہلاک کرنا ہوگا۔ سب نے عہد و پیمان کیا اور قول و قسم دیئے۔ اور اس بات پر امیر کی اطاعت اور بیعت قبول کر لی۔ اب سبکتگین کو اس کے پیرہ اٹھا کے البتگین (کی لاش) کی بالیں پر لے گئے اور وہاں بٹھا کے بحیثیت نئے سردار کے اسے سلامی دی اور زر و درہم نثار کئے

سبکتگین کی ہر تدبیر اور اس کے ہر نقشہ میں اسے کامیابی ہوتی تھی۔ اب اس نے زاولستان کے رئیس کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ اسی لیۓ محمود کو زاولی بھی کہتے ہیں۔ اس محمود نے بڑے ہو کر باپ کیساتھ حملے کرنے شروع کۓ، یہ عموماً اس کے ساتھ سفر میں ہمرکاب رہتا تھا۔ محمود نے بڑے بڑے کام انجام دیتے تھے بعد خلیفہ بغداد سے اپنی ان جنگوں کی بدولت جو اس نے ہندوستان میں کیں (اس علاقہ میں جس میں آج کل مغربی پاکستان ہے مترجم) اور بڑے بڑے میدان مارنے کے جواز میں، ناصر الدین (اسلام کا مددگار اور حامی) کا لقب حاصل کر لیا۔ سبکتگین کے مرنے پر محمود نے باپ کی جگہ سنبھالی۔ اس نے ملکی سیاست کے سارے ہی اصول بڑے اچھے انداز میں سیکھ لیۓ تھے۔ محمود ماضی کے شاہنشاہوں کے حالات ہمیشہ سنتا رہتا۔ اس نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جو خوشگوار اور سب کے لیے پسندیدہ تھا۔ ایک طرف اس نے نیمروز (ترکستان) پر دھاوا بولا، دوسری طرف خراسان لے لیا اور ہندوستان میں تو اتنی دور گیا کہ سومنات تک لے لیا۔ اور منات (بت کا نام) اپنے ساتھ لے آیا۔ ہندوؤں کے بادشاہ کو شکست دے دی اور پھر وہ زمانہ آیا جب یہی محمود سلطانِ عالم بن گیا اس سارے قصہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ (مراد ملکشاہ)، (اللہ اس کی سلطنت کو دوام بخشے) کو یہ معلوم ہو جاۓ کہ ایک اچھے بندہ کو کیسا ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی بندہ ہو جس نے بڑی اعلیٰ خدمات انجام دی ہوں۔ کبھی بددیانتی اور بدعہدی نہ کی ہو۔ بادشاہ ہمیشہ اس سے خوش رہا ہو اور اس کے وجود سے ملک کو ہمیشہ فائدہ حاصل ہوا ہو تو ایسے کی دل شکنی نہ کرنی چاہیۓ۔ اور کوئی اس قسم کے وفادار بندہ کی بُرائی کرے تو اس کی بات کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ اس کے خلاف ایسے بندہ پر اور زیادہ اعتماد کرنا چاہیۓ دنیا کی تاریخ یہ ہے کہ خاندانوں، ملکوں اور سلطنتوں کی نگہبانی اور پاسبانی مردانِ کار ہی کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ مثلاً البتگین ایک غلام تھا۔ ایک بندہ تھا لیکن سامانیوں کا تمام دم خم اور جاہ و حشم اسی کے دم سے تھا۔ اور آلِ سامان کا بھرم اس بندہ لائق کے نیزہ و علم سے تھا۔ اس کی بے قدری ہوئی۔ اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ پھر کیا تھا۔ اس کا خراسان سے جانا تھا کہ سامانی خاندان حکومت اور سلطنت سے محروم ہو گیا۔ ایک عمر چاہیئے اور ایک زمانہ درکار ہے کہ کسی سلطنت کو ایک تجربہ کار اور آزمودہ لائق اور مستعد اور شائستہ قسم کا خیر اندیش نصیب ہو۔ عقلا نے تو لائق اور مہذب بندوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے۔ کبھی ایک اچھے بندہ اور خیر خواہ کو ہاتھ سے نہیں نکلنے دینا چاہیۓ۔

ایک شعر کا منظوم ترجمہ

اکبر کا قول سچ ہے کہ بیٹا ہے نورِ چشم
بیٹا مگر وہ ہے جو اطاعت شعار ہو
بیٹا وہ جسکے دل میں ہے مرگِ پدر کی آس
بہتر ہے اس سے بندہ کہ جو جاں نثار ہو

اٹھائیسواں باب

درباری ملاقاتوں میں فرقِ مراتب

اشارات

بار دینے کے سلسلہ میں کچھ آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ یعنی جس وقت دربار لگے تو نشستوں میں ایک خاص ترتیب پیشِ نظر ہونی چاہیئے۔ سب سے پہلے بادشاہ کے اعزا، خاص آئیں۔ اس کے بعد عمائدین سلطنت آئیں اور پھر حشم یعنی ملازمین بادشاہ، اس کے بعد ہر قسم کے لوگ بار پا سکتے ہیں۔ جس وقت تمام لوگ دربار میں جمع ہو جاتے ہیں تو عالی مرتبہ اور کم رتبہ لوگوں کا فرق نمایاں رہنا چاہیئے۔ کسی دن بادشاہ کا بار لوگوں کو ملا ہے یا نہیں اس کی علامت یہ ہے کہ جب بار ملتا ہے تو اس کے لئے پردہ اُٹھایا جاتا ہے اور جس دن بار نہیں دیا جا رہا ہوتا اس دن پردہ گرا ہوتا ہے۔ البتہ جسے خاص طور پر بلا یا جائے اس کے لئے تو پردہ اُٹھایا ہی جاتا ہے اس علامت سے بزرگان سلطنت اور قائدینِ لشکر کو اس کی اطلاع حاصل ہو جاتی ہے کہ مثلاً آج بادشاہ سے ملاقات ہو سکتی ہے یا نہیں چنانچہ اگر انھیں آنا ہوگا تو آہی جائیں گے ورنہ پردہ اُٹھا نہ ہوگا تو نہ آئیں گے۔ بزرگان مملکت پر اس سے زیادہ کوئی چیز شاق نہیں گذرتی کہ وہ باریاب ہونا چاہئیں اور بغیر بادشاہ سے ملے اُنھیں واپس جانا پڑے۔ اگر با بار لوگوں کو بادشاہ کی ملاقات سے محروم رہنا پڑے گا تو ممکن ہے وہ بدگمان ہو جائیں اور ان کے دماغوں میں نئے خیالات پرورش پانے لگیں۔ یوں بھی اگر بادشاہ بہت زیادہ کم آمیز رہا تو کام بگڑ جائیں گے اور اہلِ

فساد اور دوسرے شرپسند عناصر سازش اور فساد پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ مملکت کے احوال نگاہوں سے چھپے رہیں گے۔ فوج میں انتشار رہے گا۔ اس لئے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ بادشاہ کا در دولت زیادہ سے زیادہ ہر خاص و عام پر کھلا رہے۔ ان دنوں میں جب بادشاہ کے لئے دربار میں بیٹھنا ممکن نہ بھی ہو۔ بزرگان مملکت، امراء، سادات (جمع سیّد)، ائمہ (جمع امام، یہاں امام سے مراد بڑے درجہ کے علماء۔ امام علمی اعتبار سے سب سے بڑا لقب ہوتا ہے، جیسے امام غزالی، امام رازی وغیرہ) آسکتے ہیں اور عرض بندگی کر سکتے ہیں۔ باہر کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اگر عمائدین کو بادشاہ کے حضور حاضر دیکھیں تو سب کے سب چلے جائیں۔ اسی طرح ان عمائدین کے ملازمین اور متعلقین بھی ایسے مواقع پر دربار چھوڑ دیں تاکہ دربار میں بادشاہ رہ جائے اور خواص، چند مخصوص غلاموں، محافظین، آبدار اور ساقی اور اس قبیل کے افراد البتہ ہر صورت میں حاضر رہیں گے۔ جہاں چند بار یہ روایات قائم کی گئیں اور اس ترتیب اور ان آداب کی مشق ہوتی لوگ عادی ہو جائیں گے اور پھر کوئی دقت نہ رہ جائے گی۔ پردہ اٹھانے اور گرانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اس ترتیب کی خلاف ورزی ہو تو بادشاہ کو منظور نہ فرمانا چاہیئے۔

---

(۲۹)
انتیسواں باب

بزم مے نوشی کے آداب

اشارات

ہر اس ہفتہ میں جس میں مجالس نشاط برپا کی جائیں، دو ایک دن یقیناً بارعام کے لئے مخصوص ہو جانے چاہئیں تاکہ وہ تمام لوگ جو (مئے شبانہ کی سرمستیوں کے) عادی ہو چکے ہوں بلاجھجک شریک شورش محفل ہو جائیں کسی پر قدغن نہ ہونی چاہیئے بلکہ صلائے عام ہونی چاہیئے یاراں نکتہ داں کے لئے! لیکن بزم نشاط کی گرم بازاری کا دن پہلے سے معین ہو جانا چاہیئے۔ البتہ جس دن مجلس محض خواص اور مقربین بارگاہ کے لئے مخصوص ہو اس دن

عام لوگوں کو اجازت نہ ہونی چاہیئے اور اُنھیں (عوام کو) خود بھی اس کا لحاظ ہونا چاہیئے تاکہ یہ ضروری نہ قرار پائے کہ روک ٹوک اور پابندی اور پاسبانی کا سہارا لیا جائے یعنی کسی کو آنے دیا جائے اور کسی پر میکدہ کے دروازے بند کر دئے جائیں! وہ لوگ جو مجلسِ خاص کی اہلیت رکھتے ہیں اُنھیں سب کو جاننا چاہیئے اور اُن کا منصب و مقام ایسا ہونا چاہیئے کہ ان کا عذرِ مے گساری قابلِ قبول ہو۔ اس محفل کے آداب یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے اپنے ساتھ صرف ایک ایک غلام لے آئے۔ اور یہ مناسب نہیں کہ لوگ ساقی اور صراحی اپنے ساتھ لیکر آئیں۔ یہ روایت پہلے نہ تھی اور یہ کافی ناپسندیدہ بات ہے ہر زمانہ میں اشیاء خوردنی، نُقل (شیرینی) اور شراب کا انتظام بادشاہ کی طرف سے ہوا ہے اور لوگ یہ اشیاء قصرِ شاہی سے اپنے اپنے گھروں میں لے جاتے رہے ہیں، یہ نہیں کہ اپنے اپنے گھروں سے قصرِ شاہی میں لاتے رہے ہوں۔ یہ اس لئے کہ بادشاہ دنیا جہاں کا سرور معظم اور پاسبان ہوتا ہے اور اہلِ دنیا سبھی اس کی آل اولاد کی مانند اور اس کے بندے اور غلام ہوتے ہیں۔ پس یہ بری سی بات ہوگی کہ بادشاہ کی رعایا جو اس کی آل اولاد کے مثل ہے اور اس کی نمک خوار ہے شراب اور اشیاء خوردنی لے کر جائے۔ فرض کیجئے بعض لوگ بادشاہ کی بزمِ نشاط میں شریک ہونے کے لئے شراب اس لئے ساتھ لاتے ہیں کہ اُنھیں شراب دار یا بادشاہ کے ساقی سے خاصہ کی شراب نہیں ملتی تو شراب دار کو اس پر تنبیہہ ہونی چاہیئے کہ شراب (اس مجلس میں) باذوق اور بد ذوق ہر قسم کے لوگوں کو ملتی ہے اور سب اسے حلق سے فرو کرتے ہیں، ٹھکانے لگاتے ہیں تو پھر اس نے اعلیٰ قسم کی شراب کیوں نہ دی کہ لوگوں کے لئے اپنے اپنے گھروں سے شراب ساتھ لانے کا عذر باقی رہے جو بادشاہ کے لئے باعثِ توہین ہے۔ بادشاہ کے پاس اچھے ندیم اور رفقاء صحبت مے و مینا ہونے چاہئیں۔ تاکہ اسے اپنے غلاموں سے مخاطب ہونے پر زیادہ مجبور نہ ہونا پڑے۔ اور یوں اس کے وقار کو صدمہ نہ پہنچنے پائے۔ اور اس کی عزت نگاہوں میں قائم رہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ میں بازاری مزاج کے لوگ ہوں جو اس قابل نہیں ہوتے کہ اُنھیں مجلس میں مخاطب کیا جائے۔ بادشاہ کے لئے یہ مضر اور نقصان رساں ہے کہ وہ سپہ سالاروں، معتمدوں اور اعیانِ مملکت سے زیادہ کھلے ملے اس لئے کہ اس سے اس کے دبدبہ اور طنطنہ کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور یہ لوگ شاہی فرمانوں اور احکامات کو بجا لانے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔ گستاخ ہو جاتے ہیں۔ درمیان سے رقوم اُڑا لیتے ہیں۔ وزیر سے (مراد وزیرِ اعظم سے) فوج کے اہم مسائل، مالی رقوم، تعمیراتی کام، مملکت کے بداندیشوں اور دشمنوں سے نمٹنے کے طریقوں، اور اسی قسم کے مسائل کے بارے میں گفتگو کرنی چاہیے تاکہ ایک طرف اس سے وزیر کو اپنی ذمہ داریوں کا شدید تر احساس ہو

اور وہ اپنے کو مقید محسوس کرے۔ ملکی مصلحتوں کے پیش نظر بادشاہ کتنا ہی بے تکلف ہونا چاہے، البشری تقاضوں سے مجبور ہو کے ٹھٹھول بازی پر اُتر آنا چاہے لیکن اسے اپنے وقار اور شکوہ کا خیال اس لطف اندوزی سے باز رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ گرانی محسوس کرتا ہے۔ اب اس رنجِ گراں نشیں سے رہائی کی سبیل یہ ہوتی ہے کہ بادشاہ اپنے ندیموں اور مصاحبوں سے کھُل کر بات کرے یعنی ان سے ہر قسم کی سنجیدہ، غیر سنجیدہ، مضحکہ خیز اور لطف انگیز باتیں کرے۔ محض ندیموں سے یہ طرز اختیار کرنے سے بادشاہ کے وقار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ ندیم تو ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ بادشاہ ان سے ہنس بول کر اپنے جی کی بھڑاس نکال سکے۔ اس سے پہلے کے باب میں بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

(۳۰)
تیسواں باب
درباری جلوس کے موقعہ پر نشست کی ترتیب
اشارات

(دربار میں جس وقت بادشاہ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہو، اس وقت درباریوں کو یوں ایستادہ ہونا چاہیئے کہ، نظر سب آئیں اور شاہ دیکھ سب کو سکے۔ پھر ہر شخص کی جگہ الگ متعین ہونی چاہیئے۔ بادشاہوں کے دربار میں بیٹھے رہنا یا کھڑے رہنا دونوں مساوی ہیں۔ دونوں میں ایک ہی درجہ میں احتیاط برتی جاتی ہے جس طرح دربار میں بیٹھنے والوں کے لئے ترتیب ضروری ہے کھڑے ہونیوالوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ خواص البتہ تخت شاہی کے بالکل قریب اپنی جگہ لے سکتے ہیں۔ خواص میں محافظ دستہ کے افراد، ساقی اور اسی قبیل کے اہل رتبہ شامل ہیں۔ حاجب درگاہ (وزیر دربار) کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے قبیل کے درباری کو، یعنی ایسے درباری کو جس کو تخت شاہی سے بالکل قریب کھڑے ہونے کا حق حاصل نہ ہو، خواص میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہوا دیکھے تو پہلے تو ملائمت سے اور اس میں کامیابی نہ

ہو تو سختی سے اُسے باہر کر دے۔ گویا ہر شخص کو اپنے اپنے متعین اور مخصوص مقامات پر کھڑا ہونا چاہیئے۔

(۳۱) اکتیسواں باب

اسلحہ اور سامانِ تجمّل کی فراہمی

اشارات

اہل لشکر کی جملہ ضروریات اور ان کے مخصوص مسائل کے بارے میں صرف ان کے افسروں کو بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اور ان سے جو حسن سلوک بھی کیا جائے ہمیشہ ان کے سربراہوں کے توسط سے کیا جائے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لشکر کی نگاہوں میں سرداران لشکر کی اہمیت اور حیثیت قائم رہے گی۔ اور اس میں (لشکر کے اندر) یہ احساس موجود رہے گا کہ اس کے افسروں کے ذریعہ اس کے مطالبات پورے ہو سکتے ہیں۔ سرداران لشکر کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر اہل لشکر میں کوئی شخص ان سے بدکلامی کرے یا ان کے مرتبہ کا لحاظ نہ کرے، یعنی اپنی حد سے تجاوز کرے، تو اسے قرار واقعی سزا دینی چاہیئے اس سے افسر اور ماتحت کی تمیز قائم رہ سکے گی (اور انتشار نہیں پیدا ہوگا)۔

بتیسواں باب[۱۳۲]

خدامِ سلطانی کی گذارشات

اشارات

معروفوں یعنی سرداروں کو ہدایت ہونی چاہیئے کہ لباسِ فاخرہ پہننے کے ساتھ ساتھ اچھے اور مناسب ہتھیاروں سے بھی اپنے کو لیس کرتے رہیں۔ اور آراستہ ہوتے رہیں۔ ان کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ غلاموں کو (لائق اور با استعداد نوجوانوں کو) اپنی تربیت میں قبول کرتے رہیں، انہی چیزوں سے، اسی سازو برگ اور اسی خدم و حشم سے سرداروں کے منصب کا جاہ و طمطراق قائم رہتا ہے۔ اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ محض اپنے مکانوں کو عشرتِ پرویز بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ سردار کا وقار اس کے عسکری ساز و سامان میں پوشیدہ ہے۔ جو اس نکتہ کو جتنا سمجھے گا بادشاہ کی نگاہوں میں وہ اتنا ہی موقر ہو گا اور اپنے ہم چشموں اور خود اپنے لشکر میں اس کا منصب بھی فزوں تر ہو جائے گا۔

* * * * * * * * *

تینتیسواں باب[۱۳۳]

خطا کاروں اور باغیوں کی سرزنش

اشارات

وہ لوگ جنہیں مختلف مناصب کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے یا ان کی تربیت کی جاتی ہے، ان کے معاملہ

میں ایک مدت تک کافی دقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یعنی صحیح اشخاص کے انتخاب اور ان کی تربیت میں کافی وقت لگتا ہے۔ کافی زحمت اُٹھانی پڑتی ہے۔ اب اگر ان لوگوں سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اس صورت میں کھلم کھلا ان پر عتاب نہیں نازل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ان کی علانیہ توہین ہو گی اور یوں ان کا وقار جاتا رہے گا۔ اور پھر ایک بار جب ان کے وقار پر زوال آجائے گا تو خواہ بعد میں انھیں کتنا ہی نوازا جائے، ان سے کیسا ہی حسنِ سلوک کیا جائے وہ پہلی سی بات نہ حاصل ہو سکے گی۔ اس لئے اگر ان لوگوں سے کوئی فاش غلطی ہو جائے تو اول اول چشم پوشی اور درگذر سے کام لینا چاہیئے۔ ایسے مواقع پر انھیں بُلانا چاہیئے اور ان سے کہنا چاہیئے کہ دیکھو تم نے ایک بڑی غلطی کی ہے اور تم ہمارے ہی لائے ہوئے ہو اور ہمیں نے تمہاری تربیت کی ہے اور تم کو یہ منصب سونپا ہے، سو ہم یہ نہیں چاہتے کہ اپنے ہی منظور نظر کو اُٹھا کر پھینک دیں، اس لئے اب کے ہم اس غلطی کو معاف کئے دیتے ہیں۔ امید کہ تم اس غلطی کا اعادہ نہ کرو گے۔ البتہ آئندہ کوئی ایسی بات مت کرنا کہ اپنے مرتبہ سے محروم ہو جاؤ۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ تمہارا اپنا کام ہوگا۔ یعنی تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوگا۔ ہماری غلطی نہ ہو گی!

حکایت

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے لوگوں نے سوال کیا کہ سب سے زیادہ دلاور اور شجاع کون شخص ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جو اپنے پر قابو حاصل کر سکے۔ اور کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ اس کے سرزد ہونے کے بعد اسے پشیمانی لاحق ہو۔ جس سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ انسان کی عقل کے کمال کا مظاہرہ ہی یوں ہوتا ہے کہ وہ مغلوب الغضب نہیں ہوتا۔ اگر عاقل کو غصہ آتا بھی ہے تو اس کی یہ شدت اور حدت اس کی عقل کے تابع رہتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے جذبات کی رو میں بہہ جائے اور اعتدال کی حدود سے باہر نکل جائے یعنی اس کا غیظ اس کے تدبّر پر غالب آجائے۔ وہ شخص جس کا عالم یہ ہو کہ خواہشات نفسانی نے اس کی عقل پر پردے ڈال رکھے ہوں وہ جس وقت جذبات کا شکار ہوتا ہے تو بس اس کی عقل اس کے جذبات قہر و غضب کے نیچے دب جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر انسان اپنے جذبات کا تابع ہوتا ہے۔ بالکل جیسے دیوانوں کا عالم ہوتا ہے، جہاں تک عقلمندوں کا تعلق ہوتا ہے وہ عقل کا دامن ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑتے اور اگر ان پر شدت جذبات کی یورش ہوتی بھی ہے تو وہ وہی کرتے ہیں جو سلامت روی

کا تقاضا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ سب کے علم میں ہوتا ہے کہ یہ موقع واقعی جذبات سے متاثر ہونے کا تھا۔

حکایت

حضرتِ حسین بن علی رضی اللہ عنہ اپنے چند معزز رفقاء کے ساتھ کھانے کے دستر خوان پر تشریف فرما تھے۔ سب لوگ کھانا تناول کر رہے تھے۔ حضرتِ حسینؓ نے بڑا ہی قیمتی لباس زیب تن فرما رکھا تھا۔ اور آپ کے سرِ مبارک پر ایک نہایت ہی خوب صورت عمامہ بھی تھا۔ آپ کا ایک غلام آیا اور اُس نے چاہا کہ کھانے کی کوئی چیز دستر خوان پر رکھے۔ عجب اتفاق کہ چونکہ غلام بالکل اپنے آقا کے سر کے پاس ایستادہ تھا اس کے ہاتھ سے پیالہ گر کر علی سیدنا حسینؓ کے روئے مبارک پر آ رہا اور ان کی دستار اور ان کے لباس کو بالکل آلودہ کر دیا۔ حضرت حسینؓ تقاضائے بشریت سے مجبور ہو کر سخت برہم ہوئے اور غصہ اور اپنے لباس کی آلودگی پر خجالت کے احساس سے آپ کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ آپ نے سر اُٹھا کے غلام کی طرف دیکھا۔ غلام نے یہ رنگ دیکھا تو ڈرا کہ کہیں اس کو سزا نہ دی جائے۔ فوراً بول اُٹھا: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ؕ

(سچے مومنوں کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذباتِ غیظ و غضب پر قابو پاتے ہیں۔ یعنی غصے کو پی جاتے ہیں اور مخلوقِ خدا سے فیاضی اور عفو و درگذر کا برتاؤ کرتے ہیں حسن سلوک کرنے والے لوگ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں) قرآن حکیم کی اس آیت بلاغت نظام کو سنکر سیدنا حسینؓ ابن علیؓ کی خوش خلقی اور شانِ کریمی جیسے پلٹ آئی۔ ارشاد ہوا: غلام! ہم نے تجھے مطلقاً آزاد کیا۔ تاکہ نہ صرف آج کے واقعہ پر سزا سے تجھے نجات ملے بلکہ آزاد مرد کی حیثیت سے تجھے کسی کے غصہ کا خوف نہ رہے!

حکایت

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ حد درجہ کریم النفس اور بُردبار تھے۔ ایک دن آپ نے بارِ عام دے رکھا تھا۔ عمائدین آپ کے سامنے حاضر تھے۔ ایک جوان سال آدمی، پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس مجلس میں آگیا اور بے جھجک بیٹھ گیا۔ (حضرت معاویہؓ) جب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اُس شخص نے کہا: امیر المومنین میں ایک مہم لے کے آیا ہوں اگر آپ اسے پورا کرنے کا وعدہ کریں تو میں عرض کر دوں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا، مجھ سے جو بھی ممکن ہو سکے گا کر دوں گا۔ جوان آدمی بولا: آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں غریب الوطن ہوں۔

گھر میں کوئی عورت نہیں یعنی بغیر بیوی کے ہوں ۔ آپ کی ماں بھی بیوہ ہیں۔ کیوں نہ مجھے ان سے عقد کرنے کی اجازت دیدی جائے ۔ مجھے بیوی مل جائے گی ۔ اور آپ کی والدہ کو شوہر اور خود آپ کو ثواب ! اس سادہ لوح آدمی کی بات سُنکر حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تم جوان آدمی ہو اور میری ماں بوڑھی ہیں بہرحال میں تمہارا پیغام اُن تک پہنچا دوں گا اور اگر وہ اس رشتہ کو پسند کریں گی تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ جوان گستاخ کی اس بات کو سُننے کے باوجود حضرت معاویہؓ نے بظاہر کوئی اثر نہیں لیا اور یہ نہیں ہوا کہ آپ اپنے آپ میں نہ رہتے ۔ اور یہ تو لوگوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے دور میں بردباری کی آپ اپنی مثال تھے ۔ عاقلوں کا قول ہے کہ بردباری اچھی خو ہے مگر اُس بردباری کا تو پوچھنا ہی کیا جو جاہ و منصب کے باوجود ہو۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ نعمت اچھی شے ہے ۔ لیکن اس کی اصل خوبی اس میں ہے کہ نعمت پانے والا اللہ کا احسان بھی مانے اسی طرح خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری اچھی صفتیں ہیں لیکن اگر علم اور تقویٰ کی صفتیں بھی ان میں شامل ہو جائیں تو پھر

پھر دیکھئے بہار کی کیسی بہار ہو :

* * * * * * * * * * *

(۲۴)

چوبیسواں باب

پاسبانوں اور نقارچیوں کے فرائض

اشارات

دربانوں، پاسبانوں اور نقارخانہ کے لوگوں کے باب میں خاص احتیاط برتنی چاہیئے ۔ ان لوگوں کا جو اس قبیل کے اشخاص کے نگراں ہوتے ہیں یہ فرض ہوتا ہے کہ ان سب سے بخوبی واقف ہوں ۔ اور ہر صورت ان کے کاموں کی نگرانی کرتے رہیں ۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی کرتے رہیں ۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس طبقہ میں روپیہ کا لالچ بہت ہوتا ہے ۔ یہ لوگ پیسے پر جان دیتے ہیں ۔ اگر دربانوں وغیرہ کے پاس کوئی باہر آدمی نظر آجائے تو اس کے بارے میں ضروری معلومات کر لینے چاہیں ۔ رات کو دربانی کا کام کرنے والوں کو بھی نظر

میں رکھنا چاہیئے خاص سبب یہ ہے کہ یہ کام (دربانوں وغیرہ کا اہتمام) خاصا نازک اور خطرناک ہوتا ہے اس لئے
کسی حال میں بھی غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ رات اور دن کے کسی لمحہ میں بھی!

پینتیسواں باب (۳۵)

شاہی ضیافتیں

اشارات

بادشاہوں کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے پرتکلف ضیافتوں کا انتظام کرتے رہیں۔ صبح کے اوقات
میں جو لوگ باریاب ہوتے ہیں وہ یقیناً کچھ نہ کچھ تناول کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی عیب کی بات نہیں اگر خواص کو
کھانے کی اشتہا ہو تو کھانے کا وقت آ جاتا ہے، بادشاہ خود نوش جاں کرے لیکن بہر صورت یہ ضروری کام ہے
کہ صبح کے وقت شاہی دسترخوان لگے۔ سلطان طغرل کا قاعدہ تھا کہ وہ صبح کے وقت پرتکلف اور نفیس کھانے
کی چیزیں دوسروں کے لئے رکھواتا تھا اب خواہ بادشاہ سفر میں ہوتا خواہ حضر میں، یا تفریح اور شکار کے
لئے نکلا ہوتا شاہی خود دسترخوان ضرور لگتا خواہ بادشاہ اور اس کے خواص کسی جنگل ہی میں کیوں نہ آئے ہوتے۔
یہ دسترخوان اتنا وسیع ہوتا کہ امراء تک سردار اور خاص و عام سب دیکھ کر تعجب کرتے۔ ترکستان کے خوانین
(خان کی جمع، کونسل سلطنت کرنے) کا ایک ہی گر آتا ہے وہ یہ کہ وہ اپنے ماتحتوں کو دل کھول کر کھلائیں یہ
اسی سے حکومت کو تقویت ہوتی ہے جب ہم سمرقند اور ماوراءالنہر پہنچے تو ہم نے بعض لوگوں کو یاوہ گوئی کرتے ہوئے
سنا۔ یہ لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ اہل ختل اور اہل ماوراءالنہر مستقل طور پر یہی کہتے رہے کہ بادشاہ ادھر آیا بھی
اور گیا بھی لیکن ہمیں کیا ہم کو تو بادشاہ کے دسترخوان کا ایک لقمہ بھی نہ ملا ایک آدمی کے اقتدار کا دائرہ جتنا وسیع
ہوگا اسی قدر اس میں بڑائی ہوگی اس وقت سلطان کا اقتدار پوری دنیا پر قائم ہے اور اس کے تمام معاصرین
اس کے ماتحت ہیں اس لئے بادشاہ کے لئے لازم ہے کہ اس کا اقتدار اس کی عالی ظرفی، اس کی وسیع النظری

اس کا دستر خوانِ کرم سب اس کی شان کے شایان ہوں اور آئندہ مورخ مجبور ہو کہ اسے پچھلے تمام بادشاہوں اور حکمرانوں پر فوقیت دے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فراخدلی کے ساتھ کھانا کھلانے سے عمر اور دولت اور بادشاہوں کی سلطنت سب ترقی پاتے ہیں۔

تجربہ یا حدیث

انبیاء (جمع نبی) علیہم السلام کے تذکروں اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزوں، کرامتوں اور عظیم شخصیت اور وجاہت کے ساتھ فرعونِ (مصر) کو راہ راست پر لانے کے لئے مامور کیا۔ اب فرعون کے خوانِ کرم پر قوم کو جو کھانا کھلایا جاتا تھا اس کے لئے چار ہزار بھیڑ بکریاں چار سو گائیں، دو سو اونٹ، اور پھر اسی اعظیم مقدارِ گوشت) کی نسبت سے طرح طرح کے مشروبات، تلے ہوئے حلوے اور مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں ہوتی تھیں۔ فرعون کے خوانِ کرم پر تمام اہل مصر اور اس کا پورا لشکر غذا تناول کرتے تھے (اسی بہتات پر) فرعون چار سو برس تک خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ اور اس کے خوانِ کرم کی روایات اس تمام مدت تک برقرار رہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی: اے پروردگار فرعون کو تباہ و برباد کر تو خدائے اصولاً تو حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ ہم فرعون کی تمام نعمتیں اور اس کے حرم کی عورتیں اور لشکر، سب تمہارے اور تمہارے گروہ کے قبضہ میں لے آئیں گے اور آج جو چیزیں فرعون کے تصرف میں ہیں کل وہ سب بنی اسرائیل کو دے دی جائینگی اس وعدہ الٰہی پر ایک مدت گذر گئی اور فرعون کی جہالت و طغیان، ضلالت (گمراہی) کے باوجود قائم ہی رہی۔ نہ وہ تباہ ہوا نہ برباد ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ آپ چاہتے تھے فرعون جلد تباہ و برباد ہو۔ اس بے صبری اور بیتابی کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کا روزہ رکھا۔ اور کوہ طور پہنچے، اور خدا سے پیغمبرانہ راز و نیاز کرتے ہوئے کہا: خدائے تعالیٰ تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ فرعون کو ہلاک کر دے گا اور فرعون ہے کہ نہ اس کی کافری میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ وہ خدائی کے دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہے آخر تو اسے کب ہلاک کرے گا؟ ندا (لفظی مطلب آواز، مراد آوازِ حق) آئی کہ موسیٰ تم تو یہ چاہتے ہو کہ فرعون جلد سے جلد ہلاک ہو جائے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہزاروں بندگانِ خدا ہیں کہ فرعون کی وجہ سے ان کی روزی چلتی ہے۔ اور وہ اسی کے خوانِ کرم سے نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے دور میں آرام

کی زندگی گزارتے ہیں، اس لئے اپنے جلال اور مرتبہ کی قسم میں فرعون کو اس وقت تک ہلاک نہیں کروں گا جب تک وہ فراخدلی سے قوم کو کھلاتا رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا: بار الٰہا! آخر پھر تیرا وعدہ کب پورا ہوگا؟ جواب ملا: اس وقت جب فرعون کی داد و دہش میں کمی واقع ہو جائے گی۔ موسیٰ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دور اب قریب آچکا ہے، اب اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن فرعون نے ہامان سے کہا کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کی قیادت سنبھال لی ہے اور یہ لوگ ہمارے لئے باعث آزار ہیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا کیا انجام ہوگا لہذا ضروری ہے کہ برے وقتوں کے لئے ہم اسراف (فضول خرچی) سے بچے رہیں اور خزانہ شاہی کو معمور اور بھرا رکھیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم بالکل ہی بے سہارا رہ جائیں۔ کچھ نہ کچھ سرمایہ ہمارے پاس ہونا چاہئے چنانچہ وزیر اعظم (ہامان) نے بادشاہ (فرعون) کو مشورہ دیا کہ مخلوق کو کھلانے پلانے پر جو صرف ہوتا ہے اسے نصف کر دینا چاہئے اور بقیہ نصف کو جمع کرتے رہنا چاہئے۔ ہامان کی رائے پر عمل درآمد شروع ہو گیا اور یہ دوسرے تیسرے راتب اور راشن میں کمی کی جانے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سب دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اللہ کا وعدہ عنقریب پورا ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ شاہی خزانہ میں مال و زر کی حد سے زیادہ فراوانی زوال سلطنت کی علامت ہے، اور یہ ایک منحوس علامت ہے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ فرعون جس دن غرق ہوا ہے اس کے مطبخ میں صرف دو بھیڑیں کاٹی گئی تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی مہمان نوازی اور فیاضی پہ اللہ تعالیٰ نے داد دی۔ حاتم طائی کو اللہ دوزخ میں اس لئے نہ جلائے گا کہ وہ فیاض اور مہمان نواز تھا۔ اور رہتی دنیا تک اس کے دینے والے کا چرچا الگ رہے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (اللہ آپ کے چہرہ کو روشن فرمائے) ایک بار نماز میں ایک سائل کو اپنی انگوٹھی عنایت فرما دی، اور یوں ایک ایسے شخص کی حاجت براری فرمائی جو بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور دلیری کا ذکر قیامت تک رہے گا۔ دنیا میں سخاوت اور تقویٰ اور داد و دہش انسان کے تھے سب سے برگزیدہ صفات ہیں اور سخاوت تو تمام خوبیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے

قطعہ

سوچا بھی کبھی مرد خردمند یہ تو نے — ہے کون صفت جس پہ ترا ناز بجا ہے
تھی فکر تجھے بھی کہ ملے مجھ کو بصیرت — اور میں یہ سمجھ لوں وہ صفت کون ہے کیا ہے
عقدہ یہ کھلا مجھ پہ سخاوت وہ صفت ہے — جس نے کہ بشر کو بڑا سب سے کیا ہے

جو شخص سخی ہے وہ مظفر ہے جہاں میں
جو شخص سخی ہے وہ موقر ہے جہاں میں

اگر کسی دولت مند آدمی کو جاہ و منصب کی، تقرب سلطانی اور سرداری کی آرزو ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کا خوانِ کرم کشادہ ہو اور وہ فیاضی اور داد و دہش سے گریز نہ کرے۔ دنیا میں جس نے بھی نام پایا ہے نان (روٹی) سے یعنی بخشش و کرم سے پایا ہے۔ روٹی کے اندھے یعنی بخیل دونوں جہاں میں خوار ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ بخیل جنت میں نہ جائے گا۔ ہر دور میں، خواہ وہ جاہلیت کا عہد ہو خواہ اسلام کا، سخاوت سب سے پسندیدہ صفت مانی گئی ہے۔

(۳۶) چھتیسواں باب

خدام بارگاہ کی حوصلہ افزائی

اشارات

اگر خادمانِ شاہ میں کسی کی خدمات قابل ستائش ہوں تو بغیر وقت ضائع کئے ہوئے اسے نوازنا چاہئے اور اسے اس پر انعام دینا چاہئے۔ اسی طرح ہر ایک کو سزا اور عقوبت جو ملنی چاہئے وہ اس کے جرائم اور اس کی غلطیوں کی نسبت سے ہونی چاہئے۔ اس سے بندگانِ بادشاہ کو مزید خدمت کا حوصلہ ہوگا اور جو لوگ بار بار غلطیاں کرتے ہیں وہ ڈریں گے۔ اور سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

حکایت

ایک ہاشمی (آل ہاشم) لڑکا تھا۔ اس نے بعض لوگوں کے سامنے بدمستی کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ اس لڑکے کے والد کے پاس آئے اور یہ درخواست کی کہ اسے سزا دینی چاہئے۔ اس شکایت پر باپ نے یہی طے کیا کہ بیٹے کو

سزا دے اور تنبیہ کرے۔ بیٹا بولا: ابا جان میں نے تو خیر بے عقلی میں ایک غلطی کر ڈالی لیکن آپ تو صاحب عقل ہیں آپ مجھے کیوں سزا دیتے ہیں۔ باپ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ بیٹے کی سزا معاف کر دی۔

حکایت

خواد یہ نے یہ بیان کیا کہ ایک دن خسرو پرویز اپنے ایک مغرب پر ناراض ہو گیا یعنی اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہو گیا۔ یہ شخص قید میں ڈال دیا گیا عالم یہ تھا کہ اس آدمی سے کوئی مل نہ سکتا تھا اس کے باوجود مشہور مغنی اور مطرب (گانے والا) باربد ہر روز اس آدمی کے لئے جو شاہی قید میں تھا کھانے پینے کا سامان لے جاتا تھا۔ شدہ شدہ یہ بات بادشاہ کے علم میں بھی لائی گئی پرویز نے باربد سے کہا کہ تجھے آخر یہ جرأت ہوئی کیسے کہ جس شخص کو ہم نے اپنی قید میں ڈال رکھا ہے۔ تو اسے سنبھالے ہوئے ہے۔ اور اس کی پاسداری کرتا ہے۔ کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ شاہی قیدی کی مدد کرنا اعانت جرم ہے، اور ایسا نہیں ہونا چاہیئے: باربد نے عرض کیا: جہاں پناہ! آپ نے اس درباری میں جو چھوڑا ہے وہ اس سے تو زیادہ ہی ہے جو میں اس کے لئے کرتا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ میں نے اس میں کیا چیز رہنے دی ہے، باربد نے کہا: جانِ ناتواں اس کی (باربد کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو وہ قید کے عالم میں بادشاہ کے قیدی کی تیمارداری اور دلداری کر رہا ہے یہ کوئی اتنی بڑی مہربانی تو نہیں ہے جتنی شاہ نے کی ہے کہ اسے زندہ رہنے دیا ہے۔) بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور اس نے اپنے معتوب کو باربد کی اس بذلہ سنجی کے طفیل معاف کر دیا۔

حکایت

ساسانی شاہنشاہوں میں کچھ رسم سی چلی آتی تھی کہ جس وقت ان کے سامنے کوئی حکیمانہ بات کہتا یا کسی قسم کی فنکاری اور ہنر دانی کا ثبوت دیتا اور ساسانی شاہنشاہ کو یہ بات پسند آجاتی تو ایسے موقعوں پر اس کی زبان پر "زہ" کا لفظ آجاتا یعنی پسندیدگی کے اظہار کے طور پر بادشاہ کہتا زہ! بادشاہ کی زبان سے زہ کا نکلنا تھا کہ بادشاہ کا خزانچی اسی وقت ایک ہزار درہم اس شخص کے (وہ بذلہ سنج ہو یا ہنر مند ہو) حوالہ کر دیتا تھا۔ اکاسرہ (جمع کسریٰ، ایران کے شاہنشاہوں کا لقب) انصاف اور سخاوت اور فیاضی میں سلاطین ماقبل سے بہت آگے تھے۔ اور نوشیرواں عادل کا تو پوچھنا ہی کیا۔

حکایت

اسی نوشیرواں کا ذکر ہے کہ ایک دن وہ گھوڑے کی پشت پر سوار اپنے چند مخصوص درباریوں کے ساتھ شکار پر گیا ہوا تھا۔ نوشیرواں کا گذر ایک دیہات سے ہوا۔ اس نے ایک نوے سالہ بڈھے کو دیکھا جو گوز (جوز) کا درخت زمین میں لگا رہا تھا۔ نوشیرواں نے یہ منظر دیکھا تو اسے سخت حیرت ہوئی۔ اس لئے کہ یہ درخت کم از کم بیس سال میں پھل دیتا ہے۔ بادشاہ نے بڈھے سے کہا: گوز لگا رہے ہو؟ بڈھے نے کہا: لگا تو رہا ہوں۔ نوشیرواں بولا: تم آخر کتنا جیو گے کہ اس درخت کے پھل کھانے کی لو لگائے بیٹھے رہو گے؟ بڈھے نے کہا: اگلوں نے بویا تھا سو ہم نے ان کے لگائے ہوئے درختوں کے پھل کھائے، اب ہم پھل لگاتے ہیں سو دوسرے کھائیں گے! نوشیرواں اس بات سے اس قدر محظوظ ہوا کہ اس کی زبان پر وہی ''زہ'' جاری ہوگیا۔ خزانہ دار شاہی نے فوراً بڈھے کو ایک ہزار درہم دیئے، بڈھا بولا: اب تک کسی کو اس درخت کا پھل اس قدر جلد کھانے کو نہ ملا ہوگا۔ بادشاہ نے سوال کیا، وہ کیسے، بڈھے نے جواب دیا نہ میں یہاں درخت لگاتا، نہ بادشاہ ادھر سے گذرتے اور نہ مجھے یوں انعام ملتا۔ یعنی اگر یہ سب نہ ہوتا تو یہ ہزار درہم مجھے کیسے ملتے۔ نوشیرواں بولا ''زہازہ'' (یعنی دوبارہ ''زہ'') واہ واہ، بہت خوب، بہت خوب! نوشیرواں نے دوبارہ جب زہ کہا تو خزانچی نے بھی ایک ہزار کے بجائے دو ہزار درہم بڈھے کو دے دیئے!

حکایت

مامون الرشید العباسی ایک دن اپنی عدالت میں بیٹھا ہوا لوگوں کی فریادیں سن رہا تھا۔ اس کے ملاحظہ کے لئے ایک عریضہ پیش کیا گیا۔ مامون نے اس عریضہ کو فضل سہل (وزیر اعظم) کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور ساتھ ہی احکامات بھی نافذ کر دیئے کہ اس درخواست دہندہ کی حاجت برآری کر دی جائے۔ پھر کہا کہ آسمان کی گردش باسلیٰ ہے (یعنی گردواں) اسے اس لئے کہتے ہیں کہ تاریکی اور ظلمت ایک حالت پر قرار نہیں کرتی) اسی طرح یہ زمین تیز رفتار اس لئے ہے کہ یہ کسی اسے بھی نہ ابھیں کرتی۔ آج ہم اس قابل ضرور ہیں کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں۔ کل دو زمانہ آنے والا ہے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ نیکی کرنی بھی چاہیں گے تو مطلق مجبوری کے سبب ایسا نہ کر سکیں گے۔

(۳۷) سینتیسواں باب

عمال کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت

اشارات

اگر یہ کہا جائے کہ مثلاً ملک کے فلاں فلاں حصہ میں بڑا انتشار ہے، اور بڑی شورش برپا ہے اور اس بات کے کہنے والوں کے بارے میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ان لوگوں نے محض کسی غرض کے ماتحت یہ خبر اڑائی ہے۔ تو فوری طور پر اس کی تحقیقات ہونی چاہیئے۔ اس کا طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ خواص میں سے کسی ایک شخص کو جس کے بارے میں کسی کو یہ احساس نہ ہونے پائے کہ اس شخص کو مرکز سے کس لئے بھیجا جا رہا ہے، اس کام کے لئے نامزد کر دینا چاہیئے اور جس خاص جگہ کی شکایت آئی ہے وہاں اسے کم از کم ایک ماہ رہنے کے لئے اور تحقیق احوال کرنے کے لئے کہنا چاہیئے۔ اس نمائندہ کو چاہیئے علاقہ میں گھومے پھرے شہر، دیہات، آباد اور غیر آباد، تمام علاقوں کا خفیہ خفیہ معائنہ کرے، عام لوگوں کی رائے عامل اور صوبہ دار کے بارے میں معلوم کرے اس سلسلہ میں سب کی باتوں پر توجہ دے اور یوں اصل حقیقت تک پہنچ جائے۔ گماشتوں (وہ جنہیں کسی مہم پر روانہ کیا جائے) کو دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی وہ مقامی حاکموں سے دشمنی کی بنیاد پر جو ان کے جی میں آتا ہے آکر کہنے لگتے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر دوسری مصیبت یہ ہوتی ہے کہ بعض دوسرے کہنے والے اور قابل اعتماد اشخاص اس خیال سے کہ کہیں بادشاہ اور صوبہ دار انھیں خود غرض نہ سمجھ بیٹھیں، اصل بات کہنے سے کتراتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض نصیحت کہتے ہیں یعنی وہ بات جس میں ملک و ملت کی بھلائی ہو زبان پہ نہیں آپاتی اور اس افراتفری میں ملک برباد، رعیت نادار اور مال و دولت فنا ہو جاتے ہیں اور حقوق ملت غصب کر لئے جاتے ہیں۔

ــــــــــــــــ

(۳۸)

اڑتیسواں باب

بادشاہ کا عجلت پسندی سے گریز

اشارات

عجلت سے کسی حالت میں کام نہیں لینا چاہیئے۔ اگر بادشاہ کوئی خبر سُنے یا اسے کوئی دشواری پیش آئے تو تدبّر اور نرمی اور سوجھ بوجھ سے کام لینا ضروری ہے۔ ہاں جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے تو بادشاہ کو اختیار ہے۔ جس وقت مدعی اور مدعا علیہ دونوں پیش ہوں اور ایک دوسرے سے جرح کرنا شروع کریں تو بادشاہ کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے کہ کسی فریق کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میلان اور رجحان کدھر کا ہے یعنی کس فریق کی طرف ہے۔ نیک بادشاہ وہ ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے اور بُرا بادشاہ وہ ہوتا ہے جو معاملات میں عجلت برتتا ہے اور معاملات کی کوئی خاص پروا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شکایت لے کے آئے تو جب تک تمہیں اصل حقیقت کا علم نہ ہو جائے کچھ مت کہو یعنی کسی نتیجہ پر مت پہنچو۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: "اگر کوئی تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کے آئے تو تحقیق کر لو"، جلدی کا حاصل ہمیشہ پشیمانی ہے اور پشیمانی کا حاصل کچھ بھی نہیں!

حکایت

ہری کے شہر میں ایک بہت بڑے عالم رہتے تھے (مراد عبداللہ انصاری شیخ الاسلام)، یہ ہری عالم تھے جنہیں کرک کے مقام پر بادشاہ کی خدمت میں لایا گیا تھا۔ اب اتفاق سے سلطان شہید (الپ ارسلان) رحمتہ اللہ علیہ نے ہری میں نزولِ اجلال فرمایا اور وہاں عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ بادشاہ کے ایک ماموں عبدالرحمٰن کو موقع مل چکا تھا کہ وہ ان سن رسیدہ عالم صاحب سے جن کا اوپر ذکر ہوا ان کے مکان پر ملاقات کر آئیں۔ ایک دن سلطان کی مجلسِ شراب میں شرکت کرتے ہوئے عبدالرحمٰن نے عرض کیا: سنا یہ گیا

تھا کہ یہ بڑے میاں ایک عمدہ مکان کے مالک ہیں۔ رات کو اس مکان میں یہ پہنچ جاتے ہیں اور ساری رات عبادت کرتے ہیں۔ پھر کہا: آج جو میں نے اس مکان کا دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ بڑے میاں کے سامنے شراب کا پیالہ تھا اور ایک بت تھا چنانچہ شراب خوری اور بت پرستی کا سلسلہ ساری رات جاری رہا تھا۔ عبدالرحمٰن شراب کا پیالہ اور بت دونوں اپنے ساتھ لایا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جوں ہی بادشاہ یہ سنے گا فوراً ان بزرگ کے قتل کا حکم دیدے گا۔ لیکن سلطان نے بزرگ کے پاس اپنا ایک آدمی روانہ کیا اور انھیں بلا بھیجا۔ ادھر ایک آدمی میرے پاس (علاؤ نظام الملک طوسی) بھی روانہ کیا۔ اور مجھے یہ حکم ہوا کہ بزرگ کو بلوا دوں۔ مجھے کچھ نہ معلوم ہوا کہ کس لئے بلایا جا رہا ہے۔ ابھی میں اسی حیص بیص میں تھا کہ بادشاہ نے ایک دوسرا پیغام بھیجا کہ میں بزرگ کو زحمت نہ دوں۔ دوسرے دن میں نے بادشاہ سے سوال کیا: کل کا یہ بلاوا اور پھر یہ بلاوے کا واپس لینا کیا تھا۔ بادشاہ نے کہا یہ سب عبدالرحمٰن کی جسارت نے گل کھلائے ہیں۔ اس کے بعد یہ قصہ، جو اوپر بیان ہوا ہے بیان کیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن سے بادشاہ نے کہا: اگرچہ تم نے یہ بات مجھ سے کہی ہے اور شراب کا پیالہ اور بت بھی مجھے دکھانے کو لائے ہو لیکن جب تک مجھے اصل حقیقت نہ معلوم ہو جائے گی میں بزرگ کو کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن سر دست تم میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر میری جان شاہانہ کی قسم کھاؤ اور بتاؤ کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو صحیح ہے یا غلط۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: یہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔ اب بادشاہ پر جلال طاری ہوا۔ "تم نے اس بزرگ عالم دین کے بارے میں کیوں جھوٹی بات کہی، کیوں اسے قتل کروانا چاہا۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ میرا مقصد اصل میں اس بہتان لگانے سے یہ تھا کہ بزرگ کے شاندار مکان پر ان کے قتل ہونے کے بعد قابض ہو جاؤں۔

بزرگان دین کا قول ہے: جلد بازی شیطان کا کام ہوتا ہے اور احتیاط اور تدبر خدائی صفات ہیں۔ نوشیرواں کے وزیر بزرجمہر کا قول ہے کہ جو انسان جتنا سطحی ہوگا اسی قدر اس سے عجلت سر زد ہو گی۔ اور جو احتیاط اور سلامت روی سے کام نہ لے گا وہ ہمیشہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہے گا۔ گڑگڑاتا رہے گا۔ اپنے پر بعد میں نفریں کرے گا اور ہمیشہ اس کی عمر خمیازہ بھگتنے میں کٹے گی۔ امیرالمومنین (حضرت عمرؓ یا حضرت علیؓ سے مراد ہو سکتی ہے۔ مترجم) فرماتے ہیں۔ ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی خوشگوار شے ہے۔

انتالیسواں باب

حکام دیوانی

اشارات

ہر زمانہ میں پبلک پراسیکوٹر کا عہدہ ایک انتہائی اہم عہدہ رہا ہے۔ امیر حاجب یا وزیر دربار کے بعد کسی کے آستانہ پر وہ رونق نہیں رہتی جو پبلک پراسیکوٹر کے آستانہ پر رہتی ہے۔ امیر حرس یعنی پبلک پراسیکوٹر کے کام کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ اسے سزا اور عقوبت سے تعلق رہتا ہے۔ یہ سزا اور عقوبت بادشاہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ بادشاہ کے غیظ و غضب سے سبھی خائف رہتے ہیں۔ بادشاہ کا عتاب جس وقت کسی پر نازل ہوتا ہے تو بادشاہ اسی امیر سزا اور غضب سے فرماتا ہے کہ مثلاً کسی مجرم کو قتل کر دیا جائے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں، یا اسے پھانسی دے دی جائے۔ یا اُسے ضربیں لگائی جائیں یا اگر جرم کی نوعیت ایسی ہو تو اسے قیدخانہ یا بند کنویں میں ڈال دیا جائے لوگ اپنی جان بچانے کے لئے ہر قسم کا مال اور ہر قسم کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ امیر سزا کے پاس ہمیشہ طبل و علم رہتا ہے اور جیسا کہ مشہور ہے۔ لوگ امیر سزا سے بادشاہ کے مقابلہ میں بھی، زیادہ خوف کھاتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ عہدہ پرانا ہو گیا ہے اور اس کی رونق جاتی رہی ہے اس عہدہ جلیلہ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس عہدہ کے مالک کے آستانہ پر کم از کم پچاس چوبدار ہوں جن میں بیس چوب زرد طلائی عصا) اور بیس چوب سیم (روپہلے عصا) اور دس بڑے عصا لئے رہیں گے۔ امیر سزا اور پبلک پراسیکوٹر کو کبھی کانوں سے بس ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کے پاس جس قدر ساز و سامان ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایسا ہو جو اپنے عہدہ کا وقار اور دبدبہ قائم نہ رکھ سکے تو اسے بدل دینا چاہئے۔

حکایت

مامون الرشید عباسی نے ایک دن اپنے ندیموں اور مصاحبوں سے کہا کہ میری حکومت کے دو امیر حرس

یعنی پبلک پراسیکوٹر ہیں جن کا کام صبح سے شام تک بس یہ ہے کہ وہ جرائم کی سزائیں کبھی لوگوں کو قتل کریں۔ اور کبھی ہاتھ پاؤں کاٹیں۔ کبھی درے لگائیں اور کبھی قید خانہ میں ڈال دیں۔ لیکن عجیب بات ہے ان دونوں میں ایک کی تو لوگ ہمیشہ تعریف کرتے ہیں اور اس کا ذکر بے خوبی اور لطف کے ساتھ کرتے ہیں لیکن دوسرے کا ذکر ہوتا ہے تو اس کا بس نام سنتے ہی اس کی مذمت کرنے اور اس سے بیزاری کا اظہار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مستقل طور پر اس کی (دوسرے امیر منزا اور رئیس انتظامیہ کی) شکایت کرتے رہتے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کوئی میرے لئے اس امر کی تحقیق کر دیتا کہ جب ان دونوں کے کام کی نوعیت مطلقاً ایک سی ہے تو پھر یہ کہ ایک کے تو لوگ مداح ہیں لیکن دوسرے کے قداح اور شاکی ہیں۔ ندیم نے عرض کیا: اس غلام کو تین دن کی مہلت دی جائے تو یہ اس کا راز معلوم کرے گا۔ مامون نے تین دن کی مہلت دے دی۔ ندیم اپنے گھر پہنچا اور اپنے ایک سابقہ شعار ملازم سے کہا: سنو تمہیں میرے لئے ایک کام انجام دینا ہوگا۔ بغداد میں ان دنوں دو امیر ہیں جن کی جانب سے لوگوں کو سزائیں ملتی ہیں اور دو مختلف لوگ ہیں۔ ایک ان میں سے بوڑھا ہے اور ایک ادھیڑ عمر کا۔ تم کل صبح ہی صبح بوڑھے کے یہاں پہنچ جانا، جس وقت یہ اپنے مکان سے نکلے تو ذرا دیکھنا کہ اس کے بیٹھنے کا کیا انداز ہے، کیا کرتا ہے کیا کہتا ہے اور جس وقت لوگ اس کے سامنے مجرموں کو لے آتے ہیں تو اس وقت کیا کچھ ہوتا ہے اور یہ کیا کیا احکامات دیتا ہے۔ یہ سب دیکھ آنا اور ہر چیز ذہن میں رکھنا اور پھر مجھے آکر اطلاع دینا۔ پھر اس ادھیڑ عمر والے آدمی کے یہاں جانا اور از اول تا آخر وہاں جو بھی ماجرا دیکھنا مجھے آکر بتانا۔ دوسرے دن ملازم علی الصباح اٹھا اور بوڑھے پبلک پراسیکوٹر کے یہاں جا پہنچا۔ اسے کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ فراش آیا جو تخت پر شمع رکھ گیا، نماز کیلئے مصلیٰ بچھایا اس کے بعد دعاؤں کی کتابیں، چند حمائل یعنی (قرآن مجید کے نسخے) رکھے گئے۔ اب بوڑھا امیر برآمد ہوا۔ اس نے سب سے پہلے چند رکعت نماز پڑھی، پھر لوگ آنے شروع ہو گئے۔ اب جماعت کھڑی ہوئی۔ بوڑھا امیر جب وظائف سے فارغ ہوا تو مزید لوگ آنے لگے اور تسلیمات عرض کرنے لگے۔ جیسے آفتاب نکل آیا تھا۔ اب امیر نے پوچھا: آج کسی مجرم کو پکڑ کے لائے ہیں۔ لوگوں نے کہا: ایک نوجوان کو لائے ہیں جس نے قتل کیا ہے، امیر نے پوچھا کوئی شخص قتل کا شاہد بھی ہے یا نہیں، لوگوں نے کہا وہ خود ہی اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہے، امیر نے کہا، لاحول ولا قوۃ تم اس شخص کو میرے سامنے حاضر کرو تاکہ میں خود اسے دیکھ لوں، نوجوان کو لایا گیا امیر کی نگاہ اس پر پڑی تو پوچھا: یہی ہے وہ؟ لوگوں نے کہا: ہاں لیکن بہ چہرہ سے تو مجرم ظاہر نہیں ہوتا، امیر نے کہا اس

کے چہرہ سے تو شانِ مسلمانی ہویدا ہے۔ ممکن ہے اس نے جرم نہ کیا ہو اور لوگ یوں ہی جھوٹ کہہ رہے ہوں، میں اس کے باب میں اور اس کے خلاف کسی کی بات نہیں سنوں گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ یہ جوان اور اس قسم کا جرم کرے! تم لوگ خود ہی دیکھو، اس کا چہرہ اور اس کا بشرہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ بے گناہ ہے۔ اس سے جرم ہرگز نہیں ہوا۔ امیر نے اپنا بیان جاری رکھا ——

لیکن یہ سنکر ایک شخص بول اٹھا: گناہ کا تو یہ شخص اپنے خود ہی اعتراف کر رہا ہے، امیر نے اس شخص کو للکارا اور کہا بلا سبب اور بلا وجہ کیوں کسی مسلمان کے خون کا عذاب اپنے سر مول لے رہے ہو، یہ نوجوان ایسا بیوقوف نہیں کہ اپنی ہی بات سے اپنے قتل کا بندوبست کر لے۔ امیر کا ان باتوں سے مقصد یہ تھا کہ نوجوان اس سے انکار کر دے کہ اس نے قتل کیا ہے، کسی اور شہادت کے موجود نہ ہونے کی بنیاد پر مقدمہ خارج ہو جائے۔ مجرم کی طرف مخاطب ہو کر امیر نے کہا: اے جوان تم کیا کہتے ہو؟ جوان بولا: قضائے الٰہی اور تقدیرِ خداوندی کہ مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا۔ میرے نزدیک اس دنیا کے بعد دوسری دنیا بھی ہے، یہ میرا عقیدہ ہے اور میں اس جرم کے بعد یہ تاب نہیں رکھتا کہ اس جہان میں خدائے تعالیٰ کا عذاب اور عتاب اور قہر سہہ سکوں۔ شریعت کا اور خدا کا جو بھی حکم قاتل کے لئے ہو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اس پر امیر نے اپنے کو بہرا بنا لیا گویا کہ وہ اونچا سنتا ہے اور لوگوں کی طرف ملتفت ہو کر کہا کہ میں سُن نہیں رہا یہ جوان کیا کہہ رہا ہے، کیا اقرار کر رہا ہے اپنے جرم کا یا منکر ہے، لوگوں نے کہا نہیں یہ اقرار اور اقبال کر رہا ہے اپنے جرم کا۔ امیر بولا: میرے بیٹے تیری نہیں سے گنہگاری اور جرم کی سیاہی تو نہیں جھلکتی، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے تیرے دشمنوں میں سے کسی نے تجھ کو یوں ورغلا دیا ہے کہ اپنے کو مجرم کی حیثیت سے پیش کر دے اور اس طرح تجھے مارنے کی سبیل نکالی ہے! خوب سوچ سمجھ لو بیٹے! نوجوان بولا: اے امیر مجھے کسی نے یہ کہنے پہ نہیں اکسایا، میں مجرم ہوں، شریعت کی حد مجھ پہ نافذ کیجئے اور خدا کے قانون کے مطابق مجھے سزا دیجئے۔ امیر نے جب محسوس کیا کہ یہ لڑکا اپنے قول سے نہیں پھر رہا اور یہ تلقین اس کے لئے بے سود ہے اور جان دینے کی ٹھان لی ہے، اس لئے، نوجوان سے از سرِ نو پوچھا: اچھا تم کیا کہتے ہو؟ نوجوان اپنی بات پر قائم رہا اور کہا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے، اب امیر بولا: اچھا تو اب میں خدا کے قانون کا تجھ پر نفاذ کر دوں گا۔ اس کے بعد حاضرین کی طرف مخاطب ہو کے امیر بولا: تم لوگوں نے کبھی کسی اس جیسے متقی اور خدا ترس جوان کو دیکھا ہے، کم از کم میری نظر سے تو ایسا جوان گذرا نہیں۔ دیکھو تو سہی اس کے چہرہ سے سعادت اور مسلمانی اور عالی نسبی کے آثار

کس طور سے نمایاں ہیں۔ یہ اللہ کا خوف ہے کہ یہ جوان اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہے اسے معلوم ہے کہ مرنا تو
ہے ہی لیکن پسند یہ اس بات کو کرتا ہے کہ جائے تو اللہ کے حضور میں پاک اور پاکیزہ اور شہید کی طرح جائے
اب اس جوان کے اور حور و قصور (قصور جمع ہے قصر کی؛ قصر یعنی محل، حور جمع ہے حوراء کی، حوراء یعنی زن
سیاہ چشم، مترجم) کے درمیان بس ایک قدم ہی کا تو فاصلہ ہے۔ اب امیر نے نوجوان سے کہا کہ وہ غسل کر لے
اور دو رکعت نماز پڑھ کے توبہ کر لے اپنے گناہوں سے، تاکہ اس پہ شرع کی مقرر کردہ حد جاری کی جاسکے
جوان نے ایسا ہی کیا۔ امیر بولا: مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ یہ جوان اسی گھڑی بہشت میں داخل ہو جائے گا
امیر نے اس انداز گفتگو کے ذریعہ موت کا تصور اس جوان کے لئے اس درجہ لذت بخش بنا دیا کہ جوان کو جیسے مرنے
کی جلدی ہو رہی تھی۔ اس کے انداز سے یہ بات نمایاں تھی کہ اسے جلد از جلد ٹھکانے لگا دیا جائے تو وہ جیسے
سپاس گزار ہوگا۔ امیر نے حکم دیا کہ نوجوان کے کپڑے اتار دیئے جائیں لیکن نرمی اور مروت سے، اور اس کی
آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے۔ لیکن امیر برابر اسی نوع کی تسلی اور دلاسے کی باتیں کرتا رہا اور بہشت ہی
کی بات کر کے مرنے والے میں نشاط کی کیفیت پیدا کرتا رہا۔ پیچھے جلاد اپنی برہنہ شمشیر لئے جو پانی کے ایک قطرہ
کی مانند روشن اور تابناک تھی، جوان کے سر پر آکر کھڑا ہو گیا۔ امیر نے اشارہ کیا اور ایک ہی وار میں جوان کا
سر دور جا پڑا تھا۔ چند اور آدمیوں کو جنہیں مختلف جرموں میں پکڑا گیا تھا قید خانہ بھجوا دیا گیا۔ تاکہ وہاں رہ کر
یہ مجرم سدھر جائیں۔ اس کے بعد امیر اٹھ گیا اور اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ ندیم خلیفہ کے ملازم نے یہ جو کچھ دیکھا
تھا آکر بیان کر دیا۔ دوسرے دن یہ ملازم دوسرے پہلک پر اسکوٹ کے مکان پر گیا۔ عام یہ تھا کہ لوگ اور امیر
کے معاونین وغیرہ آتے جاتے تھے یہاں تک کہ دیوان خانہ ہجوم سے بھر گیا۔ اب جب دن نکل آیا تو امیر اپنے مکان سے باہر
آیا اور اس نے بار دیا یعنی لوگوں کو اپنے حضور پیش ہونے دیا۔ حالت یہ تھی اس امیر کی کہ اس کی تیوریاں
چڑھی ہوئی تھیں اور اس کے عملہ کے لوگ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر تک امیر چپ رہا پھر پوچھا: آج کسی
کو پکڑ کے لائے ہیں۔ لوگوں نے کہا: دو تین جوان ہیں جو مست پائے گئے انھیں کو لایا گیا ہے۔ امیر بولا: انھیں
حاضر کرو۔ لوگ ان نوجوانوں کو امیر کے سامنے لے آئے امیر کی نظر جوں ہی ان لوگوں پر پڑی وہ بول اٹھا:
ارے انہیں تو میں ایک زمانہ سے تاڑ رہا ہوں۔ ایک مجرم کی طرف خاص طور سے اشارہ کرتے ہوئے امیر بولا:
یہ بڑا ہی حرام زادہ ہے، فتنہ پرداز اور فسادی، اس کا تو اس وقت بغداد میں جواب نہیں ہے یہ تو گردن مارنے
کے قابل ہے۔ اسے بس ایک کام آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لڑکوں کو گمراہ کرتا ہے۔ کوئی دن ناغہ نہیں جاتا

کہ کم از کم دس آدمی اس کمبخت کی شکایت لیکر میرے پاس نہ آتے ہوں۔ میں تو کافی عرصہ سے اس ظالم کی تلاش میں تھا۔ غرض اس قدر سخت سست کہا اس امیر نے کہ جس جوان کو مجرم کی حیثیت سے لایا گیا تھا اس نے چاہا کہ جلد از جلد اسے ہلاک کر دیا جائے تاکہ اسے مزید دلخراش باتیں برداشت نہ کرنی پڑیں امیر نے اب حکم دیا کہ ہنٹر یا کوڑا لایا جائے۔ پھر کہا کہ چند آدمی اس جوان کو لٹا کر اس کے اوپر بیٹھ جائیں اور اسے چالیس کوڑے لگائیں چالیس کوڑے جب نوجوان کو مارے جا چکے تو امیر کے آدمیوں نے اسے قید خانہ اٹھا کے لے جانا چاہا۔ اس موقع پر پچاس سے زائد ممتاز قسم کے افراد نے اس نوجوان کے لئے سفارش کی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ ان ممتاز اور سربرآوردہ اشخاص نے قسمیں تک کھائیں کہ جسے قید کیا جا رہا ہے وہ بڑا ہی سعادت مند اور نیک لڑکا ہے لیکن کسی کی ایک نہ سُنی گئی اور نوجوان کو قید خانہ بھیج دیا گیا۔ عمائدین دل برداشتہ ہو کے واپس چلے آئے۔ سب امیر سے بیزاری کا اظہار کر رہے تھے۔ امیر اُٹھا اور اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ مامون کے ندیم کا ملازم جو یہاں کا رنگ دیکھ رہا تھا اُٹھا اور ندیم سے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ ندیم وعدہ کے مطابق تیسرے دن مامون کے پاس پہنچا اور دونوں مختلف اُمراء کے طرزِ عمل کے بارے میں جیسا کہ اس نے سنا تھا بیان کیا امیرالمومنین مامون نے یہ سُن کر بڑی حیرت کا اظہار کیا۔ بوڑھے امیر کو تو اس نے عفا اللہ (اللہ اس کو معاف کرے یعنی وہ امن میں رہے) کہا اور ادھیڑ عمر والے امیر پر ـــــ اس کتے پر یعنی جس نے ایک آزاد مرد سے یہ کمینہ برتاؤ کیا تھا ـــــ لعنت بھیجی۔ مامون نے سوچا اس دوسرے امیر کا جب ایک آزاد مرد سے یہ برتاؤ ہو سکتا ہے تو خونی مجرموں سے جانے وہ کیسے پیش آتا ہوگا۔ مامون نے احکامات صادر کر دیے کہ دوسرے امیر کو معزول کر دیا جائے، نوجوان کو (جسے اس امیر نے قید میں ڈالا تھا) قید سے نکالا جائے لیکن پہلے امیر کا عہدہ بھی قائم رکھا جائے اور اس کو از سر نو خلعت بھی پہنائی جائے۔

ـــــــــــــــ

(۴۰)
چالیسواں باب
فرمانروا کی عدل پروری اور ضوابط پسندی
اشارات

آفاتِ سماوی اور ایک مملکت پر پے بہ پے نازل ہونے والی مصیبتیں گویا زوال ملک و دولت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ ان مواقع پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت ایک خانوادہ سے دوسرے خانوادہ میں منتقل ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف شورشیں یورش کرنے لگتی ہیں۔ ساتھ ہی اعدائے دولت بھی ہاتھ میں تلوار اٹھا لیتے ہیں۔ ان پر آشوب ادوار کا خاصہ ہوتا ہے کہ ان میں شرفاء اور نجباء بالکل پس جاتے ہیں اور برباد ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف مفسدانِ ملک و ملت غلبہ پا جاتے ہیں اور من مانی کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے پیش نظر ملکی فلاح و صلاح ہوتی ہے اکھڑ سے جاتے ہیں اور اس طبقہ میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جن میں ثروت و وجاہت باقی رہ سکے۔ نجباء زادگان (مناصب سے) محروم ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ زمانہ بھی آتا ہے جب رذیل اور وضیع اشخاص وزارت اور پادشاہی کے القاب آداب اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی گویا وہ صورت ہوتی ہے کہ ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

غلامانِ ترک نژاد، خواجگی کا لباس پہن کے بریشم قبا ہو جاتے ہیں اور عالی تبار لوگ اپنے کو معمولی درجہ کے لوگ سمجھنے لگتے ہیں۔ شریعت کا کلاہ و بار ماند پڑ جاتا ہے۔ رعایا افرا تفری میں مبتلا ہو جاتی ہے اہل لشکر دراز دستی کرنے لگتے ہیں۔ اور ایک انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہوتا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ اگر کسی ترک کے زیر نگیں دس عدد تاجیک آجائیں تو عجب نہیں۔ اور اگر کسی تاجیک کو دس ترکوں کی سرداری نصیب ہو جائے تو عجب نہیں۔ مملکت بے ضابطگی کا شکار ہو جاتی

ہے اور بادشاہ لڑائی بھڑائی میں اس درجہ مصروف ہوتا ہے کہ اُسے ملکی مسائل کی طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں رہتی۔

پھر جب حالات پلٹا کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک عاقل و فرزانہ اور دور اندیش اور متدین قسم کا بادشاہ منظر عام پر آتا ہے۔ یہ بادشاہ ملک کو عقل و دانائی کے ساتھ چلاتا ہے۔ اور خدا کی بخشی ہوئی اسی فراست اور روشن ضمیری کے سبب یہ بادشاہ تمام چیزوں میں امتیاز کا خط کھینچتا ہے۔ اس قسم کا حاکم تاریخی سوابق اور پچھلے واقعات اور حوادث سے بھی باخبر ہونے کی سعی کرتا رہتا ہے یہی اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر پاتا ہے اور اس کے تمام اقدامات کا دارومدار آئین ملک پر ہوتا ہے۔ اس مرتب آئین کی رو سے ہر مقام کے آدمی کی حیثیت متعین ہو جاتی ہے۔ لیکن اہل کفر کی جڑیں اکھیڑ دی جاتی ہیں بادشاہ عادل ایک شاہ دیندار ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے بحکم الٰہی بدعتوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر غور و خوض سے اس نوع کی اور بہت سی باتیں مشاہدہ میں آسکتی ہیں۔ اور ان امور پر غور و فکر کے بعد بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نظام مملکت کی خاص خاص خرابیاں کون سی ہیں۔ قدیم سلاطین نے ایک روایت یہ بھی بنائی تھی کہ بڑے خاندانوں کو مٹنے نہیں دیتے تھے۔ اور ملوک و سلاطین کی آل اولاد کو محترم گردانتے تھے۔ انھیں وظائف و عطایا سے نوازتے تھے۔ اسی طرح علماء، علوی سادات، سرحد نشیں، اور ماہرین قرآن کو بھی بیت المال سے رقوم دیتے تھے۔ نتیجہ کیا ہوتا تھا۔ یہ لوگ بادشاہِ وقت کو دعائے خیر میں یاد رکھتے تھے۔ یوں اُن کی حکومتیں مستحکم ہوتی تھیں۔

حکایت

ایک بار، آلامِ روزگار کے مارے ہوئے چند شرفاء ہارون الرشید کے دربار میں فریاد لیکے آئے:

فریاد یہ تھی:

"اعلیٰحضرتا: ہم سب اللہ کے بندے اور اشراف زادے ہیں، ہم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن کے علوم پر مہارت ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو علماء دین کے مرتبوں پر فائز ہیں اور کچھ اچھا اور بزرگی رکھتے ہیں، ہم میں سے کتنوں کے اجداد نے آپ کے خاندان جلیل کی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ آج ہم کو مسلمان اور دیندار ہیں، یہاں یہ کہنے آئے ہیں کہ ہمارے نزدیک بیت المال پر ہمارا بھی حق ہے۔ ہاں اس بیت المال

اور خزانہ شاہی پر جس کی دولت آپ اپنی خواہشات نفس کی تسکین میں بے دریغ لٹاتے ہیں اور اس بات کا ذرا لحاظ نہیں کرتے کہ آپ کے اس عیش دوام کے مقابلہ میں ہم بوریا نشینان مسندِ فقر و گدائی نانِ شبینہ کو محتاج رہا کرتے ہیں، ہمارا بھی حق ہے۔ یاد رکھئے اگر آپ نے ہمیں ہمارا حق نہ دیا تو پھر خود اللہ تعالیٰ سے اس بات کی فریاد کریں گے کہ بیت المال کو آپ سے چھین کے کسی ایسے حاکم کے حوالہ کر دے جو مسلمانوں سے شفقت کا برتاؤ کرے اور انھیں ان کے حقوق سے محروم نہ رکھے"۔

رشید نے یہ فریاد نامہ دیکھا تو لرز اٹھا۔ متغیّر ہو گیا۔ اور اپنی محلسرائے خاص میں پہنچ کر لگا پیچ و تاب کھانے! زبیدہ (ہارون الرشید کی چہیتی بیوی اور ابن الرشید کی والدہ) نے جب ہارون الرشید کا یہ رنگ دیکھا تو اس نے سوال کیا "امیر المومنین کیا بات ہے سے کیا طبیعت کچھ نصیب دشمناں ناساز ہے؟ رشید نے زبیدہ کو سارا قصہ کہہ سنایا زبیدہ نے کہا "تم تاریخ کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے۔ تم یہ دیکھو کہ دورِ ماضی میں خلفاء اور دوسرے اعیان نے خلقِ خدا سے کس قسم کا برتاؤ کیا ہے۔ پھر وہی تم بھی کرو اور یہ لوگ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ بیت المال پر عام مسلمانوں ہی کا حق ہے۔ اِدھر تمہارا انداز یہ ہے کہ تم اس دولت کو بے دریغ لٹاتے ہو۔ آخر تم دوسروں کی (مسلمانوں کی) دولت پر اتنا ہی حق تو رکھتے ہو جتنا حق وہ تمہاری دولت پر رکھتے ہیں۔ آج اگر یہ لوگ تم سے اپنی پریشانی خاطر کہنے آئے تو لازم ہے کہ تم انھیں ان کی اس تلخ نوائی میں معذور سمجھو۔ عجب اتفاق کہ اسی دن شب میں رشید اور زبیدہ دونوں نے ڈراؤنے (ہولناک اور وحشت ناک) خواب دیکھے۔ خواب میں دونوں نے دیکھا کہ دونوں کے دونوں میدانِ حشر میں ہیں، قیامت آچکی ہے اور ایک ایک شخص کو پیش کیا جا رہا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کی شفاعت فرما دیتے ہیں اُسے بہشت بریں کی نزہت انگیز فضا میں لے جایا جاتا ہے، دفعتہً فرشتوں نے ان لوگوں کے بھی ہاتھ تھام لئے جب ان لوگوں نے سوال کیا کہ انھیں یہ فرشتے کدھر کو لئے جاتے ہیں تو فرشتوں نے جواب دیا:

رسالت مآب نے حکم دیا ہے کہ جب تک آپ تشریف فرما ہیں تم دونوں کو (مراد ہارون الرشید اور زبیدہ) آپ کے سامنے نہ لایا جائے تاکہ آنحضرتؐ کو خفت اور ندامت نہ ہو! آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں ان کے باب میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا مال سمجھا مستحقوں کو محروم ہی رکھا او عالم یہ تھا کہ یہ لوگ میری جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس خواب کو دونوں نے بیک وقت دیکھا تھا! جاگنے پر ہارون نے زبیدہ کی حالت غیر پائی تو پوچھا

تمہیں کیا ہوا؟ زبیدہ نے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ میں اس خواب سے بے حد ڈر گئی ہوں، ہارون نے کہا: میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا ہے۔

دوسرے ہی دن خزانۂ خلافت کا منہ کھول دیا گیا اور یارانِ حاجت مند کے لئے صلائے عام ہو گئی۔ بھر کیا تھا۔ خلقت بڑی بھاری تعداد میں ٹوٹ پڑی ہارون نے جی کھول کے داد دہش کی۔ اور حکم دیا کہ ہر شخص کو تین تین ہزار دینار عنایت کئے جائیں،

زبیدہ نے جب اپنے گرامی قدر شوہر کی فیاضی کا مظاہرہ دیکھا تو بولی: آج بیت المال کے تم امانت دار ہو لیکن یاد رکھو قیامت میں تم سے اس بیت المال کی رقوم کا حساب مانگا جائے گا۔ اور میرے نزدیک تو آج یہ جو کچھ تم نے لوگوں میں بانٹا ہے یہ تو انھیں کا مال تھا جو تقسیم ہوا۔ کچھ اپنی گرہ سے تو تم نے صرف کیا نہیں۔ لیکن میں اب یہ کرنے جاتی ہوں کہ روزِ قیامت نجات پانے کی خاطر خود اپنا مال لٹا دوں گی بخش دونگی؛

چنانچہ اس موقع پر زبیدہ نے بھی مستحقوں کو کئی کئی ہزار دینار عنایت کئے پھر کوفہ اور مکہ کی تمام سڑکوں پر پختہ کنویں بنوا دیے۔ یہ کنویں ایسے تھے کہ اس سے پہلے اس راستہ پر ایسے پختہ چاہ تعمیر نہ ہوئے تھے۔ اتنا کچھ صرف کرنے پر بھی زبیدہ کی دولت مکمل طور پر صرف نہ ہو سکی تھی۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سرحد پر مضبوط قسم کے قلعے بنوائے جائیں اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کی خاطر ہتھیار اور گھوڑے خریدے جائیں۔ اس کام کے لئے زبیدہ نے بہت بڑی جائیداد وقف کر دی لیکن دولتِ زبیدہ اب تک ختم نہ ہوئی تھی چنانچہ اس کے حکم سے کاشغر کی سرحد پر ایک محکم شہر قائم کر دیا گیا (نظام الملک نے اس شہر کا نام بدخشاں بتایا ہے لیکن مشہور ایرانی محقق عبدالوہاب قزوینی اس واقعہ کو افسانہ سے تعبیر کرتا ہے مترجم) اور اس کی سرحد پر چند مضبوط الاساس سرائیں بنوا دیں۔ اسی طرح زبیدہ کے احکامات کے مطابق خوارزم کے راستہ میں اور اسکندریہ شہر کے روبرو قلعے بنوا دیئے گئے۔ اور شہر پناہیں تو ہر جگہ بنوا دیں گئیں۔ ادھر مدینہ نبوی اور بیت المقدس کے مجاوروں میں بھی کافی رقم تقسیم کی گئی، یہ تھی زبیدہ کی فیاضی!

حکایت

یہ واقعہ زید بن اسلم نے بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیلات یہ ہیں جنھیں ابن اسلم نے صیغۂ متکلم میں بیان کیا ہے ایک رات کا ذکر ہے، امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس گشت کر رہے تھے۔ میں ان کے

ہمراہ تھا۔ ہم مدینہ کا گشت مکمل کرنے کے بعد شہر سے باہر نکل آئے۔ اب ہم مطلقاً صحرائی علاقہ میں تھے جنگل میں ہمیں ایک ویران سی چہار دیواری نظر آئی جس کے اندر سے روشنی نکل نکل کے باہر آ رہی تھی۔ نگاہ دور بین عمرؓ فوراً اس دھندلی روشنی پر پڑی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہم دونوں ذرا وہاں (وہ مقام جہاں سے روشنی آ رہی تھی) چل کر دیکھیں تو سہی کہ اس ویرانہ میں رات گئے یہ کون ہے۔ ہم چل پڑے۔ اب ہم روشنی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہاں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت ہے جس نے آگ پر ایک دیگچی چڑھا رکھی ہے اور دو لڑکے اس کے پاس ہی سوئے پڑے ہیں۔ عورت کہتی جاتی ہے: اے خدا! عمرؓ سے میرا انصاف لیجیو کہ خود تو شکم سیر ہو کے کھاتا ہے اور ہم ہیں کہ اس کے راج میں بھوکوں مرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہ عورت کا نالہ بھی سن لیا تھا فرمایا کہ ارے یہ کون عورت ہے جو سب کو چھوڑ کے بس عمرؓ کو اپنی بددعاؤں کا نشانہ بنا رہی ہے تم ٹھہرو میں خود آگے بڑھ کے معاملہ کی چھان بین کرتا ہوں، حضرت عمرؓ مطلع فریاد تک پہنچ چکے تھے۔ اور اس عورت سے پوچھ رہے تھے: اتنی رات گئے تم یہاں کیا پکا رہی ہو؟ عورت بولی: بتاؤں گی کیا قصہ یہ ہے کہ میں ایک مسکین اور غریب عورت ہوں جس کے پاس شہر مدینہ میں رہنے کے لئے مکان تک نہیں۔ روپیہ پیسہ سے الگ محروم ہوں۔ میرے یہ دونوں بچے بھوک سے بار بار روتے چیختے تھے۔ چنانچہ مجھے شرم محسوس ہوئی اور میں نے یہ پسند نہ کیا کہ ہمسایہ میں لوگوں کو اس کا احساس ہو سکے کہ ان بچوں کا یہ رونا بھوک کے سبب ہے چنانچہ اسی خیال سے میں یہاں آبادی سے دور نظر آئی ہوں۔ دیگچی میں نے البتہ آگ پر رکھ دی ہے مگر اس میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ بچے اس امید پر کہ کچھ نہ کچھ پک رہے گا سو گئے ہیں کہ کچھ پک جائے گا تو اٹھ کے کھا لیں گے آج دو دن ہوتے ہیں کہ ان بچوں نے پانی کے سوا کوئی چیز حلق سے نہیں اتاری۔ اور یہی میرا بھی حال ہے۔ میں بھی دو دن سے پانی پر جی رہی ہوں!

حضرت عمرؓ بولے: اگر ایسا ہے تو تمہیں عمرؓ پر نفرین کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے تم ذرا انتظار کرو میں ابھی لوٹ کے آتا ہوں۔ حضرت عمرؓ دوڑتے ہوئے اپنے مکان پہنچے۔ اور آن کی آن میں دو عدد گٹھڑ (بوجھ) اپنے شانوں پر لئے واپس آ گئے اب مجھ سے فرمایا: ابن اسلم چلو اس پردہ دار خاتون کے دکھ کا مداوا کریں۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین لائیے کم از کم یہ سامان تو مجھے دے دیجئے، خلیفہ اعلیٰ نے جواب دیا: یہ مانا کہ تم اس وقت کا میرا یہ بوجھ سہار لو گے مگر نریہ! کیا قیامت کے روز بھی تم میرا بوجھ سہار سکو گے۔ غرض زن صحرا کے سامنے ہم نے ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاول وغیرہ کی لا کے ڈال دی۔ اب حضرت

امیر المومنینؓ پانی کی تلاش میں باہر نکل گئے اور مجھے لکڑیاں لانے کا حکم دیا۔ بھوکے بچوں کی ماں کو جو یہ سارا سامان ملا تو اس نے جلد از جلد کھانا تیار کر لیا۔ ہنڈیا پک چکی تو ماں نے بچوں کو بیدار کیا اب بچے اور ماں سب نے مل کے کھانا کھایا اور جی بھر کے کھایا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اس مصیبت زدہ عورت اور اس کے بچوں کو گھر لے آئے اور کہا: اب عمرؓ کو بھی مت کوسنا کاٹنا۔ عمرؓ کو کیا خبر تھی کہ تم لوگ اس حالت کو پہنچ چکے ہو۔ عورت گھبرا سی گئی۔ اس نے چہرۂ پُر جلال عمرؓ کو بغور دیکھا اور قسمیں دلا کے پوچھنے لگی کیا تو عمرؓ نہیں ہے حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا اور دکھ کی ماری عورت نے رب العزت سے بحق عمرؓ عادل گستر یہ دعا کی:

"اے خدا جیسا عمرؓ نے ہم بھوک سے مرنے والوں کو آسودہ کر دیا۔ اسے بھی اپنی بخشائشوں اور آمرزشوں سے نواز دیجیو"

حکایت

اس سلسلہ کی ایک اور روایت ہے۔ یہ روایت کلیم اللہ کے دورِ شبابی سے یعنی اس دور سے جب ابھی آپ کو وحی والہام سے مشرف نہ فرمایا گیا تھا اور آپ بکریاں چرایا کرتے تھے، متعلق ہے۔ اسی دور کا واقعہ ہے کہ موسیٰ گلہ سے ایک بھیڑ بچھڑ گئی۔ راعی نے (گلہ چرانے والا) کہ دلِ دردمند رکھتا تھا چاہا کہ گم شدہ بھیڑ کو اس کے گلے میں شامل کر دے۔ چنانچہ جوانِ صالح نے کہ کچھ عرصہ بعد اسے بنی اسرائیل کی شبانی کرنی تھی، بھیڑ کے بچے کے پیچھے بھاگنا شروع کیا بھیڑ ادھر اپنی حماقت میں دوسری راہوں پر چلی جا رہی تھی۔ آخر کار بھیڑ بالکل ہی خستہ اور نڈھال ہو گئی۔ ایسی کہ غریب دوڑ تک نہ سکتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے دل میں کہا: دیکھوں یہ مجھ سے بھاگ کے جاتی بھی کہاں ہے! اسے اپنے کاندھے پر ڈالا اور دو فرسنگ راہ چلنے کے بعد اسے اس کے گلہ میں اور گروہ تک لے آئے۔ بھیڑ نے گلہ کو دیکھا تو بیتاب سی ہو گئی اور آ کے اپنے گلہ میں مل گئی۔ اس وقت موسیٰؑ نے ایک ندائے غیب سنی۔ یہ ندائے الٰہی تھی: "تمہاری اس دل سوزی اور ایک حقیر اور معصوم جانور کے لئے دردمندی سے ہم اتنا خوش ہوئے ہیں کہ ہم تمہیں خاص طور پر نوازیں گے اور تمہیں اپنا پیغمبر بنائیں گے" موسیٰؑ کو یہ تمام عظمتیں اور مرتبہ یاں دلِ دردمند کے طفیل ملیں۔

حکایت

مرد رود نام کے شہر میں ایک آدمی رہا کرتا تھا جسے رشید حاجی کہہ کے پکارتے تھے۔ یہ شخص بہت بڑا دولت مند اور صاحب جائداد تھا۔ اس شہر اور قریبی جوار میں اس سے بڑھ کر دولت مند کوئی نہ تھا۔ اس شخص نے محمود غزنوی اور اس کے علم پرور بیٹے مسعود کا زمانہ پایا تھا۔ اور ان ادوار میں اس نے بڑے بڑے کام کیے۔ اس کی جوانی اس کی ظلم وستم کرتے گذری تھی البتہ آخر عمر میں یہ تائب ہو گیا تھا اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو گیا تھا اس شخص نے جگہ جگہ مسجدیں بنوائی تھیں۔ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا حج سے واپس آنے کے بعد یہ بغداد رک گیا۔ اس نے سوچا لاؤ بغداد میں کچھ عرصہ رک جاؤں ایک دن یہی آدمی بغداد کے بازار سے گذر رہا تھا کہ اسے راستہ میں ایک بے حد کمزور اور مریل کتا جو چلنے پھرنے سے معذور تھا، نظر آیا۔ اس آدمی کا دل بھر آیا۔ اس نے اپنے ملازم کو ہدایت کی کہ کتے کو گھر پر لے آئے۔ کتے کو گھر پر لانے کے بعد اس نے پہلے تو جی بھر کے کھانے کو دیا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اس کے دکھتے ہوئے بدن پر مالش کی پھر اس کی تیمار داری شروع کر دی یہاں تک کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد یہی مرد متمول پھر حج کو گیا۔ بہت داد و دہش کی۔ وہاں سے واپس آیا تو خانہ نشین ہو گیا اور اسی عالم میں جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ کچھ دن گذر گئے ہیں کہ ایک شخص اس آدمی کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ مرنے کے بعد تم سے کس قسم کا برتاؤ روا رکھا گیا۔ یہ جواب دیتا ہے: اللہ نے اپنی رحمت اور عفو وکرم سے مجھے نواز دیا ہے۔ مگر یہ عفو وکرم ایزدی کو جنبش میں لانے والے میرے داد و دہش اور زیارت بیت اللہ وغیرہ کے افعال نہ تھے۔ دراصل اس کا باعث میرا وہی ایک لاچار و مریض کتے کی پاسداری کرنا ہوا۔ میرے اسی ایک عمل سے خوش ہو کے میرے پروردگار نے مجھے معاف کر دیا۔

یہ سب میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ خداوند عالم (بادشاہ) کو یہ معلوم ہو جائے کہ فیاضی اور کرم گستری بڑی ہی عظیم صفات ہیں۔ اور ان سے بڑھ کے کوئی بھلائی ہو نہیں سکتی۔ خواہ یہ فیاضی اور عنایت فرمائی کسی بھیڑ کے بچے یا کتے ہی سے کی جائے۔ بھیڑ اور کتے سے حسن سلوک کر کے انسانوں نے کیسے کیسے درجے پائے ہیں (کبھی پیغمبری تو کبھی مغفرت جاودانی!) پھر ظاہر ہے مسلمانوں پہ کرم گستری سے کیونکر گنتہ اور کیا کیا درجات عالیہ نصیب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان تو اللہ کے نزدیک بہت ہی محترم اور مکرم مخلوق ہیں مسلمانوں

کی حرمت (مراد حقیقی اور سچے مسلمانوں کی حرمت۔ مترجم) خدا کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی حرمت سے بھی فزوں تر ہے۔

بادشاہ کی خداترسی ہی اس کے عادل ہونے پر دال ہوگی۔ اور اس کے انصاف و نیکی سے قوم اور لشکر شاہی بھی یقینی طور متاثر ہوں گے۔

تتمہ و ضمیمہ

صاحب ضمیر اور روشن دماغ سلاطین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ معمّر اور آزمودہ کار اور رزم و بزم دیدہ اشخاص کو بے حد احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس گروہ میں ہر شخص کو ایک خاص رتبہ سے نواز دیا جاتا ہے۔ پھر مملکت جب کسی بحران سے دوچار ہوتی ہے یا کسی دوسرے ملک یا دربار سے تعلقات از سرِ نو قائم کرنے ہوتے ہیں۔ سلطنت اور دین کے رموز اور مسائل زیر بحث آتے ہیں اور اسی قبیل کی دوسری مہمیں درپیش ہوتی ہیں تو صلاح و مشورہ اور ارشاد و راہنمائی کے لئے رجوع انہی دانایان روزگار اور پیران کہن سال سے کیا جاتا ہے۔

نصیحت گوش کن جانا کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را حافظ

معمّر لوگوں سے مشورہ کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ مقاصد سلطنت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جنگ کے میدان کا حال ہے۔ میدان جنگ میں بھی کہ زور دست و ضربت کاری کا مقام ہوتا ہے جنگ دیدہ اور ماہر اور آزمودہ کار لوگوں ہی کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو جنہوں نے جنگیں لڑی ہوں۔ میدان جیتے ہوں۔ قلعے فتح کئے ہوں اور انھیں نام آوری بھی حاصل ہو چکی ہو، لیکن محض بہیمی کافی نہ سمجھی جاتی تھی یہ بھی دیکھا جاتا رہا ہے کہ یہ بوڑھے لوگ جہاں دیدہ اور دنیا نوردہ بھی رہ چکے ہیں یا نہیں ورنہ ان سے بھی بڑی ہلاکت خیز لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں۔

بہتر ہے کہ عند الضرورۃ اس مسئلہ پر بھی غور فرمایا جائے۔ تاکہ خطرات کی یورش کم ہو اور ہر اقدام صحیح اور مناسب ہو۔

اکتالیسواں باب (۴۱)

ایک ہی عہدار کو دو مختلف کام سونپنے سے گریز

اشارات

اس زمانہ میں القاب و آداب کی بہتات ہوگئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کی اب نہ تو قدر ہی باقی رہ گئی ہے اور نہ ہیبت اور حرمت، (تاریخ گواہ ہے) کہ بادشاہوں نے شاہی القاب سے لوگوں کو نوازنے میں ہمیشہ تکلف برتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکومت کے وقار کو اس صورت میں صدمہ پہنچتا ہے جب حکومت کے بخشے ہوئے اعزازا اور القاب اپنا وقار کھو دیتے ہیں اور فرق مراتب باقی نہیں رہ جاتا۔ ظاہر ہے اگر تاجر اور کاشتکار دونوں کو ایک ہی نام سے پکارا جائے گا تو نتیجہ انتشار ہوگا۔ اسی طرح اگر مشہور اور گمنام میں، اور عالم اور جاہل میں امتیاز نہ برتا گیا تو یہ مملکت کے شایانِ شان ہرگز نہ ہوگا۔ اس سے پیشتر امراء (امیر کی جمع۔ امیر معنی حاکم) اور ترک لوگوں کو حسام الدین (دین کی تلوار) سیف الدولہ (سلطنت کی تلوار)، امین الدولہ (حکومت کا امین) وغیرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ سول اور غیر فوجی حکام کے القاب کی مندرجہ ذیل صورت ہوتی رہی ہے

عمید الدولہ = حکومت اور سلطنت کا معتمد؛

ظہیر الملک = حکومت اور سلطنت کا پشت پناہ،

قوام الدولہ = حکومت اور سلطنت کا مدار المہام،

وغیرہ وغیرہ

اب جیسے یہ امتیاز ہی اٹھ گیا ہے۔ ترک لوگ (کہ صاحب سیف ہیں) خواجگانِ مملکت یعنی ملک کے امراء اور نوابوں کے القاب اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس کے برعکس یہی گروہ خواجگان (جمع خواجہ مراد امیر کبیر۔ نواب وغیرہ) ترکوں کے القاب اور ان سے مخصوص، خطابات قبول کر لیتا ہے اور لطف

بات یہ کہ اس میں عار بھی نہیں محسوس کرتا۔ لقب کا معاملہ عجیب رہا ہے۔ اسے ہر دور میں لوگوں نے بہت اہمیت دی ہے۔

حکایت

(الوالعزم) محمود جس وقت اپنے زور بازو سے سلطان محمود کے درجہ پر پہنچا تو اس نے اس دور کے عباسی خلیفہ القادر باللہ سے لقب کی درخواست کی۔ خلیفہ نے محمود کو یمین الدولہ (دست و بازوے حکومت) کا لقب عطا کر دیا۔ محمود نے اس وقت تو اسی لقب پر قناعت کر لی لیکن نیمروز (ترکستان کا ایک حصہ) خراسان اور ہندوستان میں سومنات تک کے علاقہ پر قابض ہو جانے کے بعد اس نے بیشمار تحائف اور تمام آداب بندگی بجا لاتے ہوئے پھر اپنا نمائندہ روانہ کیا۔ اور اس نمائندہ خصوصی کے ذریعے اپنے لقب میں اضافہ کی درخواست پیش کی۔ خلیفہ نے محمود کی یہ درخواست رد کر دی۔ کہا جاتا ہے محمود کے تقریباً دس بار اپنے نمائندہ کو بغداد دربار، بھیجنے کے باوجود اس کا کام نہیں بنا۔ اس کے برخلاف سمرقند کے خاقان کو ذیل کے تین لقب ملے ہوئے تھے،

ظہیر الدولہ : سلطنت کا پشت پناہ

معین خلیفۃ اللہ : امیر المومنین کا معاون و مددگار

ملک المشرق والصین : مشرق اور چین کا بادشاہ

محمود کو سخت ناگواری تھی۔ اب کے اس نے پھر اپنے نمائندہ کو بھیجا۔ اس نمائندہ کے ذریعہ محمود نے خلیفہ سے اس بات کی شکایت کی کہ اگرچہ اس نے محمود نے مقام خلافت ہی کے نام پر جہان کفر میں کشور کشائی کی ہے اور تلوار کے جوہر دکھائے ہیں مگر اس کے باوجود اسے صرف ایک لقب عطا ہوا اور اس کے برخلاف خاقان کو جو محمود ہی کا پروردہ و چیلا ہے تین تین لقب عنایت ہوئے ہیں۔ (بغداد سے) جواب آیا کہ لقب تو بس ایک اعزازی نشان ہوتا ہے جس سے لقب پانے والا مزید معزز مکرم ہو جاتا ہے اور اسے اس وسیلہ سے شہرت و نیک نامی بھی میسر آجاتی ہے۔ لیکن محمود کو ان چیزوں کی حاجت ہی کیا۔ معزز و مکرم بھی ہے وہ، معروف و مشہور بھی ہے وہ!

؎ حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

چنانچہ خاقان کو لقب القاب سے نوازنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یوں اس کے کم علم اور کم عقل ہونے کے عیوب ڈھانپ لئے جائیں گے اور محمود کو جو خلیفہ سے اتنا قریب ہے اور ساتھ ہی اتنا خردمند ہے ان چیزوں سے ماوراء اور بلند سمجھا گیا ہے۔ اس جواب سے محمود کی حد درجہ دل شکنی ہوئی خلیفہ کی یہ بے رخی اور لقب کے معاملہ میں اس کی یہ بے اعتنائی سخت گرانی مزاج کا موجب ہوگی۔ محمود کے قصر شاہی میں ایک ترک نژاد خاتون مقیم تھی۔ جو تحریر پر بھی قادر تھی اور تقریر پر بھی! (اپنے علمی کمالات کے باعث) اس ذہین اور خردمند خاتون کو محمود کی بارگاہِ خاص تک رسائی حاصل تھی یہ جب آتی تو محمود سے سخنہائے دلآویز کہتی تھی، مختلف النوع افسانہ طرازیاں کرتی تھی، حکایتِ غمِ دل بھی، حکایت غمِ دوراں بھی! ایک دن کی بات ہے کہ یہ زنِ باکمال، محمود کی مجلس میں شریک تھی اور حسبِ معمول انداز گل افشانیٔ گفتار دکھا رہی تھی کہ دفعتہً محمود بولا: میں نے کتنی ہی کوشش کر ڈالی خلیفہ (القادر باللہ) میرے القاب میں اضافہ کا حکم دیدے، میری کچھ پیش نہ گئی۔ اس کے برخلاف خاقان کو دیکھو کہ ہے تو میری رعیت اور محکوم لیکن اسے متعدد القاب سے مخاطب کیا جا چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میں سے کوئی یہ کرے کہ خاقان کے محل سے وہ مثالِ خلافت جس کی رو سے اسے دربارِ خلافت سے القاب عطا ہوئے ہیں اڑا لائے اور لاکے میرے سپرد کردے۔ میں اس شخص کو (مرد یا عورت) منہ مانگی مراد دوں گا۔ (عجیب دل گردے والی) یہ عورت بولی: میں جاؤں گی اور یہ مثال لے کے آؤں گی لیکن پھر جو بھی مانگوں گی بادشاہ کو دینا پڑے گا۔ محمود تو چاہتا ہی یہ تھا کہ کوئی اس مہم کو سر کرنے پر آمادہ ہو جائے، اس نے کہہ دیا: "دوں گا جو مانگو گی" لیجئے یا ہمت اراہم جو عورت کبل کانٹوں سے لیس کردی گئی اور اپنے بیٹے کو ہمراہ لے کے غزنین سے کاشغر پہنچ گئی۔ اپنے ساتھ اس عورت نے چند ترک غلام، ختا اور چین کی نادر اور دلپذیر مصنوعات اور اشیاء ظریفہ، اور پارچہ جات میں حریر و دیبا، پھر لونڈیاں اور اسی قبیل کی اور بہت سی چیزیں لے لیں اب حسن اتفاق میں باساز و یراق آتا ہے کہ مصداق یہ عورت سوداگروں کے قافلہ میں شامل ہو کے سمرقند پہنچی۔ وہاں تین دن قیام کرنے اور گویا گرد سفر جھاڑنے کے بعد یہ صاحبہ، خاتون سمرقند (خاتون خاقان کی ملکہ کا لقب تھا) کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عورت تھی حد درجہ عیار، گئی تو خاتون کے لئے ایک نادر تحفہ بھی لیتی گئی۔ ایک حسین و جمیل لونڈی، زلف شکن اندر شکن کے ساتھ! اس پیشکش کے بعد اس عورت نے یوں اپنی کہانی بیان کرنی شروع کی: میرا میاں سوداگر تھا اور تجارت کے سلسلہ میں اسے چین

سفر پیش آتے تھے ان میں وہ مجھے بھی ہمراہ رکھتا تھا۔ خطا کا ارادہ کر کے نکلا تھا لیکن ابھی ختن ہی میں تھا کہ اسے دوسری دنیا کو سدھارنا پڑا۔ میں ایسے میں کرتی بھی کیا۔ سیدھے کاشغر واپس آگئی۔ یہاں خانِ کاشغر کی خدمت میں باریاب ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ میرا شوہر خاقانِ اعظم کے خدّام میں شامل تھا اور میں خاقان کی خاتون کی لونڈی تھی۔ مجھے آزاد کر کے اس کے عقد میں دیدیا گیا۔ یہ جو لڑکا میرے ساتھ ہے اسی میرے شوہر کی یادگار ہے۔ اب میرا شوہر تو ختن میں وفات پا چکا ہے اور یہ جو کچھ بھی اس نے باقی چھوڑا ہے دراصل یہ سب خاقان اور خاتون کا عطا کردہ مال ہے۔ مجھے خان سے یہ امید ہے کہ وہ مجھ پر اور اس یتیم بچہ پر عنایت کرتے ہوئے بحفاظت یوزکند بھجوادیں اور پھر وہاں سے سمرقند، اگر ایسا ہو جائے تو میں بے حد شکرگزار اور تمام عمر دعاگو رہوں گی۔ خانِ کاشغر خاتون اور خاقان دونوں کا ذکر خیر بڑے احترام وادب سے سنتا رہا پھر اس نے ہمیں راستے کے لئے آدمی دیئے اور یوزکند کے خان سے سفارش کردی کہ وہ ہماری خصوصی نگہداشت کرے۔ اور اپنے خاص انتظامات میں ہمارے سمرقند بھیجنے کا بندوبست

اب کہ میں سمرقند میں تمہارے قدموں میں آپڑی ہوں (مجھے اپنے شوہر مرحوم کی یہ وصیت یاد آتی ہے) کہ اگر میں سمرقند پہنچ جاؤں تو پھر وہاں سے جانے کا نام نہ لوں۔ خاتون! ہم تمہارا نام سُن کے وہاں سے یہاں آئے ہیں۔ تم ہمیں غلامی میں قبول کر لوگی اور شفقت کا ہاتھ ہمارے سر پر پھیروگی تو کیا مجال کہ ہم پھر یہاں سے جانے کا نام بھی لیں۔ پھر تو ہم یہیں رہ جانا پسند کریں گے۔ اپنی پونجی کو بیچ کے میں تھوڑی سی جائداد خرید لوں گی اور یہیں بیٹھ جاؤں گی میرے لئے یہ کیا کم ہے کہ مجھے خاتون کی سرپرستی حاصل رہے گی۔ میں یہاں اپنے بیٹے کی پرورش بھی کروں گی۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے طفیل میں اللہ تعالیٰ اس لڑکے کو میرے خوش نصیب کرے گا۔ خاتون نے یہ سُنکر کہا:

فکر مت کرو۔ جہاں تک ہو سکے گا میں تم لوگوں کی نگہداشت کروں گی۔ اور تم سے ہر قسم کا حسنِ سلوک کروں گی۔ بلکہ میں تمہارا وظیفہ بھی مقرر کر دوں گی۔ غرض میں وہی سب کر دوں گی کہ جس کی تمہیں آرزو ہے ہر وقت ہر ساعت تم کو اپنے سامنے بٹھاؤں گی۔ خاقان سے الگ سفارش کر دوں گی کہ جو جو تمہیں درکار ہو تمہیں دے دیا جائے۔

عورت نے خاتون کو تسلیمات ادا کی اور کہا: اب تمہیں میری مالکہ ہو۔ میں تو یہاں کسی کو جانتی ہوں نہیں کیا تمہیں پسند کروگی تو مجھے خاقان کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہو جائے گا اور میں اپنی فریاد خاقان

کے حضور میں پیش کرسکوں گی۔ خاتون نے کہا: کل آنا! چنانچہ دوسرے روز یہ عورت حاضر ہوئی۔ اور اسے خاقان کے سامنے لے جایا گیا۔ خاقان کے حضور، یہ عورت پہلے تو کورنش بجالائی۔ اس کے بعد ایک صاحب جمال ترک غلام اور ایک گھوڑا نذر کے طور پر پیش کئے۔ عورت نے خاقان سے کہا: میں نے اپنے واقعات کچھ تو خاتون سے بیان کردئے ہیں۔ اور حضور کچھ اب عرض کئے دیتی ہوں میرے شوہر کا جب آخری وقت آپہنچا تو اس وقت صورت یہ تھی کہ کچھ پونجی اس کی ختا میں بھی لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے وصیت کردی کہ اسے دوبارہ واپس لانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے یہ کیا کہ اس سرمایہ کا کچھ حصہ تو خان کاشغر کو نذر کردیا اور کچھ خاتون کو نذر کردیا اور کچھ راستہ میں خرچ کردیا۔ اب اس لونڈی کے پاس لے دے کے یہ یتیم لڑکا رہ گیا ہے اور بس! خاقان بھی اس خادمہ کو اپنی غلامی میں خاتون کی طرح قبول کرلیں۔ میں تو اس ارادہ سے آئی ہوں کہ اب اسی بارگاہ میں اپنی بقیہ عمر گذار دوں گی۔ خاقان پر ان دلپذیر باتوں کا بے حد اثر ہوا۔ پھر کیا تھا غزنین سے آئی ہوئی عورت دربار کا زیادہ سے زیادہ اعتبار حاصل کرنے کے لئے ہر روز خاتون کے لئے ایک نہ ایک تحفہ ضرور لاتی۔ قصہ کوتاہ خاقان اور خاتون کا جی بہلاتی۔ اور اب تو یہ عالم ہوگیا کہ میاں بیوی (خاقان اور خاتون) اس عورت کے بغیر پل بھر بھی خوش نہ رہ سکتے تھے۔ یہ عورت ان دونوں سے خاصی بے تکلف ہوگئی۔ لیکن عجیب بات تھی خاقان اور خاتون کی کسی پیشکش کو، جاگیر وغیرہ کو بھی، اس عورت نے قبول نہ کیا۔ اس نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ ہر تیسرے چوتھے روز اپنی قیام گاہ کو چھوڑ کر شہر سے تین چار فرسنگ دور باہر چلی جاتی تھی۔ بہانہ یہ تھا کہ میں شہر کے اطراف و نواح میں کچھ زمین خریدنا چاہتی ہوں اور پھر وہیں آباد ہوجانا چاہتی ہوں۔ غرض تین چار دن باہر رہ کے یہ عورت پھر واپس آجاتی اور جس وقت خاقان اور خاتون کے آدمی اسے بلانے آتے وہ یہ کہلا بھیجتی کہ وہ جائداد بنانے کی فکر میں ہے۔ یہ سنکر خاقان اور خاتون دونوں ہی مسرور ہوجاتے تھے۔ انھیں اس خیال سے تقویت پہنچتی تھی کہ ان کی منظور نظر یہ عورت اب یہیں رہ پڑی۔ یوں چھ ماہ گزر گئے چند بار ایسا بھی ہوا کہ خاقان اور خاتون نے اس عورت سے بہت زبردست اصرار کیا کہ وہ ان کے بخشے ہوئے تحائف قبول کرلے لیکن وہ تھی کہ استغنا ہی برتے جاتی تھی۔ کہتی تھی کہ آخر میں اس مال و زر کو لے کے کیا کروں گی! مجھے تو بس دنیا میں ایک چیز مطلوب ہے اور وہ چیز ہے اپنے خداوندان نعمت کا دیدار! جو اس زمانہ میں میرے نصیب میں آیا ہے۔ پھر جب مجھے کوئی ضرورت پیش آئے گی تو اس در کے علاوہ جاؤں گی بھی کہاں، غرض اس عورت نے سنجیدگی دلآویزگی سے پلا پلا کے خداوندان نعمت، کو خوب ہی اپنا فریفتہ اور دلدادہ اور

گرویدہ کر لیا ایک کام اس زنِ عیّار نے اور کیا۔ اس نے اپنا تمام مال واسباب ایک ایسے تاجر کے سپرد کر دیا جو تجارت کے سلسلہ میں برابر غزنین سے سمرقند آتا رہتا تھا۔ پانچ عدد سواروں کو بھی اس نے بلخ کے راستے روانہ کر دیا۔ ان سواروں کو ہدایت تھی کہ یہ اپنے اپنے گھوڑوں کے ساتھ مختلف منزلوں پر حالتِ انتظار میں رہیں اور یہ اس وقت تک انتظار کریں جبتک یہ عورت نہ آجائے اسکے بعد یہ عورت خاقان اور خاتون کے پاس گئی۔ پہلے دونوں کی شان میں "قصیدہ خوانی" کی اور پھر کہا کہ آج میں اپنی ایک غرض لے کے آئی ہوں۔ مگر ابھی تک یہ طے نہیں کر سکی کہ اس کا اظہار کروں یا نہ کروں۔ خاتون نے یہ سنکر کہا: ارے یہ کیا کہہ رہی ہو، تمہیں تو اس وقت تک سیکڑوں ہی آرزوں کا اظہار کر لینا چاہیئے تھا۔ کہو، ضرور کہو، تمہاری ہر بات پوری کی جائے گی، عورت بولی: بات بس اتنی ہے خاتونِ معظم کہ میرا یہ جو لڑکا ہے اسے میں نے قرآن اور ادبیات کی تعلیم دی ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ یہ لڑکا سعادت مند ثابت ہوگا۔ قرآن اور حدیث کے بعد میرے نزدیک اس دنیا میں جو چیز سب سے زیادہ محترم ہے وہ یقیناً وہ مثال ہوگی جو اس دربار میں امیرالمومنین نے روانہ کی ہے۔ پھر جس دبیر (سکریٹری) نے یہ مثال رقم کی ہوگی اس کے علم وفضل کا کیا ٹھکانا! اگر میرے آقایانِ نعمت (مراد خاقان وخاتون) مناسب سمجھیں تو چند دنوں کے لئے امیرالمومنین کا بھیجا ہوا وہ عہد نامہ مجھے عنایت فرمادیں۔ میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ میرا لڑکا اس عہد نامہ کی عبارت کسی بڑے ادیب عالم سے سمجھ لے یہ سنکر خاقان اور خاتون ایک ساتھ بول اُٹھے: ارے یہ بھی کوئی بات ہوئی تم نے کوئی شہر یا ولایت مانگی ہوتی تو ایک بات بھی تھی جس نامہ کا تم نے ذکر کیا ہے اس جیسے تو ہمارے یہاں پچاس عدد موجود ہیں۔ تم پسند کرو تو سبھی تمہیں دے دیے جائیں، عورت بولی: بس مجھے تو ایک ہی کی ضرورت ہے۔ (میں پچاس کیا کروں گی) پھر کیا تھا خاقان نے کسی اہم سرکار کو حکم دیدیا کہ یہ عورت خزانہ سے جو عہد نامہ اور جو مثال بھی لینا چاہے اسے دیدی جائے، عورت خزانہ پہنچی اور مطلوبہ نامہ اُٹھا لائی۔ دوسرے ہی دن اس عورت نے اپنے تمام گھوڑوں کی زین کسوائی، اونٹوں پر مال واسباب لدوا دیا اور اعلان یہ کروا دیا کہ میں ایک ہفتہ کے لئے فلاں فلاں نام کے موضع پر جا رہی ہوں مجھے وہاں کچھ جائداد خریدنی ہے۔ عورت تھی بہت ہوشیار۔ بس ذرا رُکے بغیر چل دی، اور سیدھے اسی دیہات میں پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ سمرقند سے روانہ ہو اس نے اس قسم کے احکامات حاصل کر لئے تھے کہ وہ جہاں بھی جائے اسے عزت وحرمت سے اُتارا جائے اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا جائے۔ اس فضا میں آدھی رات کو یہ عورت شہر سے کوچ کر گئی اور راتوں رات تین میل کا فاصلہ طے کر لیا

اس طرح پانچویں روز ترمذ آگئی۔ راستے میں جہاں کہیں ضرورت پیش آتی یہ خاقان کی لکھی چٹھی دکھا دیتی۔ اسی طرح بلخ تک کی مسافت قطع ہوگئی اس تمام عرصہ میں خاتون اس سفر سے مطلقاً ناواقف رہی۔ بلخ سے غزنین پہنچ کر یہ عورت عہد نامہ کو سلطان محمود کی خدمت میں لے گئی محمود نے فوراً ایک اپنے مستند اور پختہ کار اور سمجھدار سفیر کی معرفت اس مثال خلافت کو القادر باللہ کے پاس بھجوا دیا۔ اور ساتھ ہی ایک عریضہ بھی ارسال کیا جس میں یہ تھا کہ میرا ایک خانہ زاد سمرقند گیا ہوا تھا۔ وہاں اتفاق سے اسے ایک مکتب میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس مکتب میں اس نے یہ مثالِ خلافت بچوں کے ہاتھ میں پائی! میرے آدمی نے فوراً بچوں کے ہاتھ سے یہ مثال چھین لی۔ اور میرے پاس اسے لے آیا۔ محمود نے اپنے عریضہ میں یہ بھی تحریر کیا تھا کہ مقام خلافت کو مثالِ خلافت یا نامہ ہائے شاہی ایسے لوگوں کو تفویض کرتے چاہئیں جو انھیں محترم سمجھیں اور انھیں عزت سے اپنے سر پر رکھیں۔ محمود کے سفیر نے خلیفہ کے حضور جب یہ معروضات پیش کئے تو اس کی (خلیفہ کی) حیرت کی انتہا نہ رہی چنانچہ فوراً ہی خلیفہ نے خاقان کے نام ایک عتاب نامہ لکھوایا۔ یہ سب کچھ تو ہوتا رہا، محمود کا سفیر بھی قصر خلافت میں چھ ماہ تک پڑا رہا، درخواستوں پر درخواستیں دیتا رہا۔ لیکن اسے کوئی مناسب جواب نہ ملتا تھا۔ آخر میں محمود کے سفیر نے مندرجہ ذیل مضمون کا ایک فتویٰ تیار کروایا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک ایسا بادشاہ ظاہر ہو جس سے اسلام کا دبدبہ اور اس کی صولت قائم ہو۔ وہ کفار سے جہاد کر کے دار الکفر کو دار الاسلام بنا دے۔ اور خلیفہ اس سے اس قدر دور ہو کہ وہ مختلف حالات اور واقعات سے اس کو مطلع نہ کر سکے تو اس کے لئے یہ مناسب ہے یا نہیں کہ بنی عباس میں سے کسی کو خلیفہ تسلیم کر کے اس کی اقتداء اور اتباع شروع کر دے؟

یہ استفتاء جب قاضی القضاۃ کے ہاتھوں میں پہنچا تو قاضی القضاۃ نے ہاں، کہدیا یعنی اپنے فتویٰ میں اس نے یہ لکھ دیا کہ مذکرہ بالا صورت میں اس قسم کے بادشاہ کے لئے جائز ہے کہ کسی عباسی سردار کو خلیفہ تسلیم کرے! محمود کے سفیر نے اس فتویٰ کی نقل اپنے ایک نئے عریضہ سے منسلک کر دی۔ اس عریضہ میں یہ تھا کہ میں مدت سے یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ محمود نے حضور سے کیسا کیسا اچھے القاب میں اضافہ کی تمنا کی ہے لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی، اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر محمود قاضی القضاۃ کے فتویٰ پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو یہ اس کا قصور ہوگا یا ....

خلیفہ نے جب اس عریضہ کو پڑھا تو اسی وقت حاجب الباب یعنی دربان خاص کو اپنے وزیر کے پاس

روانہ کیا۔ احکامات یہ تھے کہ محمود کے سفیر کو اسی وقت بلوایا جائے اور اس سے پوچھا جائے ... بتا تیری رضا کیا ہے؟ اسے خلعت بخشی جائے اور یابد ولت نے محمود کو جو نیا لقب عطا کرنا پسند کیا ہے اسکی مثال اس کے (محمود کے سفیر کے) حوالہ کر کے اسے روانہ کر دیا جائے۔ لیکن اس تمام عرض نیاز اور اظہار بندگی کا نتیجہ در حقیقت ہوا کیا تھا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ محمود کو عرف امین الملت کا خطاب مزید مل گیا تھا چنانچہ جب تک وہ جیتا رہا اسے یمین الدولہ، امین الملت کہا جاتا رہا۔ (کہاں القاب کے معاملہ میں اس قدر یہ یہ پاپڑ بیلنے پڑ گئے تھے) اور کہاں آج کل کا زمانہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو کہ اگر اس کے نام کے ساتھ دس سے کم القاب لکھدیں تو غضب آلود نہ ہو جاتا ہو۔ اور پھر آزار رسانی پہ اُتر آتا ہو۔ آل سامان میں ہر بادشاہ کا صرف ایک لقب ہوتا تھا نوح سامانی کا لقب شاہنشاہ تھا۔ اس کے والد کا امیر سدید (سدید یعنی راست باز) اس کے دادا کو امیر حمید کہتے تھے۔ اسمٰعیل بن احمد کو امیر عادل کے نام سے پکارتے تھے۔ قضاۃ (جمع قاضی) ائمہ (جمع امام) اور علماء کے القاب اس قسم کے ہوتے تھے :

مجد الدین، (دین کی عظمت)، شرف الاسلام (اسلام کی آبرو)،

سیف السنۃ، (شریعت کی تلوار)، زین الشریعہ (اسلام کی زینت)،

فخر العلماء، (اہل علم کے طبقہ کی آبرو) وغیرہ وغیرہ

چونکہ شریعت کا تعلق دین سے ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص بغیر عالم ہوتے ان القاب کو اختیار کرلے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس بات پر اس کو تنبیہ کرے اور اسے اس کی اجازت نہ دے۔ سرداران لشکر اور صوبہ داروں کو دولہ کا خطاب ملتا آیا ہے، جیسے سیف الدولہ، حسام الدولہ اور ظہیر الدولہ وغیرہ، اونچے رتبے کے دبیروں اور منتظمین اعلیٰ کو 'ملک' کا خطاب دیا جاتا ہے۔ شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک وغیرہ سلطان سعید الپ ارسلان کے عہد کے خاتمہ سے یہ ضوابط و قواعد بدل گئے ہیں۔ اور اب کوئی امتیاز باقی نہیں رہ گیا ہے اور القاب گڈمڈ سے ہو گئے ہیں۔ اگلے وقتوں میں تو یہ تھا کہ لقب کا حصول بے حد مشکل تھا۔ بویہیان عراق یا قونیان عراق کہ جن سے بڑھ کر عراق میں کوئی بھی تو نہ تھا خود انھیں عضد الدولہ اور رکن الدولہ سے زائد خطابات نہ ملتے تھے۔ ان کے (قونیان عراق کے) وزراء کے القاب جلیل (با عظمت اور با اجلال) اور استاد خطیر (استاد بزرگ یا استاد کامل) ہوتے تھے۔ ان وزراء میں سب سے زیادہ بارتبہ وزیر صاحب عبّاد تھا اس ادیب کامل اور تجربہ مند وزیر کا لقب صاحب کافی الکفاۃ (بادشاہ کا رفیق یا سفیران) تھا محمود

غزنوی کے وزیر کا لقب شمس الکفاۃ (فلک استعداد و لیاقت کا آفتاب درخشاں) تھا۔ اس سے پہلے ملوک (جمع ملک = بادشاہ) کے القاب میں دین یا دنیا کے الفاظ نہیں ہوتے تھے۔ امیر المومنین المقتدی بامر اللہ (القادر باللہ کے جانشین کا جانشین) نے سلطان ملکشاہ کو معز الدنیا والدین (دنیا اور دین کی عزت بڑھانے والا) کے الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ ملکشاہ کے بعد برکیارق، کو رکن الدنیا والدین، محمود کو ناصر الدنیا والدین، اسمٰعیل کو محیی الدنیا والدین، سلطان محمود کو غیاث الدنیا والدین کہا جانے لگا۔ ملوک کی بیویوں کو بھی الدنیا والدین لکھتے ہیں۔ ملوک کے اخلاف و اولاد میں القاب کے الفاظ میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طبقہ کو یہ لقب زیب دیتا ہے۔ اس لئے دین اور دنیا کی مصلحتیں ان کی ذاتوں سے وابستہ رہتی ہیں۔ ایک ملک اور ایک حکومت کا جمال بھی اسی وقت تک ہے جب تک بادشاہوں کی زندگی قائم ہے۔ باعث حیرت ہے کہ بعض بدمذہب اور بددین اور فساد انگیز قسم کے ترک اور غلام، معین الدین اور تاج الدین جیسے لقب اختیار کر لیتے ہیں۔ پہلا وزیر جس کے لقب میں (ملک) کا لفظ شامل ہوا نظام الملک ہوا جسے قوام الملک (ملک کا پشت پناہ) کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ دین اور اسلام اور دولت جیسے الفاظ اور کلمات کو اپنے القاب میں شامل کرنے کا چار طبقوں کو جواز حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ گروہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ پادشاہ (یا بادشاہ)

۲۔ وزیر

۳۔ عالم

۴۔ امیر۔ لیکن ایسا امیر جو مستقل طور پر جہاد میں مشغول رہے اور اسلام کی نصرت و مدد کرے

اس طبقہ کے علاوہ یعنی (بادشاہوں، وزیروں، علمائے اسلام اور مشغول جہاد و پیکار امراء کے طبقہ کے علاوہ) اپنے القاب میں دین اور اسلام کے الفاظ شامل کرنے والوں کو ایسی تنبیہ کرنی چاہیئے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ لقب کا اصل مقصد صاحب لقب کی شخصیت کا تعارف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیا جائے کہ کسی مجمع میں یا کسی مجلس میں سو آدمی بیٹھے ہوں جن میں دس آدمی ایسے ہوں جن میں سے ہر ایک کا نام محمد ہو۔ اب ایسی صورت میں کہ کوئی شخص اے محمد کہہ کے پکارے، یہ دس کے دس محمد، یہ سمجھتے ہوئے کہ ان میں سے ہر ایک کو پکارا گیا ہے بیک آواز لبیک (اردو میں جی) کہہ اٹھیں گے لیکن دوسری صورت

کا تصور کیا جائے اور ان میں سے کسی کو مختص (خصوصی)، کسی کو موفق (کامیاب)، کسی کو کامل، اور ایک کو سدید (راست کردار و نیک)، ایک کو رشید اور اسی طرح باقی لوگوں کو مختلف ناموں سے پکارا جائے تو ہر شخص فوراً سمجھ جائے گا کہ بلایا اُسے گیا ہے۔ (یہ بات دوبارہ لکھی جارہی ہے) کہ صرف وزیر، طغرائی (منشی) مستوفی (دبیر)، عارض (عرضی نویس سلطان)، عمید بغداد (بغداد کا مجسٹریٹ) عمید خراسان (خراسان کا مجسٹریٹ) "الملک" کے لفظ کے مجاز قرار پا سکتے ہیں۔ ورنہ عموماً القاب میں الملک کا لفظ نہیں شامل کیا جانا چاہیئے جیسے: خواجہ رشید، مختص، سدید، نجیب، استاد امین، استاد خطیر، تکین (مکین) وغیرہ وغیرہ،

اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ بڑوں اور چھوٹوں میں تمیز قائم کی جاسکے گی، عوام اور خواص میں امتیاز پیدا ہو سکے گا اور دیوان کی رونق برقرار رہ سکے گی۔ جب مملکت میں حالات بہتر ہوتے ہیں تو اس کا اظہار فوراً ہی ہو جاتا ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ منصف اور روشن ضمیر بادشاہ بغیر کافی چھان بین کے کوئی کام انجام نہیں دیتے۔ یہ ذیل کی باتوں کا مزید لحاظ رکھتے ہیں:

۱۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسلاف کے حالات کے جویا ہوتے ہیں۔

۲۔ قدیم کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

۳۔ سلطنت کے کاموں میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں۔

۴۔ القاب کے عطا کرنے میں ضابطہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔

۵۔ غیر سود مند قسم کی بدعتوں اور جدتوں کو اپنی قوی الرائی اور حکم جاری اور شمشیر خارا شگاف کے سہارے، نہیں پنپنے دیتے۔

(۴۲)

بیالیسواں باب

سرداران فوج کی حیثیت کا تعین

اشارات

بیدار مغز بادشاہوں اور عقلمند وزیروں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ایک ہی شخص کو دو مختلف کاموں پر نہیں لگاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں اور ان وزیروں کے کام بگڑنے نہیں پاتے تھے جہاں کسی کو بیک وقت دو کام سونپے گئے نظام درہم برہم ہو گیا۔ اس لئے کہ پھر ان دو کاموں میں سے ایک کا بگڑنا یقینی ہوتا تھا۔ یا کم از کم اس میں خرابی ضرور نمودار ہو جاتی تھی۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جب کبھی کسی کو دو کام دیئے جائیں گے اس کے کاموں میں قصور کا پیدا ہونا یقینی ہے ایسا شخص کبھی مقبول نہیں رہ سکتا بلکہ اسے قصوروار اور غلط کار سمجھا جائے گا ایک اور مصیبت یہ ہوتی ہے کہ بیک وقت دو کاموں میں لگے رہنے سے نہ یہ ہو پاتا ہے نہ وہ، اور ایک کام کا خراب ہونا تو قطعاً یقینی ہوتا ہے۔ اس باب میں ایک کہاوت کہی جاتی رہی ہے کہ جس گھر میں دو عورتیں خانہ داری کریں گی وہ گھر برباد ہو جائے گا نا اہل وزیر اور غافل بادشاہ کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ان کے دور میں دیوان (مرکزی سیکرٹیریٹ) سے ایک حاکم کو ایک ہی وقت میں دو مختلف قسم کے احکامات ملتے ہیں

آج یہ عالم ہو گیا ہے کہ بعض لوگ بغیر اس کے کہ ان کے اندر ضروری استعداد بھی ہو، ایک ایک وقت میں دس دس عہدے سنبھالے ہوتے ہیں، یعنی وہ یہ بھی ہیں اور وہ بھی، اور یہی نہیں اگر کسی عزیز عہدہ کے ملنے کی ان کے لئے سبیل نکل آئے تو یہ اسے بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے یہ ظالم کہ ان میں ایک خاص کام کرنے کی اہلیت اور صلاحیت بھی ہے یا نہیں، اسی طرح ان میں انشاپردازی اور لکھنے کی قابلیت معاملہ فہمی اور مسائل پر گرفت پانے کی صلاحیت ہے یا نہیں، اور وہ مختلف کام جو انھیں سونپے گئے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کی لیاقت ہے یا نہیں۔ اس زمانے میں بہت سے اچھی انتظامی صلاحیتیں رکھنے والے اور قابلِ اعتماد اور نیک لوگ محروم کر دیئے گئے ہیں اور عالم یہ ہے کہ یہ اپنے گھروں میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ آج کوئی بد

پوچھنے والا نہیں ہے کہ نالائق اور مجہول لوگوں کو بیک وقت کئی کئی عہدے کیوں دے دیے گئے ہیں۔ اور عالی خاندان اور لائق آدمیوں کو کیوں ایک ایک عہدہ بھی نہیں دیے گئے، اور اس سلسلے میں خاص طور سے اُن لوگوں کا خیال آتا ہے جن کے اس حکومت پر حقوق ہیں اور جن کی لیاقت، دلیری اور سچائی معروف چیز ہیں، سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ سرکاری عہدے صرف ان لوگوں کو دیئے جائیں جو صحیح العقیدہ، عالی نسب، اور متقی ہوں۔ اور اگر ان لوگوں سے حکم عدولی سرزد ہو تو انھیں اطاعت پر مجبور بھی کیا جا سکے تاکہ بددیانت حکام کے وجود سے ملک کی دولت تباہ ہونے سے بچی رہے اور بادشاہ اطمینان کا سانس لیتا رہے، اب تو یہ حال ہے کہ ایک یہودی، یا مجوسی، یا آتش پرست، یا قرمطی کو ترکوں کی جگہ حاکم بنا دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں محسوس کی جاتی۔ یہ حکام اپنے کام سے غافل رہتے ہیں نہ ان میں دین کا احترام ہے اور نہ یہ ملک کی دولت صرف کرنے میں توجہ سے کام لیتے ہیں اور نہ مخلوق کے لئے ان کا دل پسیجتا ہے۔ حکومت ہے کہ ترقی کی انتہا تک پہنچ چکی ہے اور مجھے ڈر اس کا ہے کہ کہیں اس ترقی کو نظر نہ لگ جائے اگر یہی روش رہی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس حکومت کا انجام کیا ہوگا۔ محمود، مسعود، طغرل اور الپ ارسلان کے زمانوں میں آتش پرستوں، یہودیوں، کافروں اور ملحدوں کی یہ ہمت نہ تھی کہ عمائدین کا سامنا کر سکیں، ان ادوار میں ترک ارباب حل وعقد ہی تمام امور پر تصرف رکھتے تھے اور دبیری کے عہدوں پر فائز تھے اور عراق کے علاقہ کے بددین لوگوں کو یہ عہدے نہیں سونپے جاتے تھے۔ ترک ان ملحدوں کو کسی قیمت پر سرکاری عہدے نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ دیلمیوں کے مذہب پر ہیں۔ اور ان ہی کے ہی خواہ ہیں۔ جس وقت انھیں اقتدار حاصل ہو جائے گا یہ ترکوں کو نقصان پہنچائیں گے اور مسلمانوں کو اذیت دیں گے اس لئے بہتر ہے کہ دشمن ہمارے درمیان ہی نہ ہو۔ پہلے بے شک (یعنی جب تک اس گروہ کو اقتدار اور حکومت میں اختیار حاصل نہ تھا) یہ لوگ کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اب تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ درگاہ (مراد بادشاہ کا دفتر) عملہ کے علاوہ دیوان بھی (سکریٹریٹ) ان لوگوں سے پُر ہو چکا ہے۔ اب اگر ترک کو ایک منصب ملتا ہے تو اس کے مقابل انھیں دس دس بیس بیس شغل مل جاتے ہیں ان کا گروہ غور اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ خراسانیوں کو در سلطانی اور بارگاہ شاہی سے گزرنے تک نہ دیں، قدم تک نہ رکھنے دیں۔ طغرل اور الپ ارسلان، اللہ ان کے مزارات پر نور برسائے، جس وقت یہ سن پاتے کہ کسی ترک یا کسی امیر نے کسی ملحد کو حکومت میں راہ دے دی ہے تو ان بادشاہوں کا ایسے شخص پر عتاب نازل ہوتا تھا۔

حکایت

سلطان شہید الب ارسلان کو (اللہ ان کی روح کو پاکی عنایت کرے) ایک دن بتایا گیا کہ اردم یحییٰ زمیندار کو اپنا دبیر (سکریٹری) بنا رہا ہے۔ یہ سُنکر سلطان کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ یحییٰ کا مذہب باطنی مذہب تھا۔ بہرحال دربار جب لگا تو سلطان نے اردم سے مخاطب ہو کے کہا تو میرا دشمن اور سلطنت کا بدخواہ ہے۔ اردم نے یہ سُنتا تو زمین بوس ہوا اور کہا اے میرے مالک یہ کیا ارشاد فرما رہے ہیں آپ؟ میں آپ کا ایک حقیر غلام ہوں۔ بھلا مجھ سے آداب بندگی میں کون سا قصور سرزد ہوا جو حضور نے ایسا خیال کیا۔ سلطان نے فرمایا: تو اگر میرا دشمن نہیں ہے تو پھر تو نے میرے دشمن کو عہدہ کیوں سونپ دیا۔ اردم نے پوچھا یہ اشارہ کس طرف ہے؟ سلطان بولا: یہ آپ کے زمیندار کی طرف اشارہ ہے جسے دبیری کا عہدہ ملا ہوا ہے۔ اردم نے کہا: اس زمیندار کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ جہاں بھی ہوگا اسے لایا جائے گا۔ فوراً ہی یحییٰ کو پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ کو یحییٰ کے خیالات کا علم تھا ہی۔ چنانچہ اس نے یحییٰ سے پوچھا: اے شخص تو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ بغداد حق پر نہیں یعنی خلیفہ کی حکومت گویا غیر قانونی ہے (یحییٰ کے یہی باغیانہ اور ملحدانہ خیالات تھے) اس کے بعد چاؤشوں کو حکم دیا گیا کہ یحییٰ کو سزا دیں۔ یحییٰ کو سزا دی گئی اور اسے نیم جان کر کے محل سے باہر نکال دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کیا اور کہا خطا اس شخص کی نہیں ہے غلطی اردم کی ہے جس نے اپنی ملازمت میں ایک کافر کو رکھ چھوڑا ہے۔ سلطان بولا: میں نے بارہا اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ہم اس علاقہ میں اجنبی ہیں اور ہم نے یہ ملک بجبر حاصل کیا ہے۔ ہم میں اور عراقیوں میں فرق ہے۔ ہم صحیح العقیدہ مسلمان ہیں اور یہ عراقی لوگ بددین ہیں اور دیلمیوں کے خیر خواہ ہیں۔ اور آج ترکوں کو یہ جو برتری اور عزت حاصل ہوئی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ نہ یہ مذہب میں دراندازی کو پسند کرتے ہیں اور نہ غلط قسم کی جدت طرازی کو۔ اس کے بعد بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ کسی گھوڑے کا ایک بال لایا جائے۔ اردم کو وہ بال دیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اسے توڑے۔ اردم نے اسے توڑ دیا ——— اس کے بعد دس بالوں کو اکٹھا کر کے اردم کو دیا گیا اس نے ان دس بالوں کو بھی توڑ دیا۔ اس کے بعد بہت سے (چالیس پچاس) بال آپس میں گتھا کے اردم کو دیئے گئے۔ اب کے وہ انھیں نہ توڑ سکا۔ اب سلطان نے جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہنا شروع کیا: دشمنوں کا بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک دو ہوں گے یہ تو انھیں تباہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب ان کی تعداد

بہت ہو جائے گی ان کو تباہ کرنا محال ہو جائے گا۔ اور یہ سب کچھ میں نے اے اردم تمہارے اس کہنے پر کہ اس شخص (یحییٰ) کی حیثیت ہی کیا ہے اور یہ ہمارا بگاڑ ہی کیا سکتا ہے، کہا ہے۔ ورنہ اس مثال کے دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے دشمن سے ساز باز کرنا بددیانتی اور خیانت ہو گی۔ یہ اپنی ذات اور بادشاہ دونوں سے بدعہدی کرنا ہوا۔ لیکن اگر تم اپنی ذات کے ہر قسم کے خطرات سے گھر جانے پر رضامند ہو تو کم از کم بادشاہ کی ذات کے لئے یہ بے احتیاطی نامناسب ہو گی۔ احتیاط بے حد لازم ہے اور دشمنِ سلطنت کو قائم رہنے دینا خطرناک ہے۔ میں اس لئے ہوں کہ تمہاری حفاظت کروں اور تمہارا فرض ہے کہ تم میری حفاظت کرو۔ اور مجھے اپنے اوپر قائم رکھو۔ خدا نے مجھے تمہاری سرداری بخشی ہے کوئی انہیں میرے اوپر سردار اور سالار نہیں بنایا۔ اتنا تم کو جان لینا چاہیئے کہ بادشاہ کے دشمنوں سے ساز باز رکھنے والا بھی کوئی بادشاہ کا دوست نہیں ہو سکتا۔ چوروں اور فسادیوں سے میل جول رکھنے والا یا چور ہو گا یا فسادی۔ جس وقت بادشاہ یہ سب کچھ کہہ رہا تھا دربار میں خواجہ امام مشطب اور قاضی امام ابوبکر حاضر تھے سلطان انکی جانب متوجہ ہوا اور پوچھا آپ حضرات کا کیا خیال ہے یہ جو ہم کہہ رہے ہیں صحیح ہے یا نہیں۔ ان صاحبوں نے جواب دیا حضور جو فرما رہے ہیں وہی خدا اور رسول کا ارشاد ہے۔

حدیث

اس ارشادِ سلطانی کے بعد مشطب نے عبداللہ بن عباس کی روایت بیان کی کہ ایک روز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تمہیں وہ لوگ نظر آئیں جو اسلام کے دائرہ سے نکل چکے ہوں یعنی مرتد ہو چکے ہوں تو ایسے لوگ تمہیں جہاں بھی نظر آئیں انھیں تباہ کر دو۔ یہ لوگ اسلامی نظریہ کے دشمن اور کافر ہیں۔

حدیث

قاضی ابوبکر نے ابوامامہ سے روایت کی ہے: ابوامامہ نے رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول پیش کیا ہے کہ آخر زمانہ میں الحاد اور بد دینی اپنی رنگ کرنے والے نمودار ہوں گے ان سے اسلام کے نام پر جنگ کرنی چاہیئے اور ان سے جب جنگ ہو تو انھیں قتل کر دینا چاہیئے۔

حدیث

مستطب نے سفیان بن عیینہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ جو روافض اور ملاحدہ کو کافر گردانتے تھے تو قرآن کے ان الفاظ سے اپنے قول کے لئے حجت لاتے تھے :

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَأَشِدُّ عَلَى الْكُفَّارِ (ترجمہ : تاکہ ان سے (صحابہؓ سے) کافر لوگ کھولنے لگیں۔ اور ان کا وجود کفار پر بے حد شاق ہے۔ سفیان کہا کرتے تھے کہ جو بھی صحابہ کرامؓ کی مذمت اور ان کی قدح (رسوائی اور تذلیل) کرتا ہے وہ کافر ہے اور ثبوت اس کا یہی اوپر والی آیت ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے رفقاء اور وزراء (وزیر کی جمع) اور مشیر عنایت فرماتے ہیں اور میرے داماد بھی ہیں (مراد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) اب جو شخص ان لوگوں کو گالیاں دے گا ان سے اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام انسانی برادری بیزار ہوگی صحابہ کرامؓ کی عظیم المرتبت شخصیتوں اور پیغمبر اعظم کے ان جاں نثاروں پر کیچڑ اچھالنے والوں کو اس دشنام طرازی کی یہ سزا ملے گی کہ اس کے بدلہ میں ان کی کوئی چیز مقبول نہ ہوگی۔ ان کی توبہ تک قبول نہ ہوگی جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" غار ثور میں جس وقت رسالت مآبؐ اور صدیق اکبرؓ پناہ گزیں تھے اس کی منظر کشی قرآن نے یوں کی ہے :

تب وہ دونوں غار میں تھے تو ایک نے (مراد آنحضرتؐ) کہا کہ ڈرو مت اللہ ہمارے ساتھ ہے اس کی تفسیر اور تعریج یہ ہوئی اے ابوبکرؓ رنجیدہ اور پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں اگر کوئی ہماری مدد نہ بھی کرے گا تو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

حدیث

عقبہ بن عامر سے، قاضی ابوبکرؓ روایت کرتے ہیں یعنی ان کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ" اس

کے معنی یہ ہوئے کہ اگر میرے بعد بھی کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر ابن الخطاب ہوتے۔

حدیث

مشطب کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک جنازہ لایا گیا جس کی نماز آپ نے نہیں پڑھی۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ ہم نے اس سے پہلے نہ دیکھا کہ حضور نے کسی کی نماز جنازہ پڑھنے میں تکلف فرمایا ہو بس آج ہی یہ ماجرا دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ اس شخص سے نفرت کرے یہ شخص عثمانؓ سے نفرت کرتا تھا، اور ان سے بغض رکھتا تھا۔

حدیث

قاضی ابوبکر نے ابودرداء کی روایت کا بھی حوالہ دیا۔ ابودرداء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں رسالت مآبؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اے علی خوارج (جمع خارجی یعنی تم سے بغاوت کرنے والے جہنم کے کتے ہیں۔

حدیث

قاضی ابوبکر نے اسمٰعیل بن سعدؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اسمٰعیل بن سعدؓ نے آنحضرتؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ فلسفۂ قدر (اس فلسفہ کا مطلب انسان کو قادر اور مختار بتانا ہے۔ مترجم) کے ماننے والے اس اُمت یعنی اُمت محمدی کے مجوسی (آتش پرست) ہیں اور اس لئے یہ اجتماعی اور سوشل بائیکاٹ کے مستحق ہیں۔ اگر یہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت ضروری نہیں اور مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شرکت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حدیث

مشطب نے ام سلمہؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں تشریف

فرما تھے کہ اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی رسالت مآبؐ کو پوچھتے ہوئے وہاں آ گئے
آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کی طرف رُخ کرتے ہوئے فرمایا: علیؓ تمہارے لئے خوش خبری، کہ تم
اور تمہاری بیوی جنت میں داخل ہوں گے۔ ہاں مگر یہ ہے کہ تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے پیدا
ہو جائیں گے کہ دین کو ترک کر دیں گے۔ ان سے اگر تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان سے جہاد کرنا۔ اس
لئے کہ یہ کافر ہیں۔ حضرت علیؓ نے جب ان بد دینوں کی علامت پوچھی جنہیں رسالت مآبؐ نے
کافر گردانا تھا تو ارشاد ہوا: یہ جمعہ کی نماز جماعت سے نہیں پڑھیں گے۔ سلف میں یعنی اگلوں
میں طعن کریں گے اور بزرگوں کی مذمت اپنا وطیرہ بنائیں گے۔ اس سلسلہ میں بے شمار آیتیں
ہیں اور اگر ان سب کا ذکر کیا جائے گا تو ایک کتاب ہو جائے گی باطنی لوگ ملحدوں سے بھی
بدتر ہوتے ہیں۔ ان کا عالم تو دیکھنے کی چیز ہے۔ اگر باطنی ظہور کریں تو بادشاہ کے لئے سب
سے زیادہ ضروری بات یہ ہو جاتی ہے کہ ان کی بیخ کنی کر کے اپنے ملک کو ان کے وجود سے پاک کر دے

حکایت

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیٹھے
اصفہان کے حسابات پیش کر رہے تھے۔ یہ حسابات ایسے پاکیزہ اور دیدہ زیب خط میں تحریر تھے
کہ جس نے بھی انھیں دیکھا پسند کیا۔ ابو موسیٰؓ سے لوگوں نے سوال کیا یہ خط کس کا ہے۔ آپ
نے جواب دیا کہ میرے سکریٹری کا ہے۔ امیر المومنین نے ارشاد فرمایا کسی کو بھیجو کہ اس سکریٹری
کو فوراً بلا لائے۔ ہم اس سے ملاقات کریں گے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا میرا سکریٹری مسجد کے اندر نہیں
آ سکتا، حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے سوال کیا: کیا اس پر غسل جنابت واجب ہو چکا ہے۔
حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا نہیں، وہ مجوسی ہے اس پر حضرت عمرؓ نے ایک چھڑی سے ابو موسیٰؓ کی ران
پر سختی سے مارا۔ اتنی سختی سے کہ ابو موسیٰؓ کو خیال ہوا ان کی ران ٹوٹ جائے گی۔ ایسا کرتے
ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا:
کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اے صاحبان یقین و ایمان یہود
و نصاریٰ کو اپنا دوست مت سمجھو"

ابو موسیٰؓ نے کہا کہ یہ سُنکر میں نے اسی وقت سکریٹری کو معزول کر دیا اور معزولی کے احکامات صادر کر دیئے۔ اس کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اردم سے ایک ماہ تک بالکل بات نہ کی اور اس بنا پر کہ اس نے (اردم نے) اپنی وزیری اور سکریٹری شپ ایک ملحد کو سونپی تھی اس سے ناراض رہا۔ اردم نے جب اس شخص کو معزول کر دیا تو سلطان از سر نو راضی ہو گیا بادشاہ کی اس رضامندی میں عمائدین سلطنت کی سفارش بھی شامل تھی۔ اس سفارش کے بعد کہیں بادشاہ نے اردم کی بات سے درگذر کیا۔

ہم اب اصل بات کی طرف پھر سے رجوع کرتے ہیں۔ کسی وزیر کی عدم لیاقت اور عدم عقل کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ مجہول النسب، بے ننگ و نام، کم علم لوگوں کو عہدے سونپے جاتے ہیں اور عالی خاندان اور اہل علم و فضل کو بیکار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی کو پانچ چھ کام مل جاتے ہیں اور ایک کو ایک کام بھی نہیں ملتا۔ مملکت کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو دس دس عہدے ایک ایک شخص کو سونپ دے اور دس دس آدمیوں کو ایک ایک کام بھی نہ دے یعنی انہیں مطلقاً بیکار رکھے۔ اس قسم کی مملکتوں میں بے شمار اور لاتعداد لوگ بیکاری کی زندگی گذارتے ہیں۔

حکایت

اس بات کا مفہوم ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص کا تصور کرو جو مملکت کا بداندیش ہو لیکن ہر دور میں بادشاہ کو یہ دکھائے کہ خزانہ میں ضرورت سے زیادہ رقم اور مال موجود ہے۔ حالات بالکل پر امن ہیں۔ نہ کہیں دشمن کا کھٹکا ہے اور نہ کسی مخالف کا اندیشہ ہے کہ اس کا مقابلہ ضروری سمجھا جائے۔ چار لاکھ فوج کی ہرگز ضرورت نہیں ستر ہزار فوج کافی ہوگی۔ یہ بھی بادشاہ کو سمجھایا جائے۔ اور جب کبھی کوئی مہم درپیش ہو تو سپاہیوں کے جانوروں کے لئے چارہ اور دانہ کے مصارف اور سپاہیوں کے لباس اور وردی کے مصارف سے پہلو بچایا جائے۔ اور پھر اس رقم کو بچا کے خزانہ میں کئی ہزار دینار کا اضافہ دکھا جائے اور یوں جلد ہی خزانہ قوم سے مالامال کر دیا جائے۔ بادشاہ کا بھی جب یہی خیال ہو گیا یعنی اگر اس نے بھی اس منفی انداز میں سوچنا شروع کر دیا اور فوج کا پیٹ کاٹ کے خزانہ کو پُر کرنے کی بات کرنی شروع کی

تو میں سمجھ گیا اس کے پیچھے کون ہے اور جس نے بادشاہ کو یہ راہ سجھائی ہے وہ دراصل مملکت کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ اگر چار لاکھ سپاہیوں کو وردی دی جاسکتی ہے اور لباس کے مصارف دیئے جاسکتے ہیں تو چار لاکھ کے بجائے سات لاکھ سوار بھی رکھے جاسکتے ہیں اس لئے کہ بادشاہ کے تصرف میں خراسان، ماوراء النہر یعنی ترکستان، کاشغر، بلاساغون، خوارزم، نیمروز، عراق، فارس، شام، آذربائیجان، ارمینیہ، انطاکیہ اور حلب اور بیت المقدس، سبھی مقامات ہیں۔ فوج کی تعداد سات لاکھ ہو جائے گی تو مملکت کے حدود اور وسیع ہو جائیں گے اور ایتھوپیا، مراکش، روم، مصر اور تیونس سب مطیع اور فرمانبردار ہو سکتے ہیں۔ اب اگر چار لاکھ کی فوج میں ستر ہزار آدمی رہنے دئے جائیں اور تین لاکھ تیس ہزار آدمی علیحدہ کر دیئے جائیں تو بہر حال اس کا ایک نتیجہ تو ہوگا ہی یہ کہ تین لاکھ تیس ہزار آدمی زائد اور بیکار ہو جائیں گے اور تمام عمر اس حکومت سے مایوس ہو جائیں گے۔ اور پھر یہ بادشاہ کے قابو میں ظاہر ہے نہیں رہیں گے۔ ایک نتیجہ اور ہوگا اس صورت حال کا یہ معزول شدہ سپاہی کسی نہ کسی پگڑی والے (یعنی عزت اور ذی وجاہت سردار) کو اپنا سردار بنالیں گے اور ہر طرف سے حملہ آور ہونا شروع ہو جائیں گے۔ پھر تو یہ نئے دشمن اس درجہ دکھ دیں گے کہ سارا جمع شدہ خزانہ ختم ہو جائے گا۔ مملکت کو مردوں سے بچایا جاتا ہے اور مردوں کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ زر ہے۔ اگر کوئی بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ حضور زر و روپیہ تو سمیٹ لیں لیکن آدمی کو یوں ہی لاوارث چھوڑ دیں، تو وہ بادشاہ کا دشمن ہے اور وہ دراصل ملک میں فساد پھیلاتا ہے اس لئے کہ بادشاہ کو یہ زر ملے گا تبھی تو آدمی ہی سے تو ملے گا تو گویا آدمی کی اہمیت ہر اعتبار سے مسلّم ہے۔ ایسے بظاہر مخلص لیکن حقیقتاً دشمن مملکت کی بات بالکل نہیں سننی چاہیئے۔ ایسے معزول ارکان حکومت کی جنہوں نے حکومت میں بڑے بڑے عہدے حاصل کئے ہیں اور مشہور ہو چکے ہیں اور خدمت کا حق رکھتے ہیں یہی مثال ہے۔ بادشاہ کو اس بات کی اجازت نہ دینی چاہیئے کہ ان لوگوں کے حقوق پامال ہو جائیں۔ یہ نہ انسانیت ہوگی نہ سیاست۔ ایسے معطل اور معزول لوگوں کو از سر نو عہدے ملنا ضروری ہے۔ انھیں اتنا بیکار نہ ہو جانا چاہیئے کہ یہ روٹی کو محتاج ہو جائیں۔ انھیں ان کی ضرورت کے مطابق روٹی ملنی چاہیئے۔ اس سے یہ ہوگا کہ ان میں کچھ تو ان تنخواہوں کے سہارے گذر بسر کر سکیں گے جو انھیں ان کی خدمات کے عوض ملیں گی اور کچھ کو حکومت سے معاوضے ملیں گے۔ اور یوں ان کی زندگی بسر ہو جائیں گی۔ اس کے بعد علماء اور فضلاء اور خوش نویس اور دوسرے معزز لوگوں کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ان سب کو بیت المال سے ان کا حصہ ملنا چاہیئے۔ یہ سب حکومت کی نظر عنایت کے اور وظائف کے مستحق ہیں۔

آج نہ ان فاضلوں کو کوئی پوچھتا ہے یعنی نہ انھیں عہدے سونپے جاتے ہیں۔ نہ ان کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ نہ ان کی دل داری کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کی معاش کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں، اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دور ایسا بھی آتا ہے جب بادشاہ کے مشیر اور اہل کار مطلقاً بے خبر اور بے توفیق ہو جاتے ہیں۔ یہ بدتوفیق مشیران حکومت مستحق اہل علم و فضل کا مسئلہ حضور میں پیش تک نہیں کرتے۔ بے روزگار لوگوں کو عہدے نہیں دلواتے۔ اہل علم و دانش کے وظائف جاری نہیں کراتے۔ اہل علم و ادب یعنی ملک کے دانشمند اور ادیب جب بدحال ہوتے ہیں تو بدسگال ہو جاتے ہیں یعنی مملکت کے بدخواہ ہو جاتے ہیں اور مملکت کے اہل منصب کے بارے میں ان کا طرز عمل طنز آمیز ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ عمائدین سلطنت سے رابطہ ضبط قائم کرکے ایک نہ ایک بڑے آدمی کو جس کے پاس کچھ فوج اور اسلحے ہوتے ہیں اپنا سردار بنا کے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر بیٹھتے ہیں اور اس طرح مملکت آشفتہ حال ہو جاتی ہے، جیسا کہ فخر الدولہ کے زمانہ میں ہوا۔

حکایت

رے (اصفہان کا قدیم نام) کے شہر میں فخر الدولہ کے زمانہ میں جس کا وزیر تھا صاحب عباد، ایک امیر اور دولتمند مجوسی رہتا تھا جس کا نام بزرجومید یا بزرگ امید تھا اس شخص نے کوہ طبرک کی بلندی پر ایک معبد بنا لیا تھا۔ وہ معبد آج تک موجود ہے (مراد نظام الملک طوسی کے عہد تک۔ مترجم) اب اسے "دیدہ سپہ سالاران" یعنی سپہ سالاروں کا ٹیلہ کہتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک گنبد بھی تعمیر کیا گیا جسے فخر الدولہ کا گنبد کہتے ہیں۔ بزرگ امید نے بڑی مصیبت اٹھا کے اور بڑی رقم صرف کرکے اس عمارت کو اس گنبد کے ساتھ ایک پہاڑی کی بلندی پر تعمیر کرایا تھا۔ اب ایک شخص تھا جو پیشہ کے لحاظ سے محتسب تھا اسے خراسانی والا کہتے تھے۔ مجوسیوں کی عبادت گاہ تیار ہوئی تو یہ شخص کسی بہانہ سے اس عمارت کی بلندی پر پہنچ گیا اور وہاں آواز بلند اذان کہی۔ پہاڑی پر یہ اذان جو ہوئی تو اب وہ عمارت مجوسیوں کی عبادت گاہ نہ رہ گئی۔ چنانچہ اب اس کا نام دیدہ سپاہ سالاران، رکھ دیا گیا۔ اتفاق سے فخر الدولہ کی حکومت کے آخر دور میں حکومت کی خفیہ پولیس نے اطلاع پہنچائی کہ ہر روز چالیس آدمی نکلتے ہیں۔ اور "دیدہ سپہ سالاران" پر ان کی بیٹھک ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ شام کے وقت تک یعنی جب تک کہ سورج کی شعاعیں بالکل زرد نہیں پڑ جاتیں، وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کے بعد نیچے آ جاتے ہیں اور شہر آ کے اپنا اپنا راستہ لیتے ہیں۔ جب کوئی ان لوگوں سے

پوچھتا ہے کہ تم دن دن بھر وہاں، سپہ سالاروں کے ٹیلہ پر کیا کرتے رہتے ہو تو کہتے ہیں ہم محض تفریح کے لئے
وہاں چلے جاتے ہیں۔ فخر الدولہ نے ان لوگوں کو بلوا بھیجا۔ اس نے حکم دیا کہ اس گروہ کے پاس جو کچھ بھی ہو
لایا جائے۔ آستانۂ شاہی پر مستقل طور سے رہنے والوں میں سے کچھ لوگ پہاڑی کے اوپر پہنچے۔ لیکن پہاڑی
پر جو جماعت تھی اس تک نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ اس کے نیچے سے ان لوگوں نے آواز لگائی۔ عمارت میں بیٹھنے والوں
نے یہ آواز سُنی انھوں نے نیچے جو دیکھا تو خود فخر الدولہ کے حاجب کو کھڑے پایا۔ اب ان لوگوں نے کچھ آدمی
اس بات پر مامور کئے کہ اوپر سے ایک سیڑھی نیچے کی جانب لگا دیں۔ یہ ہو لیا تو فخر الدولہ کا حاجب اور دوسرے
لوگ اوپر چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے کیا دیکھا کہ شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے۔ مہرے ہیں۔ دوات، قلم اور کاغذ
ہے۔ کھانا کھانے کے لئے دستر خوان ہیں، پانی پینے کے لئے صراحیاں ہیں۔ اور فرش فروش ہیں کہ بچھے ہوئے
ہیں۔ حاجب نے کہا: تم لوگوں کو فخر الدولہ نے طلب کیا ہے۔ لیجئے یہ لوگ فخر الدولہ کے روبرو پیش ہو گئے۔
اتفاق سے صاحب بن عباد جیسا لائق اور خردمند وزیر فخر الدولہ کے سامنے تھا۔ فخر الدولہ نے ان لوگوں سے پوچھا
تم کون لوگ ہو اور یہ جو ٹیلہ پر ہر روز جاتے ہو تو کس مقصد سے جاتے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا: تفریح
کے لئے۔ فخر الدولہ بولا: مگر تفریح ایک دن دو دن کی ہوتی ہے لیکن تم لوگ تو ایک زمانہ سے بالا بالا اس کام میں
مشغول ہو۔ آخر ماجرا کیا ہے؟ تمہیں اصل معاملہ کو بتانا ہوگا۔ "دیدہ سپہ سالاران" سے آتے ہوئے لوگ بولے
سب جانتے ہیں کہ نہ ہم چور ہیں نہ قاتل، نہ ہم نے کسی کی عورت یا کسی کے بچوں کو بہکایا ہے اور ورغلایا ہے۔ نہ
آج تک بادشاہ کے حضور میں کوئی ہماری شکایت لے کے آیا ہے۔ بادشاہ اگر ہمیں اجازت دے، تو ہم اپنا قصہ
کہیں۔ اور بتائیں کہ ہم کون لوگ ہیں۔ فخر الدولہ نے کہا: ہم تمہیں جان کی امان دیتے ہیں۔ اور مال کی امان دیتے
ہیں اور قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مگر اپنا حال تو بتا دو۔ تب ان لوگوں نے کہا: ہم لکھنے
پڑھنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے علمی مشاغل ہیں۔ لیکن ہم بے روزگار ہیں۔ اور آپ کی حکومت ہمارے لئے
کچھ بھی نہیں کرتی نہ ہمیں کوئی کام سے لگاتا ہے اور نہ ہماری کوئی دیکھ بھال کرتا ہے۔ ہم لوگ سن رہے ہیں۔
کہ خراسان میں ایک تاجدار منظرِ عام پر آیا ہے اسے محمود کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ محمود فضلاء و فاضل کی جمع
اور اہل فصاحت و بلاغت یعنی شعراء کا بڑا قدردان اور مربی ہے۔ یہ انھیں برباد نہیں ہونے دیتا۔ اب ہم لوگوں
نے اسی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ ہاں ہمارے دل اب محمود کی آرزو سے آباد ہیں۔ جہاں تک آپ کی (یعنی
فخر الدولہ کی) مملکت کا تعلق ہے تو اس سے ہمیں اب وفا کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے

ہم لوگ ہر روز ٹیلہ پر پہنچ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی بھی راستہ سے
آتا دکھائی دیتا ہے اس سے محمود کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ خراسان میں ہمارے جو دوست ہیں انھیں
ہم نامہ و پیام بھجواتے ہیں اور ان سے ان کی صحبتوں کی آرزو کرتے ہیں تاکہ ہم خراسان کی جانب پہنچ جائیں
آخر ہم بیوی بچوں والے لوگ ہیں۔ حالات ہمارے بے حد سقیم ہیں۔ اور ہم یہ جو ترک وطن کر رہے ہیں تو مجبور
ہو کے کر رہے ہیں ورنہ ملک و وطن کو یوں کون چھوڑتا ہے۔ آگے خداوند جو بھی حکم صادر فرمائیں۔ فخر الدولہ
نے یہ سنا تو صاحب (صاحب بن عبّاد) کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: اس سلسلہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اور
تمہارے خیال میں ہمیں اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے وزیر اعظم عرض پرداز ہوا: بادشاہ نے ان لوگوں کو جان
کی امان بخشی ہے۔ یہ سب دانشور اور اہل قلم ہیں۔ ان میں سے اکثر ممتاز اور جانے پہچانے لوگ ہیں۔ اکثر کو تو
میں خود جانتا ہوں اور ان کا مجھ سے تعلق بھی ہے۔ ان لوگوں کو سردست میرے سپرد فرما دیجئے۔ پھر جو مناسب
خیال فرمائیے گا اس پر عمل کیجئے گا۔ کل ہی ان کے بارے میں حضور کو اطلاع بھجوائی جائے گی۔ بادشاہ نے حاجب
کو حکم دیا کہ ان تمام دانشوروں کو صاحب، (فخر الدولہ کے وزیر اعظم کا لقب) کے مکان پر پہنچا دیا جائے۔ حاجب
نے ان سب کو ساتھ لیا اور انھیں صاحب کے مکان پر پہنچا کر لوٹ آیا۔ یہ سب اپنی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو
بیٹھے تھے۔ صاحب اپنے مکان پر پہنچا تو انھیں بلایا۔ اور ایک ایک سے اس کے حالات پوچھے۔ اس کی خیریت
پوچھی۔ تھوڑی دیر میں فراش آیا اور ان سب کو لے کے ایک نہایت خوش قطع، آراستہ، اور سجے سجائے کمرہ
میں لے گیا وہاں ان لوگوں کو بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں شراب دار آئے اور انھوں نے مختلف قسم کے عرق
پیش کئے جنہیں ان لوگوں نے استعمال کیا۔ اس کے بعد کھانا لگ گیا اور کھانا کھایا گیا۔ پھر ان لوگوں نے ہاتھ
دھوئے۔ اب شراب لائی گئی۔ مغنی اور مطرب اور نواگر آئے اور نغمے الاپے جانے لگے اور جام پہ جام لنڈھائے
جانے لگے اس بڑے کمرہ میں سوائے فراش کے کوئی دوسرا آ نہ سکتا تھا۔ اور کسی کو خبر تک نہ ہو سکتی تھی کہ ان
لوگوں کا کیا حال ہو رہا تھا۔ شہر میں تمام لوگ عورت اور مرد (اس خیال سے کہ شاید ان لوگوں کو سزائیں
دی جائیں گی) ان بیچاروں کے غم میں نڈھال ہو رہے تھے۔ اعزا ان لوگوں کے گریہ و ماتم پہ اتر آئے تھے
تین چار دن اس عالم میں گذر گئے تو صاحب کا حاجب آیا اور بولا: وزیر اعظم کہتے ہیں میرا مکان کوئی قیدخانہ
نہیں ہے۔ ایک دن اور ایک شب اور تم لوگ میرے مہمان ہو اس کے بعد بالکل مطمئن ہو جاؤ اور اطمینان
سے زندگی کے دن گذارو کل دیوان سے واپس ہونے کے بعد تمہیں بتا دیا جائے گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے اس کے

بعد صاحب کے صاحب نے ایک درزی کو حکم دیا کہ بیس عدد دیبا کے جبے اور بیس عدد قصب (ایک نہایت نفیس کپڑا) کی دستاریں تیار کرے، بیس عدد زین و لگام سے آراستہ گھوڑوں کے پیش کئے جانے کا الگ، انتظام ہو گیا۔ دوسرے دن جس وقت سورج پہاڑی کی اوٹ سے نکلا تو یہ تمام چیزیں فراہم کی جا چکیں تھیں صاحب نے اب سب لوگوں کو طلب کیا۔ ایک ایک کو وہ جبہ اور دستار پہنایا جاتا تھا اور گھوڑا اور اس کے ساتھ کے لوازمات دلوایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ہر ایک کو ایک ایک ملازمت بھی دی جاتا تھا۔ بعضوں کا وظیفہ جاری کرتا تھا اور انعامات تو سبھوں ہی کو دے رہا تھا۔ اور خوشی خوشی سب کو ان کے گھر روانہ کر رہا تھا۔ دوسرے دن یہ تمام لوگ مزین اور آراستہ ہو کے صاحب، کے سلام کو آئے۔ تو صاحب بولا: اب سلطان محمود کے پاس اپنے ارادت نامے مت بھیجنا اور ہماری سلطنت کی بدخواہی سے باز آجانا اور ساتھ ہی یہ شکایت اور حکایت کا سلسلہ بھی ختم کر دینا۔ صاحب، فخر الدولہ کے پاس حاضر ہوا تو اس نے پوچھا: ان لوگوں کے ساتھ تم نے کیا کیا؟ صاحب بولا: بادشاہ میں نے سب کو اسپ اور اس سے متعلق ساز و سامان، اور جبہ اور دستار دیا۔ اور پھر یہ کیا کہ ان تمام لوگوں سے جنہیں بیک وقت دو دو اسامیاں ملی ہوئی تھیں ایک ایک اسامی واپس لے کے ان لوگوں میں بانٹ دی۔ چنانچہ جس وقت میں نے انھیں ان کے گھروں کی طرف بھیجا ہے یہ سب باکار ہو چکے تھے۔ اب یہ سب ہی دعاگوے سلطنت ہو کے گئے ہیں۔ فخر الدولہ نے یہ سب سنا تو بہت خوش ہوا اور صاحب کی بات کو پسند کیا اور کہا: اے کاش جو کچھ تم نے آج کیا ہے وہ تم دو سال پہلے کئے ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان لوگوں نے کا ہے کو ہمارے دشمنوں کی طرف دیکھا ہوتا۔ اب سے کسی کو بھی دو عہدے بیک وقت سونپنے کی ضرورت نہیں ہر آدمی کو ایک عہدہ ملنا چاہیئے۔ اس سے تمام وہ لوگ جنہیں علم سے لگاؤ ہے روزگار پا سکیں گے۔ اور عہدوں میں بھی رونق رہیگی یعنی کام بھی بہتر طور پر انجام پا سکیں گے۔ ایک اور بات ہے جب ایک ہی شخص کے سپرد دو دو عہدے ہو جائیں گے تو یہ بات اہل لیاقت لوگوں کو بے حد ناگوار گذرے گی اور اطراف کے لوگ تو یہ بھی کہنے لگ جائیں گے کہ ان کے یہاں اب قحط الرجال کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ یعنی اچھے اور لائق لوگ رہے ہی نہیں۔ بڑوں کا قول ہے: لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَال۔ یعنی ہر کام کے لئے کچھ خاص آدمی ہوتے ہیں۔ مملکت میں کچھ بڑے اور اہم کام ہوتے ہیں اور کچھ چھوٹے اور میانہ قسم کے کام۔ اس لئے ہر عامل اور ہر اہل دانش کو اس کی لیاقت، قابلیت، استعداد اور ہنر کے پیش نظر ایک عہدہ سونپنا ضروری ہے۔ اگر اس اعمال یا دانشور، کے پاس پہلے سے ایک عہدہ ہے اور وہ دوسرے عہدہ کا طالب ہے تو اس کی اجازت نہ ہونی

چاہیئے کہ وہ دونوں عہدوں پر رہے اس بدعت کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ اہل علم بافراغت جیتے رہیں تو مملکت آباد رہتی ہے اور اس میں اچھے کارکن پیدا ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم تمام کارکنان حکومت اور ملازمین سلطان کا سربراہ اور رئیس ہوتا ہے۔ اس لئے اگر وزیر پر ظلم و ستم اور بددیانتی کے اوصاف ہوں گے تو حکومت کے پورے ڈھانچہ پر یہی رنگ چڑھ جائیگا اور نیچے کے لوگ اور برے ہو جائیں گے۔ ایک عامل جو عالم بھی ہے، اور معاملات فہم بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر نہیں لیکن اگر بد دین ہے جیسے یہودی ہے یا ستارہ پرست یا آتش پرست ہے یا ملازمت اور حساب فہمی کے بہانہ مسلمانوں کو ایذائیں دیتا ہے۔ اور ان کی توہین کرتا ہے تو جس وقت مسلمان ایسے شخص کے خلاف فریاد کریں اور شکایت لے کے آئیں تو اسے معزول کر دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں اس بات کی ذرا بھی پروانہ کرنی چاہیئے کہ تمام لوگ اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ مثلاً فلاں شخص جیسا دبیر (سکریٹری) اور فلاں شخص جیسا محاسب (اکاؤنٹنٹ) کہیں نہیں ہے اور اگر یہ ہٹ جائے گا تو کوئی اس کی جگہ لے ہی نہ سکے گا۔ لوگ اگر ایسا کہیں تو اس بات کی پروا بالکل نہ کرنی چاہیئے۔ ایسے بد دین شخص کو، خواہ وہ عالموں کا عالم اور داناؤں کا دانا ہو، فوراً اس کے عہدہ سے ہٹا دینا چاہیئے۔ امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے ایسا ہی کیا تھا۔

حکایت

سعد ابن وقاص رحمتہ اللہ کے زمانہ میں بغداد، واسط، انبار، خوزستان اور بصرہ کے علاقہ میں ایک یہودی عامل حکمران تھا۔ اس علاقہ کے لوگوں نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے پاس درخواست بھیجی جس میں اس یہودی عامل کے خلاف فریاد کی گئی تھی۔ درخواست گذاروں نے لکھا تھا کہ یہودی عامل سرکاری کام کے بہانہ سے ہمیں بڑی اذیت پہنچاتا ہے۔ بڑا دکھ دیتا ہے۔ یہ ہمارا مذاق بھی اڑاتا ہے اور ہماری توہین بھی کرتا ہے۔ اب تو ہم میں صبر و قرار ذرا نہیں رہا ہے۔ اگر اس یہودی عامل ہی کا یہاں رہنا ناگزیر ہو تو خیر ورنہ اس کی جگہ کسی مسلمان عامل کو بھیجدیا جائے کہ کم از کم ہمارا ہم مذہب ہونے کی بنیاد پر وہ غیر قانونی اور ناجائز کارروائیاں تو نہ کرے گا۔ اور ہمیں اذیتیں تو نہ دے گا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو ہم ایک مسلمان کے جور کو، اور اس کے ہاتھ سے پہنچی ہوئی اذیت اور آزار کو ایک یہودی کے جور و ستم پر ترجیح دیں گے

دیہال جیسے اپنے دادا کے دادا، قطب الاقطاب نائب مدنی العالمین حضرت شاہ پناہ علاء الدین احمد صابر کے نام

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مداحانہ خطوط رسالہ "معنف" کے ایک سابق شمارہ میں شائع ہو چکے ہیں) کے ایک غیر مطبوعہ قصیدہ کا ایک مصرع یاد آگیا اور بے ساختہ یاد آگیا۔ اس مصرع پر آپ کی باز پرس بھی ہوئی تھی لیکن آپ نے کمال جرأت سے اس مصرع کی تصنیف کا اعتراف کیا۔ مصرع تھا :

ظلم واجد به نه عدل کمپنی ——— مترجم)

امیر المومنین نے اس درخواست کو ملاحظہ کیا تو فرمایا : کیا خوب ایک تو ایک یہودی دنیا میں امن چین سے زندگی گذارے اور پھر وہ اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ مسلمانوں پر ستم بھی ڈھائے اور انھیں ایذائیں دے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان لکھوا دیا۔ اس فرمان کا متن جو سعد وقاص رضؓ کے نام تھا یہ تھا کہ یہودی کو فوراً معزول کر دو، اور کسی مسلمان کو عہدہ سونپ دو، سعد بن ابی وقاص رضؓ کو فرمان ملا تو انہوں نے فوراً ایک سوار کو مامور کیا۔ اور اسے اس بات پر متعین کیا کہ یہودی اُسے جہاں بھی ملے وہ اسے لے آئے اور کوفہ میں حاضر کرے۔ ایک طرف یہ کیا گیا دوسری طرف سواروں کو اس مقصد سے چاروں طرف دوڑا دیا گیا کہ عجم (مراد ایران اور عراق) میں جہاں کہیں بھی مسلمان عامل اور گورنر ہوں انھیں حاضر کیا جائے۔ یہودی تو فوراً ہی آگیا اور (بے شمار) مسلمان عہدیداران بھی حاضر ہو گئے۔ اب جو ہر ایک کو جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ عربوں میں کوئی بھی یہودی کے کام کو انجام نہ دے سکتا تھا۔ اسی طرح عجمی اور ایرانی مسلمان عہدیداروں میں بھی یہودی کی قابلیت کا ایک آدمی نہ نکلا۔ یہودی نے حکومت کے خزانہ کے لئے رقوم فراہم کرنے، تعمیری کاموں کے کرنے، مختلف لوگوں کو سمجھنے اور پرکھنے، وصول تحصیل سے واقفیت بہم پہنچانے میں جس قابلیت کا ثبوت دیا تھا وہ مسلمانوں میں ناپید تھی۔ یہ دیکھ کر سعد ابن ابی وقاص رضؓ نے یہودی کو اس کے عہدہ پر فائز رہنے دیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام یہ تحریر کیا کہ :

"امیر المومنین! میں نے یہودی کو بھی بھیجا اور اسے آزمایا اور اس کے کام کی جانچ کی۔ عربوں میں ایک بھی معاملات حکومت سے اس واقفیت کا ثبوت نہ بہم پہنچا سکا۔ چنانچہ مجبوراً میں نے اسے اس کے کام پر بحال رکھا اس لئے کہ اسے معزول کر دیتا تو کام بگڑ جاتے۔" فاروق اعظم رضؓ نے اس نامہ کو پڑھا تو غضب ناک ہو گئے اور ارشاد فرمایا : کتنی عجیب بات ہے لوگ میرے فیصلہ پر بھی فیصلے کرتے ہیں۔ اور میرے حکم پر بھی حکم چلاتے ہیں اور میری رائے میں، جو بات صحیح ہوتی ہے اسے پھر سے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں! قلم برداشتہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کے مرسلہ نامہ پر گویا اپنا ایک مختصر ترین ریمارک تحریر کر دیا۔ ریمارک تھا :

مَاتَ الیَہودی" سعدؓ کے نامہ پر یہ دو لفظ لکھ کے حضرت عمرؓ نے عین اسی نامہ کو ان کے پاس واپس بھجوا
دیا۔ اب "مَاتَ الیَہودی" کا لفظی ترجمہ تو ہوا : یہودی مر گیا۔ لیکن اس مختصر اور مجمل سے فقرہ کا مفہوم
یہ ہوا : عام آدمی تو اپنی موت سے مرتے ہیں لیکن کسی عامل یا کسی صاحب منصب کی موت یہ ہے کہ اسے اس
کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔ اگر ایک عہدہ دار مر جائے یا اسے اس کے عہدہ سے برخاست کر دیا جائے
تو اس کے کام کو رکا نہیں رہنا چاہیئے۔ اور فوراً ہی کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر مقرر کرنا چاہیئے۔ حضرت
عمرؓ سعدؓ سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ آخر یہ تمہارا افلاطون قسم کا یہودی کبھی تو مرے گا! تو پھر اس قدر بیچارگی
اور مجبوری اور ایک غیر ملکی باہر آئی لیاقت کے اعتراف) کی کیا ضرورت ہے۔ یوں سمجھو یہودی مر چکا ہے (اور
اس کی موت سے جو خلا واقع ہوا ہے اسے بہر صورت پر کرنا ہے) حضرت سعدؓ کو یہ دو لفظ "مَاتَ الیَہودی"
اپنے ہی نامہ پر لکھے ہوئے پہنچے تو یہودی کو فوراً طلب کیا اور اسے ملازمت سے برخاست کر دیا اور اس کی
جگہ پر کسی مسلمان کو مقرر کر دیا۔ ابھی ایک ہی سال گذرا تھا کہ جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ یہودی کے عہدہ اور
منصب پر مسلمان نے زیادہ لیاقت دکھائی۔ مسلمان ہر اعتبار سے یہودی سے زیادہ اہل ثابت ہوا۔ اس علاقہ
میں حکومت کی آمدنی بھی بڑھ گئی اور رعایا بھی خوش حال ہو گئی۔ تعمیرات کے کام بھی خوب ہوئے۔ یہ دیکھ
کے سعد وقاصؓ نے اپنے امراء سے مخاطب ہو کے کہا کہ حضرت عمرؓ بہت بڑے آدمی ہیں۔ ہم نے تو یہودی کے
بارے میں بہت کچھ لکھ کر بھیجا تھا۔ لیکن عمرؓ اعظم نے دو لفظوں میں بات واضح کر دی اور یہی بات وہی تھی
جو آپ نے کہی تھی۔ دو آدمیوں نے دو باتیں کہی ہیں اور دونوں بے حد قابل ستائش اور حکیمانہ ہیں۔ ایک تو وہی
بات ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بر منبر فرمائی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ رحلت فرما چکے ہیں، اب جو ان کی یعنی محمدؐ
کی عبادت کرتا تھا تو گویا اس کا معبود تو مر چکا لیکن جو لوگ محمدؐ کے پروردگار کی بندگی کرتے تھے، ان کو مژدہ ہو کہ
پروردگار محمدؐ، یعنی حق، ہے جسے موت نہیں آسکتی، اس کی تفسیر اور تشریح یہ کہ اگر محمدؐ کو پوجتے تھے تو وہ تو
مر چکے ہیں۔ البتہ محمدؐ کے خدا کے لئے مرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ نہ وہ مرا ہے نہ مرے گا۔ یہ گفتار صدیقی
سینۂ مومن کو گرما گئی اور عرب میں یہ قولِ دلنشین صدیقی ضرب المثل بن گیا۔ دوسری بات وہی عمرؓ والی ہے
فرمایا مَاتَ الیَہودی۔ یہودی مر گیا۔ چنانچہ جب کبھی کسی عامل یا مختار سرکار کو جس میں قابلیت تو ہوتی ہے
لیکن اس کے ساتھ اس میں ظلم اور بے دینی کے بھی عناصر ہوتے ہیں، معزول کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ
عمرؓ نے کہا تھا۔ یعنی مَاتَ الیہودی۔ یہودی مر گیا!

ہم اپنی بات کی طرف پھر سے پلٹتے ہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ عاملوں کے کاموں کا جائزہ وزیر صاحبان لیتے ہیں۔ اچھا وزیر بادشاہ کی شہرت اور نیک نامی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ تمام پیغمبر اور بادشاہ جنہوں نے بڑائی حاصل کی ہے اور آج ان کے نام احترام سے لئے جاتے ہیں وہی ہیں جن کے وزراء اور معتمدین اچھے لوگ رہے ہیں۔ ذیل کی فہرست ملاحظہ ہو:

(۱) پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام، وزیر، آصف بن برخیا

(۲) پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام، وزیر، ہارون علیہ السلام

(۳) پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، وزیر، شمعون

(۴) پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، وزیر، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ تھے پیغمبروں کے وزراء اب بادشاہوں کی فہرست ملاحظہ ہو اور ان کے وزراء کے نام:

بادشاہ	کیخسرو	،	وزیر	—	سام
بادشاہ	گودرز	،	وزیر	—	سام
بادشاہ	منوچہر	،	وزیر	—	سام
بادشاہ	افراسیاب	،	وزیر	—	پیران ویسہ
بادشاہ	گشتاسپ	،	وزیر	—	جاماسپ
سردار	رستم	،	وزیر	—	زوارہ
بادشاہ	بہرام گور	،	وزیر		خوردہ روز
بادشاہ	انوشیروان	،	وزیر		بزرجمہر
خلفاء بنی العباس		،	وزراء		آل برمک
سامانی بادشاہ		،	وزراء		بلعمی خاندان کے لوگ
سلطان محمود		،	وزیر		احمد حسن (میمندی)
فخر الدولہ		،	وزیر		صاحب اسمٰعیل عباد
سلطان طغرل		،	وزیر		ابو نصر کندری
الپ ارسلان اور ملک شاہ		،	وزیر		نظام الملک

اس فہرست کو اور بھی طویل کیا جاسکتا ہے۔ اصولاً وزیر کو صحیح العقیدہ یعنی حنفی یا شافعی ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وزیر کو پاکیزہ اخلاق کا، لائق، معاملہ فہم، فیاض، اور شاہ پرست بھی ہونا چاہیئے۔ اگر وزیر زادہ بھی ہو یعنی خاندانی طور پر وزیر ہو تو اور بہتر ہوگا۔ ایران میں اردشیر بابک کے عہد سے آخری تاجدار عجم یزدگرد تک جس طرح صرف شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والا بادشاہ ہو سکتا تھا اسی طرح وزیر کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ خاندانی طور پر وزیر ہو۔ یعنی وزیر ابن وزیر ہو۔ جس وقت عجم کے ہاتھ سے حکومت نکلی تو وزراء کے خاندان سے وزارت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک دن سلیمان بن عبد الملک نے دربار عام منعقد کیا۔ عمائدین سلطنت، ندیم اور مصاحب سب ہی حاضر تھے۔ سلیمان بن عبد الملک بولا: میری مملکت سلیمان ابن داؤدؑ سے بڑی اور وسیع تر نہیں تو کچھ کم بھی نہیں صرف اتنا سا فرق ہے کہ سلیمان ابن داؤدؑ کے زیر فرمان جانور اور جنات اور دیو اور پری تھے اور میرے زیر فرمان یہ نہیں ہیں۔ آج دنیا میں میرے خزانہ میری شان وشوکت، میری قلمرو اور میری حکمرانی کا جواب نہیں ہے۔ دنیا میں آج کوئی نہیں جسے یہ سب حاصل ہو۔ سلیمان بن عبد الملک کی زبان سے یہ بات ادا ہو رہی تھی کہ حاضرین میں ایک ممتاز شخص عرض پرداز ہوا: یہ سب صحیح لیکن سب سے بہتر چیز جو ایک ملک میں ہونی چاہیئے اور جس کا وجود ضروری ہے اور جو تمام بادشاہوں کو حاصل تھی وہ ہمارے ملک میں نہیں ہے۔ سلیمان نے پوچھا: آخر وہ کیا شے ہے، درباری نے جواب دیا وہ چیز عبارت ہے ایک ایسے وزیر سے جو آپ کے شایان شان ہو۔ مملکت ایسے وزیر کے وجود سے خالی ہے، سلیمان نے کہا: یہ کیسے کہتے ہو، درباری نے عرض کیا: اگر بادشاہ کے لئے بادشاہ زادہ ہونا لازم ہے تو وزیر کے لئے بھی وزیر زادہ ہونا شرط ہے۔ ایک ایسا لائق وزیر اس دربار کے لئے درکار ہے۔ جس کی کم از کم دس پشتوں میں وزارت رہی ہو۔ سلیمان بول اٹھا: بھلا دنیا میں ان ان صفات سے متصف کوئی وزیر ہو سکتا ہے درباری نے کہا کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور جب پوچھا گیا کہاں تو اسے (سلیمان کو) جواب ملا بلخ میں اب سلیمان بن عبد الملک نے پوچھا: کون ہے یہ شخص، سلیمان کو بتایا گیا یہ اور ان صفات کا شخص جعفر بن برمک ہے (جعفر سلیمان کا نہیں ہارون الرشید کا معاصر تھا۔ بظاہر خالد بن برمک سے مراد ہے، مترجم) جعفر کے اجداد

اردشیر بابکان تک کے زمانہ میں وزیر رہ چکے ہیں یعنی اردشیر کے زمانہ سے اس خاندان میں وزارت چلی آرہی ہے۔ بلخ کا نوبہار جو ایک قدیم آتش کدہ ہے انہی لوگوں کی تولیت میں ہے۔ جس وقت اسلام آیا اور ساسانی تاریخ کی مجلس سے اُٹھے اور ان کی سلطنت ختم ہوئی تو یہ خاندان بلخ میں قیام پذیر ہوگیا۔ اور پھر یہ لوگ وہیں کے ہو رہے۔ وزارت ان کے یہاں موروثی چیز ہے۔ ان کے خاندان میں وزارت کے آداب اور قواعد سے متعلق ہدایات اور اصول موجود ہیں جس وقت ان کے یہاں بچے علم ادب اور فن خطاطی سیکھنے بیٹھتے ہیں تو انھیں یہ اصول الوزارت بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور پھر اپنے اجداد کے طریقہ پر ان کی تربیت اور پرورش ہوتی ہے۔ یہ سب کہہ چکا تو سلیمان کا درباری بولا: تمام دنیا میں اس وقت امیر المومنین کے لئے اس وزیر سے بہتر کوئی وزیر نہیں ہو سکتا۔ آگے امیر المومنین جانیں اور ان کا کام جانے۔

بنی اُمیہ میں اور بنی مروان (مروان کی اولاد) میں سلیمان بن عبد الملک سے بڑا اور زیادہ دولتمند اور پُر شکوہ کوئی خلیفہ نہ تھا۔ سلیمان نے یہ سُنا تو جیسے اس نے طے کر لیا کہ جعفر کو بلخ سے بہر صورت لے آئے گا۔ اور اسے اپنی وزارت سونپے گا۔ پھر سلیمان نے سوچا کہ جسے وہ وزیر بنا رہا ہے وہ تو ابھی تک مجوسی ہے۔ اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ نہیں۔ وہ تو مسلمان ہو چکا ہے۔ خلیفہ مسرور و شاداں ہوا۔ لیجئے بلخ کے والی کے نام فرمان چلا گیا کہ جعفر کو دمشق روانہ کر دیا جائے۔ جعفر بلخ سے دمشق تک آیا تو راستہ کے ہر شہر میں گروہ عمائدین اس کا استقبال کرتا تھا۔ اس سے پہلے سلیمان نے والی بلخ کو حکم بھجوا دیا تھا کہ خواہ وزیر کو دمشق لانے میں ایک لاکھ دینار صرف ہوں اسے لایا ضرور جائے خواہ اتنی بڑی رقم خزانہ سے دینی پڑے۔ اور وزیر کو ساز و سامان سے، اور شان و شوکت کے ساتھ بھجوانا ضروری ہے۔ بلخ کے والی نے ایسا ہی کیا اور جعفر کو دمشق بھجوا دیا۔ راستہ میں جگہ جگہ سلیمان کے مہمان کو ضیافتیں دی جا رہی تھیں جعفر کو دمشق میں پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ لایا گیا۔ اور اسے ایک نہایت شاندار مکان میں اُتارا گیا تین دن گزر گئے تو جعفر کو سلیمان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ سلیمان نے جعفر کو دیکھا تو اس کی شخصیت اور اس کے سراپا سے مسرور رہا۔ اس کے بعد جعفر ایوان میں آیا۔ دیبان اور درباری ملازمین جعفر کو سلیمان کے روبرو لے گئے۔ سلیمان نے جعفر کو غور دیکھا تو دفعتاً ترش رو اور تند مزاج بن گیا اور اسے اُٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس حکم کا صادر ہونا تھا کہ حاجبوں نے منتخب وزیر یا جعفر کو آہستہ سے اُٹھا دیا اور واپس لے گئے۔ کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ جعفر کو "آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور اُٹھائے بھی گئے" کا مصداق کیوں بننا پڑا۔

کہیں عشاء کے بعد سلیمان کی بزم آراستہ ہوئی۔ عمائدین سب اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ ندیم اپنی جگہ بیٹھے لوگوں نے ساغر اٹھا لیے۔ کچھ وقت گذر گیا تھا۔ کچھ دور چلے تھے اور خوب چلے تھے کہ سلیمان کی طبع شاہانہ بھی موزوں ہو گئی اب ایک ندیم بولا: بادشاہ، تم نے جعفر کو اس اعزاز و اکرام سے طلب کیا اور جب وہ تمہارے حضور میں آکے بیٹھا تو اس کے بیٹھتے ہی تم نے اسے اٹھوا دیا۔ تمام عمائدین اس پر حیران رہ گئے ہیں آخر اس کا سبب کیا تھا۔

سلیمان نے کہا: وہ تو خیر ہوئی کہ یہ شخص اتنی دور سے آیا تھا۔ اور شریف زادہ تھا ورنہ میں تو اسی وقت اس شخص کی گردن مار دیئے جانے کا حکم صادر کر دیتا۔ دراصل یہ شخص اپنے ساتھ زہر قاتل لایا تھا اور گویا میرے حضور میں پہلی بار آیا تو تحفۃً زہر لے کے آیا۔ ایک ندیم نے اجازت مانگی کہ وہ جا کے جعفر سے پوچھ آئے کہ زہر ساتھ لانے کا سبب کیا تھا۔ دیکھیں وہ اس کا اقرار کرتا ہے یا انکار کیے جاتا ہے۔ سلیمان نے اجازت دے دی۔ ندیم سلیمان فوراً اٹھا اور جعفر سے پوچھا: آج جب تم سلیمان کے پاس گئے تھے تو کیا تمہارے پاس زہر تھا۔ جعفر نے کہا: ہاں زہر لے کے گیا تھا اور اب بھی میرے پاس زہر ہے۔ یہ دیکھو میری انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے۔ یہ مجھے میرے والد سے ورثہ میں ملا ہے۔ اس انگوٹھی کے نگینہ میں زہر ضرور شامل ہے لیکن کیا مجال کہ اس سے کسی چیونٹی تک کو میں نے آزار پہنچایا ہو۔ پھر کسی آدمی کو بھلا میں کیسے اس کے ذریعہ ہلاک کرنے کی سوچ سکتا تھا! لیکن احتیاط کے تقاضہ کے طور پر میں نے یہ انگوٹھی رکھ چھوڑی ہے میرے اجداد نے مال و دولت کی خاطر بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ سلیمان بن عبد الملک نے جب مجھے طلب کیا تو مجھے پورے وثوق سے معلوم نہ تھا کہ وہ مجھے کس لئے بلا رہا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے وہ مجھ سے گنجنامہ یعنی (وہ نامہ جس میں خزانوں اور دفینوں کی فہرست ہوتی ہے) طلب کر بیٹھے اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرے جسے میں پورا نہ کر سکوں یا مجھے کوئی ایسا دکھ پہنچائے جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ اس وقت میں آسانی سے انگشتری کے نگینہ کے زہر کو کھا کے خود کو مار سکتا ہوں اور یوں ذلت کی مصیبت سے نجات پا سکتا ہوں۔ وہ ندیم جو سلیمان کے یہاں سے آیا تھا جب اس نے یہ سنا تو فوراً پلٹ آیا اور سلیمان کی خدمت میں آکے واقعہ عرض کیا۔ سلیمان بن عبد الملک کو جعفر کی احتیاط پسندی اور تدبیر پر حیرت ہوئی۔ اور اس سے خوش ہو گیا بلکہ اس سے معذرت چاہی۔ فرمان ہوا کہ خاص بادشاہ کے گھوڑے پر بٹھا کے اسے (جعفر) کو اعزاز و اکرام کے ساتھ آستانہ تک لایا جائے۔ جس وقت سلیمان کے سامنے جعفر آیا۔ جعفر نے تسلیمات بجا

کی۔ سلیمان نے جعفر کا اعزاز واکرام کیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب اس سے بلخ سے دمشق تک کے سفر کے بارے میں بھی پوچھا اور اس کی بے حد تعریف کی۔ اسی وقت اسے خلعت پہنائی۔ یہ خلعت وزارت کی خلعت تھی۔ اس کے بعد وزارت کا قلمدان جعفر کے سپرد کر دیا گیا اور اسی وقت سلیمان نے احکامات پر چند دستخط کیں۔ اس وقت سلیمان عبدالملک کا نشاط دیدنی تھا۔ اس دن دربار برخاست کرنے پر سلیمان نے مے خواری کا لطف اٹھایا۔ ایک بزم آراستہ ہوئی جس میں زر و جواہر سے مرصع فرش بچھائے گئے۔ ایسے کہ کسی نے اس سے پہلے نہ دیکھے تھے۔ بزم میں سب شریک ہو گئے۔ سرخوشی کی کیفیت طاری ہوئی تو سلیمان سے جعفر نے پوچھا کہ آخر دربار میں کئی ہزار آدمی موجود تھے۔ حضور کو اس کا کیسے احساس ہو گیا کہ اس غلام کے پاس زہر ہے سلیمان نے جواب دیا۔ میرے پاس ایک چیز ہے جسے میں اپنے تمام خزانوں اور تمام دولت پر ترجیح دیتا ہوں اور اسے کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتا۔ یہ چیز مجھے سلاطین عجم کے خزانہ سے ملی ہے۔ اور میں اسے اپنے بازو پر باندھتا ہوں۔ یہ دس عدد مہرے ہیں جو آپس میں گوندھ دیئے گئے ہیں۔ ان کی تاثیر یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی زہر ہوتا ہے مثلاً کسی کے پاس یا کھانے پینے کی چیزوں میں اور اس کی بو ان مہروں تک پہنچ سکتی ہو تو فوراً یہ مہرے جنبش میں آجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں۔ اور جیسے ان میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے زہر کی موجودگی کا اسی طرح احساس کیا۔ تم ادھر میرے پاس آئے اور ان مہروں میں اسی وقت حرکت پیدا ہوگئی۔ تم جیسا جیسا میرے قریب آتے جاتے تھے مہروں کی حرکت بڑھتی جاتی تھی۔ اور جس وقت کہ تم بالکل ہی میرے سامنے بیٹھ گئے تو حرکت اتنی تیز اور اتنی شدید ہوگئی کہ جس دھاگہ سے یہ بندھے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گیا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ زہر تمہارے ہی پاس ہے۔ یقین جانو تمہارے سوا کسی دوسرے کے پاس یہ زہر ہوتا تو میں اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ جب تم کو میں نے اپنے پاس سے اٹھوا دیا تو یہ مہرے پھر سے خاموش ہو گئے اس کے بعد سلیمان نے اپنے بازو سے وہ مہرے کھول کر جعفر کو دکھائے اور پوچھا: جعفر تم نے دنیا میں ان مہروں سے زیادہ عجیب و غریب کوئی چیز دیکھی ہے۔ جعفر اور دوسرے عمائدین سب ہی متحیر ہو گئے۔ اس پر جعفر نے کہا میں نے دنیا میں دو بڑی حیرت انگیز چیزیں دیکھیں ایک تو یہی جو بادشاہ کے پاس ہے اور ایک وہ جو میں نے طبرستان کے بادشاہ کے پاس دیکھی۔ سلیمان نے پوچھا: بھلا وہ کیا چیز تھی۔ مجھے بتاؤ۔ جعفر نے کہا: جس وقت بادشاہ کا فرمان والیٔ بلخ کے پاس پہنچا کہ مجھ بندہ کو دمشق بھجوایا جائے۔ تو میں

نے سامان سفر درست کیا اور فرمان کی اطاعت کے لئے چل دیا۔ نشاپور پہنچنے پر میں طبرستان کی طرف
چل دیا۔ طبرستان کے ملک نے میرا استقبال کیا۔ اور مجھے آمل شہر میں اپنے مکان میں لے گیا میری ضیافت
کی۔ ہم ہر روز ساتھ کھاتے تھے اور شریک بزم نشاط ہوتے تھے۔ ایک دن جبکہ ملک کی طبیعت بشاش
تھی مجھ سے کہنے لگا کہ تم نے دریا کی سیر کبھی نہ کی ہوگی۔ میں نے کہا نہیں۔ بولا: چلو میرے ساتھ دریا کی
کی سیر کرلو۔ میں نے عرض کیا: جیسا آپ کا حکم ہو۔ میں حاضر ہوں۔ پھر کیا تھا ملاحوں کو حکم دے دیا گیا
کہ کشتیاں تیار کرلی جائیں۔ دوسرے دن ملک اس غلام کو ساحل دریا پر لے گیا۔ ہم کشتی میں بیٹھ گئے
آتش نفس مغنّی گانے لگے۔ مطرب یہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہو گئے۔ ملاحوں نے کشتی چلادی۔ ساقیاں
جمیل جام بدست ہو گئے اور اپنے جلوؤں سے دشمن ایمان و آگہی بن گئے۔ کشتی پر میں اور ملک طبرستان
بالکل ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ ملک کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔ اس کا نگین یاقوت سرخ کا تھا جس کی
خوبی، صفائی اور حسن رنگ کا کوئی جواب نہ تھا۔ کم از کم بندہ نے تو ایسا یاقوت نہ دیکھا تھا۔ میں ٹکٹکی
باندھے انگوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا ملک کو فوراً اس کا احساس ہو گیا کہ میرا دل انگشتری پر ریجھ گیا ہے۔
اس نے انگوٹھی انگلی سے اتار دی اور میرے سامنے ڈال دی۔ میں کورنش بجالایا۔ اور انگوٹھی کو چوم
لیا اور بڑے تپاک سے ملک کے سامنے رکھ دیا۔ ملک بولا: اگر انگوٹھی میری انگلی سے نکل آئی ہے تو اب
اس کے واپس انگلی میں جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں نے تم کو عطا کردی ہے۔ میں نے عرض کیا یہ انگوٹھی
ایسی نایاب اور خیرہ کن چشم جہاں ہے کہ یہ بادشاہی کے دست مبارک کے لئے زیبا ہے۔ چنانچہ میں نے
اسے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ نے دوبارہ میرے سامنے انگوٹھی رکھ دی۔ میں نے سوچا کہ انگوٹھی
واقعی بے مثال ہے۔ اس کا جواب نہیں بے حد گراں بہا اور قیمتی ہے۔ اس وقت بادشاہ پر خرمی اور
شادمانی کی کیفیت طاری ہے۔ اس وقت تو خیر وہ فیاضی پر اترا ہوا ہے۔ ممکن ہے شراب کا نشہ ہرن ہونے پر
بادشاہ کو افسوس ہو کہ وہ کیا کر بیٹھا۔ اور پھر اسے رنج اور ملال ہو، یہ سب سوچ کر میں نے انگوٹھی پھر
بادشاہ کے سامنے رکھ دی۔ بادشاہ نے انگوٹھی کو اٹھایا اور اسے دریا میں ڈال دیا۔ میرا دل دھک سے ہو گیا
میں پکار اٹھا: ہائے میں یہ خیال کرتا کہ بادشاہ اسے دوبارہ نہ پہنے گا اور اسے دریا میں ڈال دے گا تو
میں ضرور انگوٹھی قبول کرلیتا۔ ایسا یاقوت تو میں نے زندگی میں دیکھا ہی نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا: میں
نے کئی بار انگوٹھی تمہارے آگے رکھی تھی، میں نے سوچا تم بار بار اس کی طرف دیکھ رہے ہو۔ تمہیں یہ

بے حد پسند آگئی ہے۔ چنانچہ میں نے اسے انگلی سے نکال کے تم کو بخش دیا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ انگوٹھی بہت ہی گراں مایہ تھی۔ اور مجھے بھی پسند تھی لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ تم کو بہت زیادہ پسند آگئی ہے تو میں نے اسے تمہیں بخش دیا اور اگر یہ تم کو اتنی پسند نہ آتی تو میں اسے نہ بخشتا۔ اب یہ تو تمہارا قصور تھا کہ تم نے اسے قبول نہ کیا۔ اور میں نے اسے دریا میں ڈال دیا ہے تو تم اب افسوس کر رہے ہو۔ بہرحال ایک تدبیر کرتا ہوں کہ یہ انگوٹھی تمہارے پاس دوبارہ آجائے۔ ایک غلام کو حکم ہوا کہ وہ ایک چھوٹی کشتی یعنی ناؤ میں بیٹھ کے فوراً ساحل تک پہنچ جائے۔ اور ساحل پر پہنچنے کے بعد ایک گھوڑا لے اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا محل پہنچے اور بادشاہ کے خزانچی سے کہے کہ فلاں فلاں صندوقچہ جس میں (چاندی کا چھوٹا صندوق) منگوا رہے ہیں۔ اور صندوقچہ لے کے فوراً واپس آجائے۔ ادھر ملاح کو حکم ہوا کہ لنگر ڈال دے اور کشتی کو ٹھہرا لے۔ اس کے بعد مناسب حکم دیا جائے گا۔ ہم پی پلا رہے تھے کہ غلام لوٹ کے آگیا اور مطلوبہ صندوقچہ بھی اپنے ساتھ لے کے آگیا۔ اور اسے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ ملک نے اپنی کمر سے ایک کیسہ باندھ رکھا تھا۔ اسے کھول کر اس میں سے ایک روپہلی کنجی نکالی۔ اس کنجی سے بادشاہ نے صندوقچہ کا منہ کھولا اور پھر صندوقچہ میں منہ ڈال کے ایک سونے کی بنی ہوئی مچھلی نکالی اور اسے دریا میں ڈال دیا۔ مچھلی پانی کے بالکل اندر چلی گئی غوطہ ور ہوگئی اور بالکل تہ دریا پہنچ گئی کافی دیر میں مچھلی برآمد ہوئی تو اس کے منہ میں وہ انگوٹھی بھی تھی۔ بادشاہ نے انگوٹھی مچھلی کے منہ سے نکال کے میرے آگے ڈال دی۔ میں تسلیمات بجا لایا اور میں نے انگوٹھی پہن لی۔ بادشاہ نے بھی مچھلی کو صندوقچہ میں رکھ دیا اور اس میں قفل ڈال کے کنجی کیسہ میں رکھ لی۔ اور اسے محل میں بھجوا دیا۔ ہم سب حیران اور ششدر رہ گئے۔ اس کے بعد جعفر نے وہ انگوٹھی اپنی انگلی سے نکال کے سلیمان کے آگے رکھ دی اور کہا یہ رہی انگوٹھی۔ سلیمان نے انگوٹھی کو دیکھا اور جعفر کو واپس کر دیا اور کہا ایسے دل اور اسد سخی کی یادگار کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے یعنی انگوٹھی کو جعفر ہی کے پاس رہنا چاہیئے۔ اس کتاب کا مقصد محض یہ نہیں ہے کہ یہ کہانیاں کہی جائیں۔ مگر کیا کیا جائے یہ کہانی تھی ہی عجیب و غریب! اس لئے اس کا ذکر یہاں کر دیا گیا۔ اس کہانی کے لکھنے کا اصل مدعا یہ ہے کہ اچھے اور خوش حالی کے زمانہ کی علامت یہ ہے کہ ایک اچھا بادشاہ اور ایک لائق حاکم منظر عام پر آجائے اور فتنہ پرست عناصر کو تباہ کر دے۔ اور نیک طبیعت وزراء اور پیش کاروں کو اپنی خدمت میں رکھے۔ ایسے بادشاہ کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اہل لوگوں کو کام "دے" یعنی کسی کو کوئی کام یا عہدہ سونپتے

وقت یہ دیکھئے کہ یہ جسے کام سونپا جارہا ہے۔ اس میں اس خاص کام کی اہلیت اور صلاحیت بھی ہے یا نہیں، ہمالی دماغ حاکم ایک ہی شخص کو دو عہدے نہیں سونپا کرتا اور رعایا کے احوال کی تفتیش اور تحقیق بھی کرتا رہتا ہے اس کے دور میں بچوں اور کم عمر لوگوں کو سر نہیں چڑھایا جاتا۔ اور عقلمند اور معمر لوگوں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ ہر چیز ایک نظام کے ماتحت ہوتی ہے دنیاوی امور اور دینی امور سب ہی میں ایک نظم پیدا ہو جاتا ہے ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق کام سونپا جاتا ہے۔ مقررہ کردہ نظام کے خلاف جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو روک دیا جاتا ہے۔ سارے کام عدل اور انصاف کی ترازو میں تلتے ہیں۔

تینتالیسواں باب (۴۳)

ملحدین اور ان کی ریشہ دوانی

اشارات

بادشاہ کے ماتحتوں کو کبھی یہ توقع نہ ملنا چاہیئے کہ وہ سر اٹھا سکیں۔ اس سے دراصل بڑے بڑے فتنے جاگ اٹھتے ہیں۔ اور بادشاہ کا وقار جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں عورتوں کی خاص طور پر نگرانی کرنی ضروری ہے۔ ان کے ہاتھ میں اختیار نہ جانے دینا چاہیئے۔ عورتوں کی عقل میں کمال اور پختگی نہیں ہوتی۔ ان کا اصل مقام یہ ہے کہ ان سے پاکیزہ اور صحت مند نسل چلے (ورنہ انسانیت کا کوئی مستقبل ہی نہ رہے گا۔ مترجم) عورت جس درجہ عالی نسب اور پاکیزہ اور عفیفہ اور عصمت مآب ہوگی اتنا ہی اچھا ہوگا بادشاہ کی عورتیں جس وقت بھی احکامات دیتی ہیں عموماً ان کے احکامات میں صاحب غرض لوگوں کی رائیں شامل ہوتی ہیں۔ انھیں جیسی کچھ پٹی پڑھا دی جاتی ہے ویسا ہی ان کا عمل ہوتا ہے۔ مردوں کی بات دوسری ہوتی ہے یہ باہر کی دنیا بھی دیکھتے ہیں۔ اور سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عورتیں یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ لہٰذا یہ مجبور ہیں کہ ان کی سرکار میں لوگ جو بھی آکے کہہ دیں اسی کے

مطابق پر عمل کریں۔ یہ کہنے والے عموماً حرم شاہی کے خادموں وغیرہ میں سے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں لامحالہ عورتوں کے صادر کردہ فرمانوں میں سچائی اور واقفیت کے عناصر کم ہوتے ہیں۔ اور یہیں سے سارا جھگڑا شروع ہوتا ہے بادشاہ کا وقار خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ قوم مصیبت کا شکار ہو جاتی ہے۔ دین اور سیاست سب تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور قوم میں غربت اور اضطراب کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

پرانے زمانوں میں جب کبھی بادشاہ کی ملکہ اس پر غالب آگئی اور اس پر چھا گئی تو نتیجہ بس فتنہ و فساد اور شور و شر کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔ ہم تھوڑا اس موضوع پر لکھے دیتے ہیں تاکہ دوسرے بہت سے معاملات کا جہاں تک تعلق ہے اس کی اہمیت سمجھ میں آسکے۔ پہلے مرد جس نے عورت کی بات مانی اور پھر اسے اس بات کی سزا بھگتنا پڑی آدم علیہ السلام تھے آدمؑ نے حواؑ کے کہنے پر گیہوں کھایا اور انھیں بہشت سے باہر نکل جانا پڑا اور پھر دو سو سال کی مستقل گریہ و زاری کے بعد کہیں انکی توبہ قبول ہوئی۔

حکایت

کیکاؤس کی بیوی سودابہ کیکاؤس پر بالکل غالب آچکی تھی۔ کیکاؤس نے اپنا ایک آدمی رستم کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اب کہ سیاؤش کا عہد شباب شروع ہو چکا ہے اسے میرے پاس بھیجدیا جائے یہ سیاؤش۔ کیکاؤس کا بیٹا تھا اور اسے رستم نے پالا اور رکھا تھا۔ کیکاؤس کو اپنے بیٹے کو دیکھنے کی بڑی زبردست خواہش تھی۔ رستم نے سیاؤش کو کیکاؤس کے پاس بھیجدیا یہ سیاؤش بے حد حسین وجمیل شخص تھا۔ سودابہ نے اسے پردہ کی اوٹ سے دیکھ لیا تھا۔ یہ دیدار فتنہ انگیز ثابت ہوا۔ یعنی سودابہ بس دل دے بیٹھی۔ اب اس عورت نے کیکاؤس سے فرمائش کی کہ وہ سیاؤش کو حرم میں آنے کا حکم دے تاکہ خواتین بھی اسے دیکھ سکیں کیکاؤس نے سیاؤش کو حکم دیا کہ وہ شبستان میں (جو از حرم شاہی میں) ہو آئے۔ سیاؤش نے عذر پیش کیا اور کہا بادشاہ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن شبستان عورتوں ہی کو زیب دیتا ہے۔ مردوں کی جگہ تو ایوان یعنی مردانہ ہے۔ کیکاؤس نے اصرار کیا۔ چنانچہ اب سیاؤش جو اندرون محل گیا تو سودابہ نے اپنی نیت اس پر خراب کرلی اور اس کا قصد کر کے اسے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ تاکہ خلوت میں اس سے اپنی ہوس کی تسکین کرے۔ سیاؤش غضبناک ہو گیا اور اس نے اپنے کو سودابہ کی گرفت سے چھڑا لیا۔ اور قصر سے باہر بھاگ نکلا۔ اور وہاں سے اپنی قیام گاہ چلا آیا۔ سودابہ ڈری کہ کہیں سیاؤش یہ سب باپ سے یعنی (کیکاؤس) سے

نہ کہہ دے۔ چنانچہ اس نے اپنے دل میں کہا بہتر یہ ہوگا کہ اس شکایت میں میں خود ہی پہل کر دوں۔ سودابہ (سیاوش کی سوتیلی ماں) کیکاؤس کے پاس پہنچی اور کہا کہ سیاوش نے مجھ سے شادکام ہونے کی سعی کی اور مجھے زبردستی پکڑ لیا لیکن میں نے اپنے کو اس سے چھڑا لیا۔ کہ کیکاؤس یہ سُن کر سیاوش سے سخت ناراض ہوا اور اب اس کا غیظ و غضب اس منزل میں پہنچ چکا تھا کہ اس نے سیاوش کو حکم دیا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے آتشِ مقدس (اس زمانہ میں ایران میں آتش پرستی کا مذہب رائج تھا۔ مترجم) کی قسم کھائے تاکہ باپ کا دل بیٹے سے پھر سے صاف ہو جائے۔ سیاوش آمادہ ہو گیا کہ جس عنوان سے اس سے قسم لی جائیگی وہ اس کے لیے تیار ہوگا۔ بس پھر کیا تھا تقریباً سو امیل کے احاطہ میں جنگلی لکڑیاں ڈھیر کی گئیں اور ان میں آگ لگا دی گئی۔ آگ بھڑکنی شروع ہو گئی اور اس کے شعلے پہاڑیوں کے اوپر تک پہنچ گئے۔ اب سیاوش سے کہا گیا کہ آگ میں کود جاؤ۔ سیاوش نے جو اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا۔ خدا کا نام لے کر اس نے گھوڑے کو آگ میں دوڑا دیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد سیاوش آگ کے اس پار سے صحیح سلامت نکل آیا۔ اور اس طرح نکل کے آیا اس طرح نکل کے آیا کہ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا تھا۔ سیاوش کے گھوڑے پر بھی کوئی آنچ نہ آنے پائی تھی بس خدا کا حکم ایسا ہی تھا! تمام لوگ حیران اور ششدر رہ گئے آتش پرست علماء اس آگ کو مقدس سمجھ کر اس کے گل (انگار) آتش کدہ میں لے گئے۔ کہتے ہیں وہ آگ ابھی تک نہیں بجھنے دی گئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس آگ نے سیاوش پر آنچ نہ آنے دی تھی۔ اس واقعہ کے بعد جس میں سیاوش سچا ثابت ہوا تھا۔ کیکاؤس نے سیاوش کو بلخ کی امیری تفویض کر دی اور اسے وہیں بھیج دیا سودابہ کے قضیہ سے سیاوش باپ سے آزردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اور جیسے اس کی زندگی میں کوئی خوشی ہی نہ رہ گئی تھی۔ اس رنج گراں نشین نے یہ گل کھلایا کہ سیاوش نے ایران چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ سیاوش نے طے یہ کیا کہ ہندوستان یا چین کے اس پار چلا جائے پیران واسہ، وزیر افراسیاب کو راز دلِ سیاوش کی خبر لگ گئی۔ اس نے شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو کے افراسیاب کی طرف سے اسے (سیاوش کو) ہر طرح کے سبز باغ دکھائے اور سیاوش اس دام میں آ پھنسا گیا۔ اور باقاعدہ عہد و پیمان باندھ لیا۔ اس نے (اپنے فعل کا جواز ڈھونڈتے ہوئے) کہا کہ ہم اور افراسیاب تو ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اس لئے میرے اس کے یہاں چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ افراسیاب نے سیاوش کا بے حد اعزاز و اکرام کیا اپنے بیٹوں تک پر اس کو ترجیح دی۔ افراسیاب نے سیاوش سے یہ

بھی کہہ دیا کہ وہ جب بھی باپ کی طرف سے اپنا دل صاف کرے اور اس سے ملنا چاہیے وہ جا سکتا ہے۔
افراسیاب سیاوش کے لئے اس کے باپ کے نام ایک سفارش بھی کرتا ہے اور پھر ہزار اعزاز و اکرام کے ساتھ
اسے باپ کے پاس روانہ کر دیتا ہے۔ اس سفر کی تکمیل کے لئے سیاوش پہلے بلخ سے ترکستان جاتا ہے اور افراسیاب
اس سے اپنی لڑکی بیاہ دیتا ہے اور اس کی بے حد تکریم کرتا ہے لیکن اس موقع پر افراسیاب کے بھائی گرسیوز
کے اندر حسد اور عناد کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور وہ افراسیاب کی نگاہوں میں سیاوش کو مجرم بنا کے
پیش کر دیتا ہے۔ اگرچہ سیاوش بے گناہ تھا لیکن اسے شاہی عتاب کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اس خبر پر کہ
سیاوش کو ترکستان میں قتل کر دیا گیا ایران میں رونا پیٹنا اور کہرام مچ گیا۔ تمام دلاور بپھر گئے۔ رستم سیستان
سے کیکاؤس کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بغیر شاہی حکم کے اس کے حرم میں گھس گیا اور سودابہ کے گیسو
پکڑ کے اسے باہر کھینچ لایا اور باہر لا کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے۔ یہ عالم تھا کہ کسی کو رستم سے یہ کہنے کی جرأت
نہ ہوئی تھی کہ تم نے برا کیا جو سودابہ کو یوں مار دیا۔ اس کے بعد (یعنی سودابہ کو مارنے کے بعد) رستم نے
جنگ کی تیاری کر لی اور سیاوش کا انتقام لینے کے لئے نکل پڑا۔ مدتوں یہ جنگ جاری رہی۔ دونوں جانب
سے ہزاروں اشخاص کھیت رہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے اور کیونکر؟ محض سودابہ کے سبب سے جو اپنے
شوہر کیکاؤس پر مسلط تھی! بادشاہوں اور دوسرے صاحبان عزم و ہمت نے ہمیشہ نیک اور سیدھی راہ
اختیار کی ہے۔ اس قسم کے بادشاہوں نے ہمیشہ ایسی روش اختیار کی ہے کہ عورتیں اور دوسرے وہ طبقے
جن میں پختگی کی کمی تھی ان کے رازوں سے واقف نہ ہونے پاتے تھے اور انھیں اس کا موقع نہ دیا جاتا تھا کہ
ان کے اندر غلط قسم کی امیدیں اور امنگیں بیدار ہو جائیں یا یہ کہ یہ دخل در معقولات کرنے لگ جائیں۔
چنانچہ سکندر سے اسی قسم کی روایت منسوب ہے۔

حکایت

تاریخوں میں آیا ہے کہ جس وقت سکندر رومی (یونان) سے ایران آیا اور عجمی شہنشاہ دارا
ابن دارا کو شکست دی اور دارا ہی کے ایک شاہی ملازم نے اسے یعنی (دارا کو) قتل کر دیا تو ایک واقعہ
پیش آیا دارا کی ایک لڑکی تھی انتہائی حسین و جمیل اور تندرست۔ ایسے ہی اس کی بہن بھی خوب صورت تھی
اور یہی حال دارا کی دوسری بیٹیوں کا تھا۔ غرض دارا کے محل سرا میں بھی عورتیں حسین اور خوبصورت تھیں

لوگوں نے سکندر سے اس کی فتح و نصرت کے بعد کہا کہ یہ مناسب ہوگا کہ وہ دارا کے عشرت کدہ میں جہاں وہ اپنی راتیں گذارتا تھا جائے اور چاند سی شکلوں والی اور پری وش قسم کی عورتوں کے حسن سے اپنی آنکھیں شاد کرے اور خاص طور سے دارا کی لڑکی کو ضرور دیکھے جس کے حسن کا جواب نہ تھا۔ کہنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ سکندر دارا کی لڑکی کو دیکھے گا تو اس کے جمال و کمال سے متاثر ہو کے اس سے شادی کرلے گا۔ سکندر نے جواب دیا: ہم نے ایران کی مہم میں مردوں کو تو شکست دے لی ہے مگر اب ایسا نہ ہو کہ ہم ان کی عورتوں سے شکست کھا جائیں۔ چنانچہ سکندر پھر شبستان دارا نہیں گیا۔ خسرو اور شیریں فرہاد کا واقعہ بھی سبق آموز ہے۔ اور کافی مشہور ہے۔ خسرو نے شیریں سے بے پناہ محبت کی تھی اتنی کہ شیریں خسرو کے نام پر حکومت کرنے لگی تھی۔ اور خسرو برائے نام کا سکہ چلنے لگا تھا۔ اور شیریں گستاخ ہوگئی تھی اور انجام کار خسرو جیسے شاہنشاہ کے ہوتے ہوئے شیریں نے فرہاد کو دل دے دیا۔

حکایت

بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ آخر تم جیسے مدبر اور صاحب عقل کے ہوتے ہوئے ساسانی خاندان کیسے تباہ ہوگیا تمہاری عقل و دانش اور عقل اور خرد کا دنیا میں کوئی جواب نہ تھا اور تمہارے مشوروں کے باوجود اتنا بڑا خاندان تباہ و برباد ہوگیا۔ بزرجمہر نے جواب دیا۔ اس کے اسباب دو تھے۔ پہلا سبب یہ تھا کہ آل ساسان بڑے بڑے کام چھوٹے آدمیوں کے سپرد کردیتے تھے۔ یہ چھوٹے آدمی عقل سے عاری ہوتے تھے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ساسانی خاندان میں اس بات کی پروا نہ کی جاتی تھی کہ اہل علم و خرد کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ ان کی دلداری اور پاسداری کی جاتی۔ بچوں اور عورتوں پر سارے کام اٹھا رکھے گئے تھے۔ ظاہر ہے بچوں اور عورتوں میں عقل اور دانش کی کمی ہوتی ہے۔ جب کبھی عورتوں اور بچوں پر سارے کام ڈال دیے جاتے ہیں تو یہ علامت ہوتی ہے۔ خاندانی زوال کی۔

حدیث

(اہم امور میں، عورتیں جو کچھ کہیں اس کے خلاف کرنا چاہیئے تاکہ صحیح کام ہو سکے۔ حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کو مشورہ میں شریک کرو لیکن ان کے مشوروں

کی مخالفت کرو۔ اگر عورتیں عقل کامل رکھتی ہوتیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ فرماتے

حکایت

احادیث میں آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مرض (مرض الموت) نے شدت اختیار کر لی تو آپ اس درجہ کمزور ہو گئے کہ اگرچہ باجماعت نماز کا وقت آچکا تھا اور صحابہؓ مسجد نبوی میں منتظر بیٹھے تھے کہ حضور تشریف لے آئیں تو پڑھی جا سکے، لیکن آپ فرطِ ضعف سے مسجد کے اندر نہ آ سکے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں رسالت مآب کی بالیں یعنی (سرہانے) بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے صورت حال دیکھ کر عرض کیا یا نبی اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ اور آپ اس قابل نہیں کہ مسجد تک جا سکیں۔ امامت کے لئے کس کو حکم دے رہے ہیں۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا: ابوبکرؓ کو حضرت عائشہ کے دوبارہ پوچھنے پر پھر ارشاد ہوا: ابوبکرؓ کو۔ (یعنی میری جگہ ابوبکرؓ امامت کے فرائض انجام دیں گے)، اس پر حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ میں تو دوبار عرض کر چکی ہوں ایک بار تم ہی کہو کہ ابوبکرؓ ذرا رقیق القلب ہیں اور آپ سے عشق کرتے ہیں اور دوسرے تمام صحابہؓ کے مقابلہ میں آپ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ اگر نماز پڑھانے کھڑے ہوئے اور آپ کی جگہ خالی دیکھی تو یقیناً ان پر گریہ غالب آجائے گا (یہاں مجھے غالب کا ایک شعر یاد آ گیا مترجم)

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

(یعنی یہ صورت ہو گی) کہ ان کی اور تمام اصحاب کی نماز فاسد ہو جائیگی اسلئے امامت کے لئے عمرؓ زیادہ موزوں رہیں گے اس لئے کہ وہ مضبوط دل والے ہیں اور ان کے لئے اس کا اندیشہ کم ہے یا نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھاتے وقت اپنی ذات پر قابو نہ رکھ سکیں غرض عائشہؓ اور حفصہؓ دونوں نے مل کر یہ بات آنحضرتؐ سے عرض کی۔ اس پر پیغمبر اعظم کو جلال آ گیا۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا:

تم لوگوں کی مثال وہی یوسف اور کرسف کی مثال ہے میں تمہاری صلاح پر نہیں چلوں

گا ہیں تو وہ حکم دوں گا جو اُمت کے لئے مناسب ہوگا۔ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔
دیکھنے کی بات ہے کہ عائشہؓ کی بزرگی اور عظمت اور ان کے علم و زہد اور پارسائی کے باوجود
آنحضرتؐ نے ان کی منشاء کے مطابق عمل نہیں کیا۔ جب حضرت عائشہ کا حال یہ تھا تو پھر
دوسری عورتوں کی دانش و عقل معلوم۔
یہ یوسف اور کرسف کی کہانی یوں ہے۔

حکایت

کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے دور میں طریقہ یہ تھا کہ ہر وہ شخص جو چالیس سال تک ہر قسم کے بڑے گناہوں سے اپنے کو محفوظ رکھتا، روزہ اور نماز کی پابندی کرتا اور کسی کو کوئی آزار نہ پہنچاتا تو اللہ تعالیٰ اس کی تین مرادیں پوری کر دیتا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک پارسا اور متقی آدمی رہتا تھا اس شخص کا نام یوسف تھا۔ یوسف کی بیوی بھی یوسف ہی کی طرح پارسا اور نیک تھی اور بے حد پاکباز تھی۔ اس عورت کا نام کرسف تھا۔ یوسف نے چالیس سال تک معیاری قسم کی متقیانہ زندگی گذار دی۔ اس مدت کے اختتام پر اس نے سوچا میں اللہ تعالیٰ سے کیا چیز طلب کروں۔ بہتر ہے اس سلسلہ میں کسی دوست سے مشورہ کر لوں تاکہ خدا سے جو چیز طلب کروں وہ کوئی اونچی چیز ہو۔ یوسف نے بہت سوچا لیکن مشورہ کے لئے وہ کسی دوست کا انتخاب نہ کر سکا۔ اب یہ شخص گھر پہنچا۔ اس کی نظر اپنی بیوی پر پڑی۔ اس نے دل میں سوچا: دنیا میں میرے لئے اپنی بیوی سے بڑھ کر کون اور دوست ہو سکتا ہے یہ عورت میری رفیقہ حیات ہے اور اس نے میرے بچے جنے ہیں۔ میں اس سے مشورہ کروں گا تو وہ مجھے دنیا میں سب سے بہتر مشورہ دے گی اس لئے یہی بہتر ہے کہ اس سے مشورہ کرتا ہوں۔ یوسف نے اپنی عورت سے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے چالیس سال اللہ کی فرمانبرداری کی ہے اور اب میری کوئی سی تین خواہشیں اور دعائیں مستجاب ہو سکتی ہیں۔ اس دنیا میں تم سے زیادہ کوئی میرا مخلص نہیں ہو سکتا اب یہ بتاؤ میں اللہ سے کیا مانگوں۔ عورت بولی: تم جانتے ہو اس دنیا میں تم ہی میرے لئے سب کچھ ہو۔ اور تم مجھے ہی دیکھ کے جیتے ہو اور میں تم کو دیکھ کے جیتی ہوں۔ عورت اور مرد ایک دوسرے کے لئے تماشاگاہ ہیں۔ تم مجھے دیکھ کے خوش ہوتے ہو اور میری رفاقت تمہارے لئے زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ

خواہش کرو کہ وہ تمہاری عورت کو وہ جمال بخش دے جو کسی دوسری عورت کو حاصل نہ ہو نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ جس وقت تم میرا جمال اور میرا حسن دیکھو گے تو تمہارا دل باغ باغ ہو جائے گا اور ہم اپنی بقیہ عمر کو ہنسی خوشی گذار سکیں گے۔ یوسف کو اپنی بیوی کی بات پسند آگئی۔ اس نے دعا کی اے خدا اس عورت کو وہ حسن اور وہ جمال بخش دے جو تو نے کسی دوسری عورت کو نہ دیا ہو۔ یوسف کی دعا قبول ہوئی۔ دوسرے دن یوسف کی بیوی شب خوابی کے لباس میں جب اٹھی تو وہ جیسے اس پچھلی رات والی عورت ہی نہ رہ گئی تھی۔ اب وہ ایک ایسی پری جمال عورت ہو چکی تھی جس کی صورت کی عورت کہیں دیکھی ہی نہ گئی تھی۔ یوسف نے اپنی کا یہ جمال دیکھا تو بے حد متعجب ہوا۔ اتنی خوشی ہوئی اسے کہ وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، روز بروز اس عورت کا جمال بڑھتا ہی جاتا تھا۔ دیکھنے والے اس عورت کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ ایک دنیا میں اس عورت کے حسن وجمال کی شہرت ہوگئی۔ ایک دن اس عورت نے اپنی شکل آئینہ میں خود دیکھی تو اپنے جمال اور اپنی رعنائی سے حد درجہ مطمئن ہوئی اب اس پر خود پسندی کا بھوت سوار ہوگیا۔ اپنے دل میں اس نے کہا: آج دنیا میں کون ہے جو میرے حسن کا مقابل ہو سکے۔ جو جمال میرا ہے وہ کسی کا نہیں۔ تو پھر میں اس بڈھے غریب آدمی کی رفیقۂ حیات کیوں بنی رہوں۔ میرا یہ بڈھا جو کی توروٹی کھاتا ہے اور بے نوا سا انسان ہے۔ گذران اس کی مشکل سے ہوتی ہے۔ روپیہ پیسہ سے الگ یہ محروم ہے اس کے ساتھ میرا جینا دوبھر ہے۔ مجھے تو کسی بادشاہ کی بیوی ہونا چاہیئے تھا۔ جو مجھے زر و جواہرا ور دیبا (ایک نہایت نفیس کپڑا ہوتا ہے) سے بالا مال کر دے۔ اور مجھے عزیز اور گرامی کر دے۔ غرض یہ خیالات اور اسی قبیل کے دوسرے خیالات عورت کے دماغ میں پیدا ہو گئے تھے عورت اب اندر سے تبدیل ہو چکی تھی۔ ظاہری حالت بھی اس کی بدلنے لگی۔ اب وہ (یہ عورت) اپنے شوہر سے بدمزاجی اور بدکلامی کا بھی برتاؤ کرنے لگی۔ بالکل ہی نافرمان ہوگئی، عالم یہ ہوگیا کہ اپنے شوہر پر یہ عورت باقاعدہ مظالم ڈھانے لگی۔ بار بار یہ کہتی میرا اور تیرا کیا جوڑ۔ تیرے پاس تو اتنا بھی نہیں کہ تو کھا سکے۔ ایک اور بات بھی تھی۔ یوسف کے چند چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ عورت نے ان بچوں کی دیکھ بھال کرنی چھوڑ دی۔ غرض اس عورت کی روش اب ایسی نہ تھی کہ یوسف اسے برداشت کر پاتا۔ وہ تو عاجز آچکا تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ یوسف نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور اللہ سے دعا کی: اے اللہ اس عورت کو ریچھنی بنا دے۔ عورت اسی وقت ریچھ کی مادہ بن گئی۔ کہاں وہ حسن اور وہ جمال اور کہاں یہ ذلت اور رسوائی۔ اب ریچھ کی شکل میں آنے کے بعد عورت شب و روز اپنے ہی مکان کی دیوار اور چھت کا چکر

کاٹتی رہتی تھی. لیکن آنکھیں اس کی مستقل آنسو بہاتی رہتی تھیں ۔اب یوسف بھی اس بد دعا پر پچھتایا اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جانے کی بنا پر عبادت اور ریاضت کے لئے بالکل ہی وقت نہ نکال سکتا تھا۔ نمازوں سے دور ہوتا جاتا تھا۔ بے حد پریشان تھا یہ شخص ۔(عورت ریچھ بن چکی تھی بچوں کی دیکھ بھال کرنی پڑ رہی ہے اور خلاف عادت عبادت سے محروم رہنا پڑ رہا تھا) ۔یوسف نے مجبوری کے عالم میں ایک بار پھر اللہ سے دعا کی (یہ اس کی تیسری دعا تھی جو قبول ہو سکتی تھی) ۔یوسف نے کہا : اے اللہ اس عورت کو پہلے کی سی عورت بنا دے ۔اس میں وہی جذبہ مہربانی بیدار کر دے کہ یہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کر سکے ۔ اور میں اس مصیبت سے نجات پا کر پھر سے عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو جاؤں ۔یوسف کے دعا کرتے ہی عورت ریچھ کی شکل سے نکل کے از سر نو وہ اگلی سی عورت بن گئی. بچوں کی نگراں اور سراپا رحم و مروت ،اس واقعہ کے بعد اس عورت نے پچھلی باتوں کو بالکل ہی بھلا دینا چاہا ۔اس نے اب یہ محسوس کیا کہ گویا اس نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ یوسف کی چالیس سال کی عبادت محض ایک عورت کی ہوا و ہوس کی نذر ہو گئی ۔اس کے بعد تو یہ بات مثل بن گئی ۔تا کہ پھر کوئی عورت کے زیر فرمان نہ رہے۔

حکایت

خلیفہ مامون نے ایک بار فرمایا تھا کہ کسی بادشاہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مملکت اور فوج اور شاہی خزانہ وغیرہ کے بارے میں عورتوں سے مشورہ لے اور ان کی رائے طلب کرے ۔عورتوں کو یہ حق بالکل حاصل نہیں کہ وہ مملکت کے امور میں مداخلت کریں۔ ایک امیر کی حمایت کریں ۔ایک کو راندہ درگاہ کریں اور کسی دوسرے کو سزا دلوائیں ۔ بعضوں کو منصب دلوائیں اور بعضوں کو معزول کروائیں ۔ایسی صورت میں لوگ عورتوں کی طرف زیادہ رجوع کریں گے اور انکے در پر ناصیہ فرسائی کریں گے ۔ اور اپنی اپنی حاجتیں اور ضرورتیں بیان کریں گے عورتوں کی طبیعت یہ ہے کہ جس وقت انھیں یہ نظر آئے گا کہ لوگ ان کے در پر حاضری دیتے ہیں اور ان کے در اہل حاجت اور اہل ضرورت سے پر ہیں تو ان کے دماغوں میں خیال ہائے خام پیدا ہونے لگتے ہیں ۔برے اور بدطینت لوگ جلد ہی عورتوں کی بارگاہ میں تقرب حاصل کر لیتے ہیں ۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کا وقار جلد ہی ختم ہو جاتا ہے ۔اور اس کی بارگاہ کی عظمت ختم ہو جاتی ہے ۔خطروں سے وہ گھر جاتا ہے اور ہر طرف سے بادشاہ کے طرز کار کی مذمت ہونے لگتی ہے ۔ مملکت میں ایک قسم کا آشوب اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے ۔ نہ وزیر (اعظم)

کا وقار قائم رہ پاتا ہے اور نہ فوج میں تنظیم رہ جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت حالات کا کیسے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ دراصل بادشاہ کے لئے وہی طریقہ صحیح ہوگا جو پچھلے بادشاہوں کا مسلک رہا ہے یعنی وہ مسلک درست ہوگا جس پر عالی دماغ اور عالی ہمت تاجداروں نے عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ یعنی ہم نے مردوں کو عورتوں پر نگراں مقرر کیا ہے۔ اب اگر عورتیں خود ہی اپنے آپ کو سنبھال سکتیں تو یہ حکم کیوں دیا جاتا اور مردوں کی فضیلت اور برتری کیوں تسلیم کی جاتی۔

حکایت

کیخسرو کا قول ہے کہ ہر وہ بادشاہ جس کی خواہش یہ ہو کہ اس کا خاندان برباد نہ ہو اور اس کا ملک تباہ نہ ہو اور اس کا وقار اور شکوہ قائم رہے اسے چاہیئے کہ وہ عورتوں کو ڈھیل نہ دے۔ عورتوں کو صرف اس بات کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے بارے میں بات چیت کر سکیں۔ اس روش سے پرانی روایات قائم رہ سکیں گی اور مختلف قسم کے شبہات اور وسوسوں سے نجات مل جائے گی۔

حکایت

حضرت عمر ابن الخطّاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کی بات بھی عورتوں ہی کی طرح ہمیشہ عورت یعنی (نمایاں اور بالکل کھلی ہوئی) رہتی ہے۔ اور جیسے عورتوں کو بے نقاب نہیں کیا جا سکتا ان کی باتیں بھی بے نقاب نہیں کی جا سکتیں۔ اس بارے میں یہ جو اتنی بات کہی گئی یہی کافی ہے۔ اس کی مصلحتیں بہت سے دوسرے مقامات پر ظاہر ہو جائیں گی۔ رہا زیردستوں کا معاملہ تو بادشاہ کو خدا نے تمام اشخاص پر غالب اور ان پر اقتدار رکھنے والا بنایا ہے۔ تمام اہل دنیا (مراد اہل ممالک) بادشاہ کے زیر نگیں ہوتے ہیں۔ لوگوں کو املاک یا بڑائی اور سرداری جو کچھ بھی ملتی ہے سب بادشاہ سے ملتی ہے۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ لوگوں پر اپنا غلبہ اس طرح قائم رکھے کہ وہ اپنے کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔ اور کبھی یہ نہ ہو کہ بندگی کا جوا اپنے کاندھوں سے اتار پھینکیں۔ بادشاہ ان لوگوں سے (جنہیں اس نے املاک وغیرہ بخشی ہیں) ایسا رُخ اختیار کرے کہ یہ اپنے آپ میں رہیں اور مطلق العنان نہ ہونے پائیں۔ ہر آدمی کی حیثیت اور اس کا مرتبہ متعین رہتے چاہئیں۔ اور اس کے بارے میں پوچھ گچھ بھی ہوتی رہنی چاہیئے تاکہ بغاوت کے امکانات پیدا نہ ہونے پائیں۔ اور لوگ حکم احکامات کی پیروی کریں اور احکامات کے

دائرہ سے خارج نہ ہونے پائیں۔

حکایت

ایک دن بزرجمہر (وزیر اعظم) نے نوشیرواں سے کہا کہ مملکت بادشاہ کے لئے ہے۔ لیکن بادشاہ نے مملکت اپنی فوج کے سپرد کر رکھی ہے۔ اور اہل مملکت اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اب اگر اہل لشکر (فوجی سردار) بادشاہ کی مملکت سے مہربانی کا برتاؤ نہیں کرتے، ان کے لئے کسی قسم کا جذبہ مروت اپنے میں نہیں رکھتے اور بس اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور رعایا کو ٹھیک طور سے نہ رکھیں۔ اور مملکت کے اندر جو گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں، یا لوگوں پر عتاب نازل ہوتا ہے۔ یا انھیں مختلف عہدے سپرد ہوتے ہیں ان سب کی ذمہ داری یہ لوگ خود ہی قبول کرلیں تو پھر ان میں اور بادشاہ میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ یہ رتبہ ہمیشہ بادشاہوں کو ملتا رہا ہے، فوج کو نہیں، بادشاہ کو اس بات کی اجازت نہ دینی چاہیئے کہ لشکر کو اختیارات اور یہ اقتدار مل جائیں۔ زریں (طلائی۔ سونے کا) تاج، زریں رکاب، اور زریں جام کی روایات ہمیشہ سے رہی ہیں۔ تخت اور سکہ صرف بادشاہ کی ذات سے مخصوص رہے ہیں۔ (کسی دوسرے کو یہ اختیار حاصل نہیں رہا کہ اس کے نام کا سکہ ہو اور یا اس کے لئے تخت ہو) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر بادشاہ کی خواہش یہ ہو کہ اسے دوسرے تاجداروں پر فوقیت حاصل ہو تو اسے اپنے اخلاق سنوارنے چاہئیں۔ ان میں پاکیزگی اور شائستگی پیدا کرنی چاہیئے۔ نوشیرواں نے پوچھا: وہ کیسے؟ وزیر نے جواب دیا: اپنے سے بری عادات اور بری خصلتوں کو دور کرنے، اور اچھی عادتیں اختیار کرنے سے بادشاہ کے اندر وقار اور پاکیزگی کا ظہور ہوتا ہے۔ بری عادتیں یہ ہیں: کینہ اور حسد، تکبر اور مغلوب الغضبی اور اشتعال پذیری، ہوس رانی بے جا لالچ، بے جا اُمید، جھوٹ اور ضد، کنجوسی اور ستم رانی، خود پسندی عجلت، ناشکر گزاری، احسان فراموشی، اچھی عادتیں یہ ہوتی ہیں: غیرت، خوش اخلاقی، بردباری، انکساری، فیاضی، سچائی، صبر اور رضامندی، مہربانی اور دانش، عقل اور انصاف، بادشاہ جب کبھی ان عادات کو اختیار کرے گا اسے کسی مشیر اور صلاح کار کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

(۴۴)

چوالیسواں باب

ظہورِ مزدک اور کردارِ نوشیرواں

اِشارات

اس کتاب کی تالیف کے دوران، میرے اندر مخالفینِ دینِ مبین کے خروج اور ان کی سرکشی کے متعلق بھی قلم فرسائی کا داعیہ پیدا ہوا تھا۔ یہ باب اسی کی تکمیل ہے۔ (خوارج اور اہل بغاوت و بدعت کو بہ جو میں براگندہ نقاب کر رہا ہوں، اس سے یہ بات سب لوگوں پر ہویدا ہو جائے گی کہ) مجھے سلجوقی حکومت سے کس درجہ ارادت اور عقیدت ہے۔ اور یہ کہ خداوند کریم (مراد ملک شاہ سلجوقی) اور ان کے خاندان اور دوسرے متعلقین سے مجھے کتنا خصوصی ربط و تعلق ہے: اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہر قسم کے آفات روز بد سے محفوظ رکھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے آج تک (عام مفہوم میں) خوارج کا وجود رہا ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں نے پیغمبروں اور بادشاہوں پر ہمیشہ خروج کیا ہے۔ یعنی ان کے مقابل علمِ بغاوت لے کے صف آراء ہوئے ہیں۔ اس طبقہ کو ہمیشہ سے منحوس اور بدکردار مانا جاتا رہا ہے۔ یہ لوگ سلطنت کے بدخواہ اور مذہب میں فساد ایجاد کرنے کے داعی ہوتے ہیں۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ سلطنت کو روز بد میں مبتلا دیکھیں۔ یہ اتنے ناقابل اعتماد ہیں کہ اگر سلطنت پر برا وقت آن کے پڑ جائے تو یہی، سب سے پہلے اس پر حملہ آور ہوں گے۔ اور حتی المقدور فساد و شر برپا کرتے رہیں گے۔ یہ منافق ظاہر میں تو اسلام کا دم بھریں گے لیکن دل ان کے وہی رہین بتاں آذری ہیں۔ دو عملی سیاست برتنے والوں سے خدا بھی بیزار ہوگا۔ اسلام اور دولت سلجوقیہ کے اعداء راسخ ہیں اس طبقہ سے بڑھ کر قابل نفرت کوئی طبقہ نہیں دراصل وہ لوگ بھی جن کے پیچھے کوئی قوت نہیں ہے۔ اور وہ وفاداری کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اسی گروہِ خوارج میں شامل ہیں۔ اور انھیں بے محابا دعوتِ بغاوت دیتے ہیں۔ دوسری طرف یہ لوگ خداوند عالم کو اس بات پر ابھارتے ہیں

کہ آل عباس کو ختم کر دیا جائے۔ اور میں اگر چاہوں تو حقائق کی پردہ کشائی کر سکتا ہوں۔ ایسا کرنے میں بڑی کیچڑ اچھلے گی اور بڑے بڑے اکابر رسوا ہوں گے۔

(مصیبت یہ ہے کہ) خداوند عالم کو اس منافق و بدخواہ) گروہ سے مالی فوائد پہنچ چکے ہیں میں سب جانتا ہوں یہ کن کن وسائل سے تشبث اختیار کر کے بادشاہ کو دولت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ میں انھیں بے نقاب کر سکتا ہوں۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایک طرف تو ان ستم گردں نے بادشاہ کو دولت کا پرستار بنا دیا ہے۔ دوسری جانب مجھ پر خود غرض ہونے کی تہمت لگاتے ہیں۔ ممکن ہے آج میری نصیحتیں قبول نہ کی جائیں لیکن میرے مرنے کے بعد اس گروہ کا مکر و فریب کھل جائے گا۔ اسی وقت شاید میری خیر سگالی کی بھی قیمت معلوم ہو سکے گی۔ لوگ اُس وقت اس بات کو محسوس کریں گے کہ میں اس گروہ کی دسیسہ کاریوں سے بالکل غافل نہیں رہا اور ہمیشہ میری یہ سعی رہی ہے کہ اس طبقہ کے حالات و کوائف سے خداوند عالم کو مطلع کرتا رہوں میں نے کبھی کسی واقعہ کو چھپائے نہیں رکھا۔ البتہ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ میری نصیحت کارگر ہی نہیں ہوئی تو میں نے خاموشی اختیار کی۔ مگر معاملہ اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اپنی اس کتاب سیر الملوک میں، اس گروہ سے متعلق ایک باب کا اختصاص کئے دے رہا ہوں۔ اس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ باطنیہ کون تھے۔ ان کا مذہب کیا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے کہاں ظہور کیا۔ کتنی بار علم بغاوت بلند کیا اور کتنی بار خداوند عالم نے ان کی سرکوبی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں میرے مرنے کے بعد بھی یہ کتاب دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔ باطنیہ فرقہ کے ذریعہ سے شام، یمن اور اندلس میں (موجودہ پرتگال و اسپین کے علاقے) بڑی بڑی خون ریزیاں ہوئی ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں ان تمام خون ریزیوں کی داستان لکھنے بیٹھ جاؤں۔ اس کے لئے تو پھر متجسسین کو تفصیلی طور پر تواریخ کی، خصوصاً تاریخ اصفہان کی ورق گردانی کرنی پڑے گی۔ البتہ میں ان لوگوں کی ان کرتوتوں کا مجملاً ضرور ذکر کر دوں گا جو ان سے سرزمین ایران میں سرزد ہوئی ہیں۔ اس کا یہ فائدہ ضرور مرتب ہو گا کہ خداوند عالم کی بصیرت پر اس فرقہ کی تاریخ کا خلاصہ منکشف ہو جائے گا۔

(۴۵)
پینتالیسواں باب
ظہور سنباد آتش پرست اور فرقہ خرمدینی،
اشارات

مزدک ایران میں معطلہ مذہب کا بانی ہے۔ فقہی اور دینی بصیرت اس شخص کی اس غضب کی تھی کہ اُس دور میں اسے "موبد موبدان" (قاضی القضاۃ) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ قباد بن فیروز کے عہد میں، جو مشہور ساسانی تاجدار نوشیرواں کے باپ کا نام ہے، مزدک نے یہ چاہا کہ آتش پرستوں کے اُس وقت کے مروجہ مذہب کے خرابہ پر ایک بالکل نئے مذہب کی داغ بیل ڈالے۔ دراصل ایک نئے دین کی تاسیس کا داعیہ اس ذہین اور عیار شخص کے اندر اس لئے پیدا ہوا کہ اس نے (مزدک نے) کہ علم نجوم میں بھی دستگاہ رکھتا تھا، گردش نجوم کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس عہد میں ایک ایسا اولوالعزم انسان مبعوث ہونے والا تھا جو مجوسیت یہودیت اور مسیحیت نام کے ادیان کو باطل کر دے گا اور پھر اپنے معجزات اور خوارقِ عادت (اور اپنی روحانی طاقت) کے وسیلہ سے ایک ایسا نیا دین قائم کرے گا جو قیامت تک باقی اور قائم رہے گا۔ مزدک کی تمنا تھی کہ یہ جس کی آمد آمد ہے خود وہی ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو۔ اس داعیہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مزدک نے ایک نئے دین کی تاسیس کے بارے میں غور و فکر شروع کر دی۔ مزدک نے جب حالات کا جائزہ لیا تو پایا کہ ـــــ بادشاہ وقت کی نگاہوں میں بھی وہ بے حد موقر اور محترم ہے اور عوام بھی اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ ایک بات اور بھی تھی، مزدک کو اس کا احساس تھا کہ اب تک اس نے کسی معجزہ یا عقلِ ظاہر کی میزان پر پوری نہ اُترنے والی کسی کرامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ گویا دعویٰ پیغمبری کے لئے اس کے پاس زمین کافی ہموار تھی)۔ اب مزدک نے اپنا کام شروع کر دیا اور وہ یوں ـــــــ مزدک کے کارندوں نے اسکے اشارے پر ایک مخصوص جگہ سے سرنگ کھودنی شروع کی اور سرنگ کو ٹھیک اس مقام تک جہاں آتش پرست مجوسیوں کا آتش کدہ تھا، اندر ہی اندر کھود کے لے گئے۔ یہاں ان لوگوں نے ایک باریک سا سوراخ کر لیا تاکہ سرنگ کے اندر کی آواز آتشکدہ

سے گذر کے باہر آسکے۔ یہ خاصا دشوار کام جب تکمیل کو پہنچ چکا تو دفعتہً موبد موبدان نے اعلان کر دیا کہ وہ ایک مبعوث پیغمبر ہے۔ یہ اعلان کرتے وقت مزدک نے کہا کہ اس کا مقصد دین زردشت کی تجدید ہے۔ کیونکہ زردشتیوں نے "زند اوستا" میں تحریف کر دی ہے اور اس کے اصل مطالب فراموش کر بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ یزداں کے احکام کی تکمیل زردشتی ہدایات کے مطابق نہیں کر رہے ہیں۔

مزدک نے قوم کے سامنے بنی اسرائیل کی مثال بھی پیش کی اور انھیں سمجھایا کہ زردشت کے بعد ایک دوسرے پیغمبر کے آنے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے یہاں ایک دوسرا پیغمبر آیا تھا جس نے بنی اسرائیل کو از سرِ نو ہدایت کی اور توریت مقدس کے احکام کی تقدیس اور تنزیہ کی۔

شدہ شدہ یہ اعلانِ نبوت گوشِ شاہی تک پہنچا۔ بادشاہ (قباد) نے بزرگانِ عجم اور رہنمایانِ مذہب کو جمع کیا اور سب کے سامنے مزدک سے یوں گفتگو شروع کی:

قباد — مزدک کیا تو اس بات کا مدعی ہے کہ تو پیغمبر مبعوث ہوا ہے۔

مزدک — ہاں یہ صحیح ہے کہ میں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ میں دراصل زردشت کے دین کو ہر قسم کی تحریف سے پاک کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میں دینِ زردشتی کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور "زند اوستا" کی صحیح تفسیر میرا مقصد ہے کیونکہ آج اس کے مطالب مطلقاً غلط انداز میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

قباد — بحیثیت پیغمبر تیرے پاس کیا معجزہ ہے

مزدک — میرا معجزہ یہ ہے کہ تم لوگوں کی معبود آگ مجھ سے کلام کرتی ہے اگر میں خدا سے عرض کر دوں تو وہ آگ کو اس بات کا حکم دے سکتا ہے کہ وہ میری پیغمبری پر گواہی دے۔ اور آگ کی یہ گواہی سب کے روبرو ہوگی۔ یعنی سب اس گواہی کو سنیں گے بھی!

مزدک کے اس غیر معمولی دعویٰ کو سُنکر بادشاہ نے دوسرے موبدوں (مفتیانِ شرعِ زردشتی) سے استفسار کیا۔ موبدوں نے جواب دیا!

اس میں شک نہیں کہ مزدک کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہا جس کی بنیاد دینِ زردشتی پر نہ ہو۔ وہ ہمارے ہی دین کی دعوت دے رہا ہے۔ زردشت کا وہ مخالف بھی نہیں۔ البتہ اوستا کی تاویل اور تفسیر میں ہمارا اور اس کا مسلک ایک نہیں ہے۔ مگر آیات کی بعض مختلف طرح تفسیریں کیجا سکتی ہیں اور مفسرؔ کو تاویل کا اختیار تو ہوتا

ہی ہے۔ ممکن ہے مزدک کی تاویلات زیادہ دل نشیں ثابت ہوں۔ ہاں حیرت انگیز بات یہ ضرور ہے کہ مزدک ہمارے معبود (آگ) سے ہمکلام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس بات کا بھی مدعی ہے کہ خود آگ کو نطق ریز کردے!

قباد نے موبدوں کی تقریر سننے کے بعد مزدک کو یقین دلایا کہ اگر وہ آگ کو گویا کردے گا تو خود وہ (قباد) اس کی پیغمبری پر ایمان لے آئے گا۔

مزدک نے بادشاہ کی یہ شرط منظور کرلی۔ اس نے کہا کہ "اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو بغیر ایک لمحہ ضائع کئے ہوئے شاہنشاہ مع اعیانِ دربار اور علمائے دین کے، آتشکدہ تک چلے اور مزدک کی دعا سے خدائے لم یزل آگ کو نطق عنایت فرمادے گا۔"

قباد نے وعدہ کیا کہ دوسرے دن آتشکدہ پر سب جمع ہوجائیں گے جہاں مزدک اپنا معجزہ دکھا سکتا ہے۔ مزدک نے دوسرے دن یہ کیا کہ اپنے ایک تربیت یافتہ تلمیذ کو سرنگ کے راستے سے آتش کدہ کی زمین کے عین نیچے بھیج دیا۔ استاد نے شاگرد کو سمجھا دیا کہ جب وہ بآوازِ بلند یزداں کو پکارے تو اسے چاہئے کہ وہ جواباً روزن سے پکارے کہ "اے یزداں پرستو! یزداں کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمہاری سعادت اسی میں مضمر ہے"۔
تھوڑی دیر میں موکب شاہی بھی موقع پر پہنچ گیا۔ شاہنشاہ قباد تھا۔ ارکین مذہب تھے اور معززین دربار کا گروہ تھا۔ مزدک جب آیا تو اس نے اسکیم کے مطابق آتشکدہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر بآوازِ بلند یزداں کو آواز دی۔ زرتشت پر درود بھیجا اور ساکت کھڑا ہو گیا۔ چند لمحہ بعد آتشکدہ سے یہ ندا بلند ہوئی:

"اے یزداں پرستو! یزداں کے احکام کی تعمیل کرو کہ تمہاری سعادت اسی میں مضمر ہے"

اس ندا کو کہ ندائے آتش تھی سب نے سنا اور جس نے سنا ششدر اور مرعوب ہوگیا۔ قباد نے اب ارادہ کرلیا کہ مزدک کا پیرو بن جائے۔ آتشکدہ سے لوٹ کر شاہنشاہ نے مزدک کو طلب کیا۔ اور بتدریج اس کے مرتبہ اور مقام میں اضافہ کرنا شروع کردیا۔ اور آخر کار مزدک کے مذہب کا پیرو بن گیا۔ اب دربار عام کے موقع پر بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور مزدک ایک مرصّع زرکار کرسی پر جو خاص اس کے لئے بنوائی گئی تھی جلوس فرما ہوتا تھا۔ ظاہر ہے مزدک قباد سے زیادہ اونچی جگہ پر بیٹھتا تھا۔ پھر کیا تھا۔ النّاس علیٰ دینِ ملوکھم کے بموجب بے شمار لوگ مزدک کے مذہب میں داخل ہوگئے۔ بعض لوگ البتہ دل سے بھی اس مذہب کے قائل ہوئے ہوں گے۔ شہر اور دیہات سے لوگ آآکے علانیہ یہ مذہب قبول کرنے لگے۔ فوج نے ابھی تک اس دامِ تزویر میں نہیں مبتلا ہوئی تھی۔ یہ (شاید) شاہی اقتدار کے رعب کا سبب تھا۔ ادھر

مذہبی گروہ بھی کچھ الگ الگ سا تھا۔ وہ اس کے منتظر تھے کہ "زند اوستا" سے آخر کار کیا ظاہر ہو کے رہتا ہے، شاہنشاہ تو اس دین میں داخل ہو ہی چکا تھا۔ رعیت بھی جوق در جوق دینِ مزدک میں داخل ہونے لگی۔ (چونکہ اس دین کی رو سے انفرادی ملکیت کا تصور ختم کر دیا گیا تھا اور مال و دولت کو مشترک بین الناس قرار دیا گیا تھا) اس لئے لوگ بے دھڑک ایک دوسرے کے مال و دولت پر قابض ہونے لگے۔ مزدک نے کہا تھا "دولت میں سب کا حصہ ہے" اور دلیل یہ دی تھی کہ سب لوگ اللہ کے بندے ہیں۔ اور ایک ہی نسل (آدم) سے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کوئی محتاج رہنے پائے۔ مزدک نے کہا تھا کہ سب لوگوں کو مل کے کام کرنا چاہئیے اور یہ کہ سب کی حالت یکساں رہے۔

جب قباد نے مزدکیت کا پہلا بنیادی اصول جو عبارت تھا تقسیم دولت سے، قبول کر لیا اور اس پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ ہو گیا تو مزدک نے آزادانہ اختلاط زن و مرد اور جلب لذتِ جنسی کی بھی صلائے عام دے دی۔ اور گویا بابِ مراد سب پر کھول دیا۔ عوام الناس عورت اور دولت کے لالچ میں اس دین، حرص و آز میں بے دھڑک داخل ہوتے جا رہے تھے۔ نوشیرواں کو یہ بات بہت ناگوار ہو رہی تھی۔ اس لئے موبدوں کو للکارا: "آخر تم اس لغویت کو کیوں برداشت کر رہے ہو۔ تمہارا یہ عجز آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ مزدک کے پیش کردہ اقوال و مسائل پر تم لوگ کیوں نہیں جرح و بحث کرتے۔ پھر تم لوگ میرے پدرِ تاجدار کو بھی راہ راست پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ خود اس عیار اور شاطر کے دام میں گرفتار ہو چکے ہو۔ عالم یہ ہے کہ یہ سگِ دنیا (مراد مزدک) لوگوں کی دولت اور ناموس سب کو تباہ کئے دے رہا ہے۔ اے موبدو! تم کچھ کیوں نہیں کہتے۔ تمہارے خیال میں مزدک کے ان دعووں کی کیا حقیقت ہے۔ یاد رکھو تمہاری اس خاموشی اور سکوت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں اپنی دولت اور اپنی عورتوں کی عفت، سب سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اور ہم لوگ (آل ساسان) تخت سلطنت سے الگ محروم ہو جائیں گے۔ تم لوگوں کا فرض ہے کہ شاہنشاہ کے حضور، حاضر ہو کے اصل حقائق بیان کرو۔ مزدک سے مناظرہ کرو اور دیکھو کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے"

دوسری طرف نوشیرواں نے ایران کے بڑے بڑے مقتدر اشخاص کو جو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے کہلا بھیجا کہ اس کے نزدیک شاہنشاہ کی عقل میں فتور واقع ہو گیا ہے اور ان لوگوں کو چاہئیے کہ مجنون اور ناقص العقل شاہنشاہ کا علاج کریں۔ نہ یہ کہ اس کے کہے پر فریفتہ ہو جائیں

نوشیرواں نے ملک کے اہل الرّائے کو یقین دلایا کہ چونکہ مزدک سچائی پر نہیں ہے اس لئے آخر کار اسے سرنگوں ہونا پڑے گا اور یہ کہ بہر حال غفلت کا انجام بُرا ہوگا۔

نوشیرواں کے اس بیان سے اعیان قوم کچھ ڈر سے گئے اور وہ جو تقریباً طے کر چکے تھے کہ نئے دین کو قبول کر لیں گے وہ رُک گئے۔ ان لوگوں نے سوچا ـــــ ذرا دیکھیں تو سہی اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ مزدک کا کیا انجام ہوتا ہے اور نوشیرواں کی بات کہاں پہنچتی ہے۔ اس وقت نوشیرواں کا سن ہی کیا تھا۔ اٹھارہ سال کا ایک نوخیز لڑکا۔ لیکن اس کم سنی کے باوجود اس نوجوان جری نے قباد سے آکے کہہ دیا کہ اسے مزدک کی باتیں، ذرا پسند نہیں۔ نوشیرواں نے کہا یہ جو کچھ مزدک کہتا ہے اس کا ذکر نہ تو پُرانی تاریخوں میں ہے اور نہ شام کی سرزمین میں مختلف زمانوں میں آنے والے پیغمبروں میں ہم نے کسی سے اس قسم کی بات سنی ہے۔ قباد نے نوشیرواں کو مشورہ دیا کہ وہ مزدک سے براہ راست گفتگو اور استفسار کرے۔ اب مزدک طلب ہوا اور اس سے دلائل کا مطالبہ کیا گیا۔ ایسے دلائل کا جو اس کے دعوی کے لئے حجت اور برہان قاطع بن سکیں۔

مزدک بولا میں جس امر کی تبلیغ کر رہا ہوں عین مطابق قول زردشت ہے۔ یہی کچھ "زنداوستا" میں بھی مرقوم اور مسطور ہے۔ دراصل لوگ آیاتِ اوستا کے معنی سے واقف نہیں۔ بہر صورت اگر میری بات پر یقین نہ ہو تو آگ سے پوچھا جا سکتا ہے آگ میرے قول کی تصدیق کر دے گی۔ آتشکدہ پر پھر مجمع ہوا۔ آگ نے مزدک کی بات کی تصدیق کی۔ موبد شرمسار اور خجل ہو کے لوٹ آئے۔ اور معاملات نوشیرواں کے گوش گزار کئے۔ نوشیرواں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ تاہم اس نے یہ کہا کہ مزدک کے نظریاتِ زن و زر اس کے لئے ناقابلِ قبول ہیں۔ بقیہ امور میں یقیناً وہ زردشت کا پیرو ہے۔

ایک عرصہ کے بعد مزدک اور قباد پھر ملے۔ اب کے بات یوں شروع ہوئی کہ مزدک نے کہا کہ اگرچہ لوگ اس مذہب میں برضا و رغبت داخل ہوتے جا رہے ہیں تاہم شاہزادہ نوشیرواں ابھی تک اس مذہب میں نہیں داخل ہوا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ بھی اس مذہب کو قبول کر لیتا۔ قباد کو تعجب ہوا۔ اس نے سوال کیا۔ "کیا نوشیرواں نے ابھی تک اس مذہب کو نہیں قبول کیا ؟ مزدک کے نفی میں جواب دینے پر نوشیرواں فوراً طلب ہوا۔ اب بادشاہ اور شاہزادہ میں یہ مکالمہ ہوا :

قباد ـــــ بیٹے کیا تم نے مزدک کا دین نہیں قبول کیا ؟

نوشیرواں۔ نہیں۔ خدا کا شکر ہے میں نے اس مذہب کو نہیں تسلیم کیا۔

قباد ــــ اس کا سبب کیا ہے؟

نوشیرواں۔ مزدک عیار اور مکّار شخص ہے۔ میں کیسے اس کا مذہب قبول کر سکتا ہوں

قباد ــــ مزدک عیّار کیسے ہو سکتا ہے وہ تو آگ کو نطق میں لا سکتا ہے۔

نوشیرواں۔ عناصر چار عدد ہیں۔ خاک۔ آب۔ باد۔ آتش۔ اب اگر مزدک آگ کو گویا کر سکتا ہے تو اُسے حکم دیجئے کہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر وہ ایسا کر سکا تو میں یقیناً اس کا پیرو اور متبع بن جاؤں گا۔

قباد ــــ مزدک کا ہر قول "زند اوستا" کے مطابق ہے

نوشیرواں۔ مزدک نے عورت اور مال کو مشترک قرار دے دیا ہے اور زردشت کے عہد سے آج تک کسی نے اوستا سے یہ نظریہ نہیں پیش کیا۔ اب تک کسی نے یہ بات نہیں کی۔ اور اگر زن اور زر کو قومی اور مشترک میراث قرار دے دیا گیا تو انسان دفعتہً حیوانوں اور چوپایوں کی سطح پر اُتر آئے گا۔ آخر حیوانوں اور انسانوں میں بنیادی فرق خورد و نوش کا تو نہیں ہے۔ یہ فرق دراصل اس بات کا ہے کہ انسان زن کے بارے میں باضابطہ تصورات رکھتا ہے اور ایک نظام اخلاق کا تابع ہے۔

قباد ــــ ان باتوں سے قطع نظر جانِ پدر یہ تو بتاؤ کہ بیٹے کو باپ کے خلاف ہونے کا حق بھی کب پہنچتا ہے؟

نوشیرواں۔ میں تو ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا البتہ آپ ہی سے میں نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اصول کی خاطر باپ کی مخالفت بھی روا رکھی جائے۔

مکالمہ اس منزل تک پہنچا تھا کہ مزدک اور قباد کے پیمانہ ہائے صبر لبریز ہو گئے۔ اب ان دونوں نے نوشیرواں سے مطالبہ کیا کہ یا تو وہ خود مذہب مزدکیہ کا رد پیش کرے یا کسی ایسے شخص کو بلا لائے جس کی حجت رحجتِ مزدک کو زیر کر سکے، ورنہ نوشیرواں کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

نوشیرواں نے اتمامِ حجت کی خاطر چالیس دن کی مہلت طلب کی۔ اس کی درخواست منظور کر لی گئی نوشیرواں نے کول نامی مقام کے جو اس زمانہ میں فارس کا قصبہ تھا، ایک بڑے جیّد آتش پرست عالم کو جلد از جلد پائے تخت پہنچنے کی دعوت دی۔ مناظرہ کی نوعیت اور مکالمہ میں قباد و نوشیرواں کی ساری تفصیلات بھی

اس شخص کو لکھ کر بھیجدی گئیں۔ چالیس دن کی مدت ختم ہوگئی تو پھر دربار عام منعقد ہوا جس میں مزدک حسب معمول ایک تخت پر رکھی ہوئی کرسی پر، جلوس فرما ہوا۔ نوشیرواں بھی بلایا گیا۔ قباد نے مزدک کے حکم سے اس سے پوچھا کہ اس کے پاس اپنے دلائلِ اثبات میں کیا ہے؟ نوشیرواں نے جواب دیا کہ وہ ہنوز مشغول تدبیر ہے۔ اس پر قباد نے کہا کہ مقررہ میعاد گذر چکی (اور حجت اور اعجاز بیان کا وقت جا چکا) چنانچہ قباد نے حکم دے دیا کہ نوشیرواں کو گرفتار کر کے اسے قتل کر دیا جائے۔ شاہی حکم پر لوگ نوشیرواں پر پل پڑے لیکن اس نے قباد کو للکار کے کہا کہ آخر ابھی جب کہ میعادی مدت پوری نہیں ہو پائی۔ اور چالیسواں دن ابھی تک نہیں گذرا۔ میرے قتل میں اتنی عجلت کیوں برتی جا رہی ہے۔ چالیسواں دن بھی گذر جانے دیجئے (اور اگر میں اس کے گذرتے دلائل نہ پیش کر سکوں) تو بیشک آپ کو اختیار ہے۔ یعنی پھر بیشک آپ میرے قتل کا حکم صادر کر سکتے ہیں۔

سرداران فوج اور علمائے آتش پرست نے بانگ دہل اس کی تائید کی یوں نوشیرواں، قباد کے چنگل سے صاف چھوٹ گیا۔ (عجیب اتفاق) کہ ادھر نوشیرواں اپنی مجلس میں پہنچتا ہے اور ادھر موبد کول دکول نام کے شہر کا عالم) بھی آ پہنچتا ہے۔ وہ ناقہ سے اُتر کر اطلاع بھجواتا ہے جس پر نوشیرواں فوراً برآمد ہو جاتا ہے نوشیرواں موبد سے بغل گیر ہو کے عرض کرتا ہے "آپ یوں سمجھئے کہ میں نے از سر نو جنم لیا ہے" پھر صبح کی روئداد بیان کی۔ موبد نے کہا "مطمئن رہو تم سچ کہتے ہو۔ اور مزدک ہی خطا پر ہے۔ میں آج تمہاری جانب سے مدلل جوابات پیش کر کے قباد کو مذہب مزدکیہ کے منحرف کر دوں گا۔ لیکن قبل اس کے کہ مزدک میری آمد سے مطلع ہو میں بادشاہ سے تخلیہ چاہتا ہوں۔ قباد نے حاضری کی اجازت دے دی اور شب کو نوشیرواں موبد کو لے کے حاضر آستانہ شاہنشاہی ہوا۔ موبد نے ضروری تعارفات کے بعد اپنا بیان یوں شروع کیا:

مزدک غلطی پر ہے۔ اس میں بھلا پیغمبرانہ صلاحیت کہاں! میں مزدک سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے اس کے علم و آگہی سے بھی واقفیت ہے۔ میں مزدک کے علم نجوم پہ تبحر کا قائل ہوں مگر اس نے احکامات نجوم معلوم کرنے میں غلطی کی ہے۔ البتہ وہ زمانہ جب ایک (عظیم) انسان ظاہر ہو گا اور پیغمبری کا دعویٰ کرے گا اور ایک معجزہ آسا کتاب پیش کرے گا اور ماہتاب کو اپنے معجزہ سے شق کر دے گا۔ مقابلتہً قریب آچکا ہے اور یہ جس پیغمبر کی آمد آمد ہے وہ تمام عالم کو ایک سچے مذہب کی جانب بلائے گا۔ اس کا مذہب پاکیزہ ہو گا۔ وہ آتش پرستی کو مٹا دے گا۔ عذاب دوزخ سے ڈرائے گا اور جنت کی بشارت دے گا۔

اس نئے پیغمبر کی شریعت لوگوں کے ناموس اور اُن کے مال کی محافظ ہوگی۔ اس کے زورِ عمل سے آتشکدے اور بتکدے سب ویران ہوجائیں گے۔ اس کا مذہب آفاق میں پھیل جائے گا۔ زمین اور آسمان اس کی تصدیق کریں گے۔ مزدک یہ چاہتا ہے کہ وہ خود ہی وہ پیغمبر بن جائے۔ مگر مزدک یہ کیوں بھولتا ہے کہ یہ آنے والا پیغمبر مزدک کی طرح عجمی الاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ مزدک کے برخلاف آتش پرستی سے روکے گا اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مزدک ہے کہ زردشت کا مقلد اور آتش پرستی کا مبلغ ہے۔ (جس پیغمبر کی آمد کا احکامات نجوم اعلان کر رہے ہیں) وہ کبھی اس بات کی اجازت نہ دے گا کہ لوگ دوسروں کی عورتوں پر نظر کریں یا لوگوں کا مال اینٹھ لیں۔ اسی طرح وہ چوروں کو قطع ید کی سزا دے گا۔ مزدکیہ مذہب میں زن اور زر سب کے لئے مباح ہیں۔ (ایک اور بات ہے) آنے والے اس پیغمبر کی رسالت وحی آسمانی کے ذریعہ برقرار ہوگی۔ یہاں مزدک اپنی تصدیق آگ سے کرواتا ہے۔ بہرصورت زین مزدک بے اساس اور بے بنیاد دین ہے۔ شاہنشاہ خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ کل (مناظرہ میں) میں مزدک کو کیسا رسوا کرتا ہوں۔ دراصل مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت آپ کے خاندان سے نکل جائے اور وہ آپ کو ایک معمولی آدمی قرار دے خود شاہی خزانہ کو اپنے تصرف میں لے آئے اور یوں بادشاہ بن جائے۔

قباد نے موبد کا یہ بیان پسند کیا۔ دوسرے دن پھر دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا۔ نوشیرواں تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علمائے قوم بھی آئے۔ اب فارس کے موبد اور مزدک میں یہ مکالمہ شروع ہوا:

موبد: کلام کی ابتدا میں کروں یا تم کروگے۔

مزدک: نہیں بحث کا آغاز تم کرو۔ میں تمہارے سوالات کے جوابات دوں گا۔

موبد: (بس) تم میری جگہ آجاؤ اور میں تمہاری جگہ آجاؤں!

مزدک: (یہ سُنکر چپ رہتا ہے اور پھر کہتا ہے) میں یہاں شاہی حکم سے بیٹھا ہوں۔ تم اپنے سوالات شروع کرو میں جواب دوں گا۔

اب فریقین میں یوں مناظرہ کا آغاز ہو:

موبد: تم نے دولت کو تو سب کے لئے مباح قرار دیا ہے۔ سب پر اس کو حقوق حاصل ہیں۔ اچھا تو یہ جو لوگ خیراتی اور رفاہی کام کرتے ہیں۔ مثلاً سرائے، پل اور آتشکدے بناتے ہیں۔

آیا یہ عقبیٰ کے لئے نہیں کرتے!

مزدک: میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔

موبد: اگر دولت سب میں مشترک قرار پاگئی تو صرفِ دولت کے ذریعہ جو خیر خیرات ہو گی اس کا ثواب کسے ملے گا؟

مزدک: ——— خاموشی اختیار کرتا ہے

موبد: یہ بادشاہ جو اس وقت تخت پر بیٹھا ہے درحقیقت بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے۔ جس نے سلطنت وراثتہً پائی ہے۔ اسی طرح فیروز نے بھی اپنے باپ سے سلطنت ورثہ میں پائی تھی۔ اب اگر بادشاہ کی ملکہ سے، مزدکی مذہب کی رو سے، دس آدمی شادکام ہوں تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر اولاد ہو جائے گی تو وہ کس سے متعلق سمجھی جائے گی پھر اگر بادشاہ کی نسل مشتبہ اور منقطع ہو جائے گی تو گویا شاہی تخت اور شاہی تاج وارث سے محروم ہو جائے گا۔ بڑائی اور چھوٹائی کا میعار دولت مندی اور مفلسی ہے۔ محتاجوں کو مالداروں کی ضرورت خواہ مخواہ ہو گی اور وہ ان کی مزدوری پر مجبور ہوں گے۔ لیکن جب مال پر سب ہی کا حق ہو جائے گا تو پورا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ امیر اور مامور، خادم و مخدوم کا کوئی رشتہ ہی نہ رہے گا۔ تم چاہتے ہو کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے حکومت ہی نکل جائے۔

مزدک: ——— خاموشی اختیار کرتا ہے

یہاں قباد مداخلت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مزدک کو ہر سوال کا جواب دینا چاہیئے۔

مزدک: موبد کی باتوں کا یہی جواب ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے

قباد اس کے جواب میں کہتا ہے کہ کسی کو بغیر کسی حجت قانونی کے قتل نہیں کیا جا سکتا۔

مزدک: بہرحال میں خود تو کوئی حکم نہیں دوں گا۔ ہاں معبود (آگ) سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا کہتی ہے لوگ اس بات پر خوش تھے کہ کم از کم نوشیرواں کی جان تو بچ گئی۔ اور اس دن قضیہ ٹل گیا۔ مزدک اب وہ پہلا مزدک نہ تھا اب وہ قباد سے رنجیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ اس رنجش کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ قباد نے اس کے کہنے سے موبد کو قتل نہیں کرایا تھا۔ مزدک نے سوچا کہ کیوں نہ وہ قباد کا خاتمہ ہی کر دے۔ آخر

اس کے ماننے والے بکثرت موجود ہی ہیں۔ نوشیرواں کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیا گیا کہ دوسرے دن آتشکدے پہ سب اکٹھے ہوں۔ چنانچہ دربار برخاست ہوا۔

رات گئے مزدک نے اپنے خاص راہبوں اور عابدوں کو طلب کیا۔ انہیں انعام واکرام سے نوازا اور آئندہ سپہ سالاری کی اُمید دلائی۔ ساتھ ہی ان سے ہر بات کو راز میں رکھنے کی قسم لے لی۔ اب مزدک نے اپنے دو خاص الخاص آدمیوں کو دو تلواریں سپرد کیں اور اُن سے کہا جب قباد مع موبد اور دیگر سرداران فوج کے ساتھ آتشکدہ پر آئے اور آگ قباد کے قتل کا حکم دے تو تم بغیر کسی خوف کے قباد کا سر تن سے جُدا کر دینا۔ مطمئن رہو آتشکدہ میں مسلح ہو کر کوئی نہ جائے گا۔

مزدکی آدمیوں نے اقرار کیا کہ وہ حکم کے بموجب عمل کریں گے اور اس کے بعد وہ رخصت ہو گئے دوسرے دن آتشکدہ پر اجتماع ہوا۔ لیکن اس اجتماع سے پہلے نوشیرواں کو موبد فارس نے بلا کے یوں سمجھایا:

"اپنے ساتھ کم از کم اپنے دس ملازمین خاص کو مسلح کر کے لیتے چلنا اور اپنے آدمیوں کو حکم دے دینا کہ وہ تلواریں اپنے لباس میں چھپا کے رکھ لیں"

مزدک کا دستور تھا کہ آتشکدہ پر جانے سے پہلے اسے جو الفاظ گویا آگ سے کہلوانے ہوتے تھے وہ اپنے غلاموں کو سکھلا دیتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ آتشکدہ پر پہنچنے کے بعد مزدک نے موبد سے کہا کہ وہ آگ سے کچھ پوچھے۔ موبد نے پوچھا مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب مزدک نے کہا "اے آتش میری سچائی پر گواہی دے۔ ہمارے درمیان فیصلہ کر" آتشکدہ سے آواز برآمد ہوئی۔ گویا آگ بول رہی ہے "مجھ میں کل سے نقاہت پیدا ہو چکی ہے۔ مجھے قباد کے دل و جگر درکار ہیں۔ اور ہاں اے لوگو مزدک تمہارا رہنما ہے۔ اس کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے اس دنیا میں راحت جاودانی اور عیشِ دوام فراہم کر دے"

یہ سُنکر مزدک نے کہا آگ کو قوت ملنی چاہیئے۔ پھر کیا تھا مزدک کے آدمی تلواریں سونت کے قباد پر ٹوٹ پڑے۔ موبد نے نوشیرواں سے کہا کہ وہ اپنے باپ کی حفاظت کرے۔ چنانچہ اب نوشیرواں کے آدمی بھی اپنی شمشیریں تول کے مزدکی آدمیوں کے مقابل آ گئے اور یوں قباد بچ گیا۔ مگر مزدک تھا کہ یہی کہتا جاتا تھا کہ آگ یزداں کے حکم سے گویا ہے۔ اس وقت کی اس صورتِ حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاضرین آتشکدہ کی آراء بٹ گئیں۔ بعض چاہتے تھے قباد کو زندہ یا مردہ آتش میں جھونک دیں اور بعض کہہ

رہتے تھے کہ ابھی تامل کرنا چاہیئے ۔ آخر کار سب آتشکدہ سے لوٹ آئے ۔ قباد نے سوچا ضرور اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے کہ آگ اسے اپنا ایندھن بنانا چاہتی ہے ۔ ایسی صورت میں جل جانا عقبیٰ کے عذاب میں جلنے سے بہر صورت بہتر ہے ۔ اب (کہ یہ سنسنی خیز واقعہ ہو چکا تھا) موبد نے بادشاہ سے پھر تخلیہ چاہا ۔ اس ملاقات میں موبد نے بادشاہوں اور موبدوں کا ذکر کر کے ثابت کیا کہ مزدک پیغمبر نہیں ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے اور دلیل یہ دی کہ مزدک نے پہلے نوشیرواں کو مروانا چاہا جب اس میں کامیاب نہ ہوا تو شاہنشاہ کی جان لینی چاہی موبد نے یہ بھی کہا کہ اگر اس نے پیش بینی سے کام نہ لیا ہوتا یعنی (چند مسلح آدمیوں کا بندوبست نہ کر لیا ہوتا) تو شاہنشاہ کی مرگ آتشیں یقینی تھی ۔ یہ بالکل لغو بات ہے کہ آگ سے آواز آتی ہے ۔ دراصل اس بات کی پردہ کشائی ایک طلسم کے ذریعہ ہو سکتی ہے ۔ آخر میں موبد نے قباد کو یقین دلایا کہ آگ کسی سے بات نہیں اور نہیں کر سکتی ۔ قباد موبد کی باتیں سنکر کافی خجل اور شرمسار ہوا ۔ موبد نے قباد سے ایک بات اور کہی اور وہ یہ تھی کہ قباد، نوشیرواں کو کم سن اور نوخیز لڑکا نہ سمجھے ۔ دراصل نوشیرواں تمام دنیا پر حکومت کر سکتا ہے ۔ اور اس کی رائے قابل تقلید ہے ۔ آل ساسان کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ مزدک کی باتوں کو تسلیم نہ کیا جائے ۔ اب موبد نے نوشیرواں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی صورت سے مزدک کے مشیر و ملازم خاص کو بلا لے اور اس سے کسی ترکیب سے آگ کی گویائی کا راز حاصل کر لے ۔ تاکہ قباد کے دل سے تمام شکوک نکل جائیں ۔ نوشیرواں کو بڑی کوششوں کے بعد ایک ایسا آدمی مل گیا جس نے مزدک کے مشیر و ملازم خاص سے دوستی کر کے اسے نوشیرواں تک پہونچا دیا ۔ نوشیرواں نے اس شخص کو (مزدک کے مشیر خصوصی کو) تنہائی میں بلایا اور اس کے سامنے ہزار دینار (جو اس قدیم عہد میں بہت بڑی رقم خطیر کے مساوی تھے) رکھکر اس سے کہا کہ وہ (نوشیرواں) اسے اب اپنا بھائی اور دوست سمجھے گا ۔ اور تا بہ امکان اس کی بھلائی کی کوشش کرے گا ۔ نوشیرواں نے اس شخص سے کہا کہ اگر وہ اسے ایک بات بتلا دے گا تو اسے ہزار دینار انعام مل جائیں گے اور اسے شاہی مصاحب بنا لیا جائے گا ۔ البتہ اگر اسے صحیح بات نہ بتائی گئی تو شخص مذکور کی گردن مار دی جائے گی ۔ مزدک کا مشیر ڈر گیا ۔ اس نے کہا " اگر میں بات سچ سچ بتا دوں تو کیا نوشیرواں اپنا وعدہ پورا کرے گا " ۔ نوشیرواں نے اثبات میں جواب دیا ۔ اب شاہزادہ نے آگ کے گویا ہونے کے تماشہ کے بارے میں سوال کیا ۔ مشیر نے پہلے تو نوشیرواں سے عہد لیا کہ وہ اس راز کو طشت از بام نہ کرے گا پھر کہا " آتشکدہ کے قریب زمین کا ایک قطعہ ہے جس کے چاروں سمت دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں ۔ البتہ آتشکدہ کے رخ پر ایک

چھوٹا سا سوراخ کر لیا گیا ہے۔ مزدک ہر دفعہ کسی نہ کسی آدمی کو سکھا پڑھا کے یہاں بھیجتا ہے اور اسے کچھ خاص الفاظ سکھا دیتا ہے اس شخص کو ہدایت ہوتی ہے کہ وہ سوراخ پر منہ رکھ کے الفاظ تعلیم شدہ ادا کرے۔ چنانچہ باہر سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آگ بول رہی ہے!

نوشیروان کو یہ حال اور راز معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی۔ چنانچہ مزدک کے مشیر کو موعودہ انعام دیا اور راتوں رات قباد کے روبرو سارا حال کہہ سنایا۔ قباد مزدک کی دلیری اور مکاری اور جسارت پر متحیر ہو کر رہ گیا۔ اب اس کے دل سے سارے شکوک زائل ہو چکے تھے قباد نے موبد کی بے حد تعریف کی۔ موبد بولا:

"میں نہ عرض کرتا تھا کہ مزدک بے حد عیار شخص ہے۔"

قباد نے کہا: ہاں اب مجھے مزدک کی عیاری کا حال معلوم ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس کے قتل کی سبیل کیا ہے۔ موبد نے کہا۔ اس کا طریقہ یہ ہے ایک بار پھر دربار عام منعقد ہو اور میں پھر مزدک سے مناظرہ کروں۔ اس دفعہ میں قصداً اپنی شکست تسلیم کر لوں گا اور اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہوا فارس کو لوٹ جاؤں گا۔ اس کے بعد — یعنی میرے منظر عام پر سے ہٹ جانے کے بعد۔ لازمی اور ضروری کارروائی کو نوشیروان انجام دے گا۔ اس کارروائی کے بعد مزدک ختم ہو جائے گا۔ (یوں تدریجی طور پر کارروائی سے) مزدک کو یہ احساس کبھی نہ ہوگا کہ شاہنشاہ کو مزدکی دین کے قبول پر ندامت ہے۔ اس کے چند ہی دن بعد پھر دربار عام منعقد ہوا۔ دربار میں ایک سمت علمائے زردشتی بیٹھے۔ دوسری طرف مزدک۔ لیکن مزدک اپنی اسی زرکار اور مرصع کرسی پر جلوس فرما ہوا۔ پہلے علماء نے اپنی اپنی تقریریں شروع کیں۔ موبد فارسی نے کہا "آگ کا گویا ہونا واقعی حیرت انگیز بات ہے" مزدک نے کہا "خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں"، آخر خدا وہی تو ہے جس نے عصائے موسوی کو اژدہا بنا دیا تھا۔ اور ان کی ضرب کلیمی سے، اسی کی بدولت، سنگ راہ سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ خدا ہی تو ہے جس نے دعائے موسوی کو قبول کرتے ہوئے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا اور زمین کو حکم دیا تھا کہ قارون کو دھنسا لے۔ خدا وہی تو ہے جس کے حکم سے مسیح علیہ السلام بے جانوں میں روح پھونک دیتے تھے۔ اسی خدا نے مجھے بھی بھیجا ہے کہ میں آگ پر حکم چلاؤں۔ میری بات مانو ورنہ یاد رکھو عذاب الٰہی تم کو تباہ کر دے گا۔

مزدک کی یہ "پیغمبرانہ" تقریر سن کے موبد کھڑا ہو گیا اور بولا: "جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہو اور آگ اس کی مطیع ہو چکی ہو میں اس کے سامنے اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہوں۔ صاحبو! مجھے آئندہ سے مزدک کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوگی۔ میں تو رخصت ہوتا ہوں۔ اب آپ لوگ جانیں اور آپ کا کام!

فارس سے آیا ہوا موبد جا چکا تھا۔ دربار برخاست ہو چکا تھا۔ اب مزدک فاتحانہ اور ظفرمندانہ اٹھا لیے حد مسرور۔ بے حد خوش۔ اور جوشِ نشاط میں ایک ہفتہ کے لیے آتشکدہ کی عمارت میں معتکف ہو گیا اسی دن شب میں قباد نے نوشیرواں کو طلب کیا۔ اور اس سے کہا "موبد نے جاتے وقت مجھے تمہارے سُپرد کر دیا ہے۔ مزدکی فتنہ کو ختم کرنے کے لیے تمہاری عقل و فراست کافی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا کیا جائے"۔

نوشیرواں نے کہا "شاہنشاہ اگر اس کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ فرمائیں۔ میں اس کام کو اس سلیقہ سے انجام دوں گا کہ مزدکی دین بیخ و بن سے غارت ہو جائے گا اور اس دین کے ماننے والے دنیا میں نیست و نابود ہو جائیں گے" قباد نے جب اقرار کر لیا تو نوشیرواں یوں گویا ہوا :

موبد فارس کے جانے کے بعد سے مزدکی گروہ بے حد خوش اور مطمئن نظر آرہا ہے۔ مجھے اب انھیں لوگوں کی فکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مزدک کو تو بآسانی قتل کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے اصل فکر مزدک کی جماعت کی ہے جو یہ چاہتی ہے کہ تمام دنیا میں پھیل کر اپنے دین کی اشاعت کریں اور پھر اپنا کوئی مستقر بنا کے وہاں سے آلِ ساسان اور ان کی سلطنت کے مقابلہ کو اٹھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ بیک وقت قتل ہو جائیں قباد نے بے صبری سے پوچھا کہ اس کی تدبیر کیا ہے۔ نوشیرواں نے جواب دیا :

اب کے جب مزدک آتشکدہ میں اعتکاف کی مدت ختم کرنے کے بعد اُٹھے تو پہلے سے بھی زیادہ اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے۔ اور اس کو یہ پٹی پڑھائی جائے کہ موبد فارس کی شکست کے بعد سے اب نوشیرواں بھی پہلا سا نوشیرواں نہیں رہا۔ اب وہ بھی ڈھیلا پڑ چکا ہے اور اب اس کا ارادہ کچھ ایسا ہے کہ مزدکی مذہب میں داخل ہو جائے۔ وہ اپنے پُرانے طرزِ عمل پر سخت نادم اور پشیمان ہے

غرض یہ کہ اعتکاف کی ایک ہفتہ کی مدت ختم ہوئی۔ مزدک آتشکدہ سے نکل کے سوئے دربار آیا۔ اب کے قباد نے اس کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور نوشیرواں کا بھی مطابقِ قرارداد ذکر کیا۔ مزدک نے کہا "یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ اکثر لوگ اس ملک میں نوشیرواں ہی کے اشارے پر چلتے ہیں۔ وہ ہمارے دین میں آجائے تو گویا پوری دنیا اس مذہب میں داخل ہو گئی۔ میں آگ کے وسیلہ سے یزداں سے شفاعت کرتا ہوں کہ وہ نوشیرواں کو اس دین میں داخل ہونے کا شرف بخشے"۔ قباد نے اس بات کو بنظرِ استحسان دیکھا اس نے کہا "نوشیرواں ولی عہدِ سلطنت ہے۔ فوج اور ملک میں وہ مقبول ہے۔ ظاہر ہے اگر وہ اس دین میں آجائے گا تو پھر سب اس دین کو قبول کر لیں گے"۔

قباد نے یہ بھی کہا کہ اس کا ارادہ مزدک کے لئے ایک پتھر کا منارہ اور برج بنوانے کا ہے۔ جس کی بلندی پر ایک قصر زر تعمیر کیا جائے گا۔ یہ قصر زر اپنی تابانی میں مہر منور سے بڑھ کے ہوگا۔ اور اس قصر کی یادگار ہ کر دے گا جسے شاہنشاہ گشتاسپ نے زردشت کے لئے تیار کرایا تھا۔ مزدک نے قباد سے کہا کہ وہ نوشیرواں کو دین نو میں داخل ہونے پر مائل کرے۔ دریں اثنا وہ (مزدک) یزداں سے اس کی (تقلیب قلب کے لئے) دُعا کرے گا جو مستجاب ہوگی۔ قباد نے یہ سارا ماجرا بیٹے کو کہہ سُنایا جو یہ سب سنکر بے حد محظوظ ہوا۔ اب نوشیرواں نے قباد سے کہا کہ ایک ہفتہ گذر جانے دیجئے پھر مزدک کو بلوا بھیجئے اور اس سے کہئے: "نوشیرواں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا ہے۔ جیسے اس پر خود آگ حملہ آور ہو رہی ہے اور وہ پناہ تلاش کر رہا ہے اور اتنے میں ایک پیر روشن ضمیر اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے۔ نوشیرواں اس سے پوچھتا ہے مقدس آگ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ پیر صالح اس سے کہتا ہے۔ دراصل تو نے آگ کو جھٹلایا ہے اس لئے وہ تجھ پر غضب ناک ہو رہی ہے۔ اس پر نوشیرواں نے پوچھا کہ انھیں (مرد صالح کو) اس کا علم کیسے ہوگیا۔ تو اسے جواب ملا کہ فرشتوں کو تمام خبر رہتی ہیں۔ اب ایک ہی صورت ہے۔ آتشکدہ میں جا کے مشک، عود، اور عنبر کو سلگایا جائے اور پھر آگ کی عبادت کی جائے۔ اس کے بعد نوشیرواں کی آنکھ کھُل گئی"

قباد کی زبانی نوشیرواں کا یہ خواب سُنکر مزدک بے حد مسرور ہوا۔ اس بات پر بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیرواں نے قباد سے کہا: آپ مزدک سے کہہ دیجئے کہ نوشیرواں کو مزدک کے دین کی صداقت پر یقین ہو چکا ہے اور وہ اب اس کا قائل ہو چکا ہے کہ مزدک خدا کا پیغامبر ہے۔ لیکن چونکہ مزدک کے مخالفین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ اسے یہ خوف ہے کہ اس کے اعلانِ قبولِ دینِ نو پر کہیں یہ لوگ خروج کر کے آلِ ساسان کو سلطنت اور امارت سے محروم نہ کر دیں۔ لہٰذا اس کی بڑی خواہش ہے کہ اسے مزدکی مذہب کے متبعین کی صحیح تعداد۔ ان لوگوں کے اسماء اور حالات کا صحیح صحیح علم ہو جائے۔ اگر نوشیرواں کو احساس ہو گیا کہ مزدکی جماعت زبردست ہے تو وہ فوراً اس جماعت میں شامل ہو جائے گا ورنہ وہ اپنے اعلان کے لئے اس وقت تک کا انتظار کرے گا جب تک یہ جماعت طاقت اور قوت نہ حاصل کر لے۔ نوشیرواں اس بات پر بھی آمادہ ہے کہ اس جماعت کو مسلح کر دے اور پھر پوری قوت سے اپنے مذہب کا اعلان کر دے گا۔

نوشیرواں نے قباد سے کہا کہ اگر مزدک اس بات کا مدعی ہو کہ اس کی جماعت کی تعداد کافی ہے تو اس سے اس کے تمام متبعین کی تعداد اور فرداً فرداً ان کے نام معلوم کر لئے جائیں

مزدک نے بارہ ہزار آدمیوں کی فہرست پیش کردی۔ اس فہرست میں رعایا اور فوج، دونوں گروہوں کی نمائندگی تھی۔ قباد نے یہ فہرست دیکھ کے کہا:

میں آج ہی رات نوشیرواں کو بلوا کے اسے یہ فہرست دکھا دوں گا۔ اور اس کے ایمان لانے کی علامت یہ ہوگی کہ میرے حکم سے نقارے اور شہنائیاں بجائے جائیں گے۔ اور ان کی آواز آپ کی دولت سرا تک پہنچ جائیگی۔ مزدک کے جانے کے بعد قباد نے نوشیرواں کو طلب کیا اسے فہرست دکھائی اور قرار شدہ علامت کا ذکر کیا: نوشیرواں نے کہا بہتر ہے کہ شاہنشاہ نقارے بجنے کے احکامات صادر فرمادیں کہ نوشیرواں ایمان لے آیا ہے! اور اب وہ یہ کہتا ہے کہ بارہ ہزار کی تعداد واقعی کافی ہے۔ کہیں یہ تعداد محض پانچ ہی ہزار ہوتی تو خطرہ تھا۔ البتہ اب تو اس تعداد کے بل بوتے پر ساری دنیا سے ٹکر لی جاسکتی ہے۔ ایک گھڑی رات گذرنے پر مزدک نے شہنائی اور نقاروں کی آواز سنی اسے یقین ہوگیا کہ نوشیرواں بھی اس کے طلسم میں گرفتار ہوگیا ہے۔ اب اس کی مسرت لاانتہا تھی۔ دوسرے دن جب مزدک دربار میں آیا تو قباد نے بیٹے کے سکھائے ہوئے الفاظ اس سے کہے اور خلوت میں بلوا کے نوشیرواں سے زر و جواہر کی نذر دلوائی۔ اس دن کافی رقوم صدقہ کی شکل میں لٹائی گئیں۔ نوشیرواں نے مزدک سے اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ اب اسی نشست میں مختلف قسم کے مشورے ہونے لگے۔ آخر میں نوشیرواں نے کہا:

جہاں پناہ آپ شاہنشاہ ہیں۔ مزدک پیغامبر یزداں ہے۔ مجھے مذہبی سپہ سالاری بخشی جائے تو دیکھئے مذہب کو کیسا کچھ فروغ حاصل ہوتا ہے۔ قباد نے نوشیرواں کو اختیارات دے دیئے نوشیرواں پھر عرض گزار ہوا:

مزدک کی جانب سے تمام پیروان دین کو، خواہ وہ قصبات میں ہوں یا دیہاتوں میں پیغام بھیجا جائے کہ وہ پیغام ملنے کے تین ماہ کے اندر اندر ہماری مہمانی سے بہرہ اندوز ہوں۔ انھیں ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مزین کیا جائے گا۔ اس اسلحہ پوشی کی کسی کو کانوں کان تک خبر تک نہ دی جائے گی اس کے بعد اسی دن سب کی دعوت کی جائے گی۔ دعوت طعام کے بعد ایک دوسرے قصر میں مجلس شراب برپا ہوگی۔ ہر شخص پر واجب ہوگا کہ وہ سات عدد جام لنڈھائے اور پھر تمام لوگ خلعت ہائے فاخرہ زیب بدن کرکے اسلحہ پوش ہوں۔ اور اس کے بعد گھوڑوں پر سوار ہو کے علانیہ نکل آئیں۔ اس کے بعد جو ہمارا مذہب قبول کرے گا اسے امان خاص ہوگی اور منکرین کو قتل کر دیا جائے گا!

اس رائے سے قباد اور مزدک دونوں نے اتفاق کیا۔ پھر کیا تھا مزدک کے نامے اور خطوط ہر طرف روانہ ہو گئے۔ ایک روز معین سب لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا گیا سب کو بتا دیا گیا کہ انھیں گھوڑے اور اسلحہ ملیں گے۔ سب کو بشارت دی گئی کہ کامگاری کا یہی وقت ہے کہ خود شاہنشاہ عجم اب ان کا ساتھ دے رہا ہے۔ روز معین بارہ ہزار مزدکی جمع ہو گئے۔ یہ سب آ کے شاہی مہمان ہوئے۔ ان کے سامنے بے حد پُر تکلف خوان ہائے نعمت سجائے گئے۔ ایسے کہ اس سے پہلے کسی نے نہ دیکھے تھے۔ قباد تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ مزدک اپنی کرسی زرنگار پر۔ انوشیرواں ادھر برسم میزبانی باندھے ایستادہ ہوا۔ محفل میزبانی سے مزدک بے حد خورسند و شاداں ہوا۔ نوشیرواں نے سبھوں کو باری باری بٹھایا۔ جب سب کھانے سے فارغ ہو چکے تو انھیں دوسرے محل میں بھجوا دیا گیا۔ اس محل میں محفل نوشانوش گرم تھی۔ وہاں بھی قباد تخت پر اور مزدک کرسی مرصع پر تھے۔ مہمانان نوشیرواں سب قرینے سے بیٹھ گئے۔ ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی ہوئے اور مطرب بنغمہ رہزن تمکین و ہوش ہو گئے۔ آتش نفس مغنیوں کے نغمے گونج اٹھے اور دور شراب چل پڑا۔ اور پیمانے سب کے سب گردش میں آ گئے۔ چند دور ہو چکے تو فراش اور پری زاد لڑکے آئے اور دو سو مہمانان خصوصی کو دیبا اور قصب اور زربفت کے تھان بانٹے گئے۔ یہ لوگ کچھ دیر دربار میں کھڑے رہے۔ اس کے بعد نوشیرواں نے حکم دیا کہ اب خلعت دوسرے محل میں تقسیم ہوں گے کیونکہ اس محل میں ہجوم زیادہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ بیس بیس آدمیوں کی ٹولی بنا کے لوگ دوسرے محل میں داخل ہوں اور خلعت پہن پہن کے وہاں سے رخصت ہوتے جائیں۔ اس طریقے سے سب خلعت پہن لیں گے۔ پھر بادشاہ اور مزدک دونوں تمام پیروان دین مزدک کو خلعت ہائے زرکار میں ملبوس و غرق ہو جانے کا منظر دیکھ سکیں گے۔

اس کارروائی سے پہلے پہلے نوشیرواں نے تین سو دیہاتی بجائے سور ماؤں کو بلا کے ایک جگہ بٹھا دیا تھا۔ اس گروہ کو حکم تھا کہ ایک دن اور ایک رات کے اندر یہ لوگ بے شمار اور بکثرت گڑھے کھود کے تیار کر لیں۔ اس کے بعد ان میں سے کوئی بھی جانے نہ پائے۔ ہر ایک کو روک لیا جائے۔ پھر رات ہی کو چار سو مسلح سپاہی اسلحہ سے لیس میدان اور محل میں بھی چھپا دئے گئے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ بیس بیس آدمیوں کی ٹولی جب مجلس شراب سے روانہ کی جائے تو یہ لوگ اس ٹولی کو میدان میں لے جائیں اور ان میں سے ہر ایک کو برہنہ کر کے ان کے سروں کو گڑھوں میں یوں داب دیں کہ وہ ناف تک زمین کے اندر رہیں۔ اور ان کے دونوں پاؤں باہر نکلے رہیں۔ اب خلعت پہن پہن کر لوگ دوسرے

محل میں آتے جاتے تھے اور نوشیرواں کی ہدایت کے مطابق ہر ٹولی مع اپنے گھوڑوں کے ایک اور جگہ روانہ کر دی جاتی تھی۔ وہاں سے انھیں نوشیرواں کے مسلح سپاہی میدان لے جاتے تھے میدان میں ان ان لوگوں کو سرنگوں کر کے گڑھوں میں دبا دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ تمام افراد ہلاک کر دیے گئے۔ جب یہ ہلاکت آفرینی مکمل ہو چکی تو پچھلی اسکیم کی ظاہری قرار داد کے مطابق نوشیرواں قباد کے سامنے آیا اور اس سے اور مزدک دونوں سے گذارش کی کہ تمام مہمان میدان میں خلعت پہنے آراستہ، ایستادہ ہیں! اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں! شاہنشاہ اور پیغمبر تشریف فرما ہوں اور وہ منظر دیکھیں جو کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ قباد اور مزدک دونوں بکدم اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں محل کے اندر سے گذرتے ہوئے میدان تک آئے۔ اور یہاں یہ وحشت زا منظر دیکھا کہ جماعت کی جماعت سرنگوں ہے اب نوشیرواں نے مزدک سے کہا "اے بدبخت شخص، جس فوج کی کمان تیرے سپرد ہوگی اس کی خلعت اور اس کے اسلحہ اور کیا ہوں گے اگر یہ نہ ہوں گے۔ تو اس لئے آیا تھا کہ ہماری دولت، عزت اور ناموس کو برباد کر کے ہماری سلطنت پر بھی قبضہ کر لے۔ لے سنبھل اب تجھے خلعت پہنائی جائے گی" اب میدان کے ایک خاص گڑھے میں نوشیرواں کے حکم سے مزدک کو بھی مروا دیا گیا اور اسے مٹی سے پاٹ دیا گیا" نوشیرواں مزدک کے کام سے فارغ ہو چکا تو اپنے تاجدار باپ، شاہنشاہ قباد سے مخاطب ہوا:

شاہنشاہ نے اہل الرائے اور عاقل لوگوں کی چارہ جوئی اور فرزانگی ملاحظہ فرمائی؟ اب بہتر ہے کہ آپ بھی محل بند ہو جائیں تاکہ کم از کم رعایا اور فوج ابتری اور انتشار کا شکار نہ رہنے پائیں۔ دراصل یہ سارا ڈرامہ اس لئے کھیلا گیا کہ آپکی رائے ایک سست اور بودی رائے تھی۔ یہ بھی ہو چکا تو میدان جس چاروں طرف دیواروں سے گھیر دیا گیا تھا اسے عام مشاہدہ کے لئے کھول دیا گیا شہر اور دیہات اور فوج کے آدمی آ آ کے یہ تماشا دیکھتے اور عبرت پکڑتے جاتے تھے۔ ضروری اقدامات کے بعد نوشیرواں نے اپنے باپ کو قید کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ نوشیرواں کا یہ کارنامہ اس کی خردمندی کا ایک شاہکار ہے۔ اب نوشیرواں کا دور عدل شروع ہو چکا تھا۔

****

چھیالیسواں (۴۶) باب

قرامطہ اور اُن کی خوں ریزیاں

اشارات

اس واقعہ کے بعد سے ہارون الرشید عباسی کے عہد تک اس قوم (قوم مزدک) اور اس عقیدہ کے کسی فرد نے پھر سر نہ اُٹھایا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ مزدک کی بیوی خرمہ بنت فادہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ مدائن سے بھاگ آئی تھی اور رے (موجودہ اصفہان) کے دیہاتی علاقوں میں آبسی تھی۔ یہاں اس عورت نے لوگوں کو اپنے شوہر کے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی مخلوق اس مذہب کی پیرو بن گئی۔ ان لوگوں کو خرمدین کے لقب سے پکارنے لگے۔ یہ خرمدنیاں ایک مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ اپنے مسلک کا اعلان کر کے ظاہر ہوں اور اپنے عقیدہ کو آشکارا کریں۔ سنہ ۱۳۰ہجری کی بات ہے کہ ابوجعفر المنصور نے بغداد بلا کے ابومسلم خراسانی کو جو صاحب دعوت تھا (اور جس نے بنو عباس کی حکومت کے لئے راہ ہموار کی تھی)، قتل کروادیا۔ اب نشاپور میں سنباد نام کا ایک غیر مسلم سردار تھا۔ یہ شخص ابومسلم کا نمک خوردہ اور پرودہ تھا۔ اس نے ابومسلم کے قتل کے بعد خروج کیا اور نشاپور سے رے آگیا۔ یہاں اس نے طبرستان کے آتش پرستوں کو اپنی طرف بلایا۔ اسے اس بات کا بھی علم ہوگیا کہ پہاڑی علاقے کے لوگ زیادہ تر ملحد اور منکر اور مزدک کے پیرو ہیں۔ اب اس نے چاہا کہ اپنی دعوت کھلے بندوں کرے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس شخص نے عبیدہ حنیفی کو جو منصور کی جانب سے رے کا حاکم تھا قتل کردیا۔ پھر ابومسلم کے جمع کئے ہوئے خزانوں کو اپنے تصرف میں کرلیا۔ ذرا سے قوت حاصل ہوگئی تو ابومسلم مقتول کے پیغمبر ہونے کا دعوٰی کر کے اس نے ابومسلم کے خون کا قصاص چاہا۔ اس کی ترکیب اس شخص نے یہ کی کہ عراق اور خراسان کے لوگوں سے کہا کہ ابومسلم کو قتل نہیں کیا جاسکا ہے وہ زندہ ہے اور مزدک اور مہدی کے ساتھ مل گیا ہے۔ اور یہ تینوں ایک ساتھ نکل کے آئیں گے۔ ابومسلم امام ہوگا۔ مزدک اس کا وزیر ہوگا۔ اور میں پیغمبر مقرر

ہوا ہوں۔ جس وقت امام مہدی کے ظہور پر عقیدہ رکھنے والوں نے مہدی کا نام سُنا، ادھر مزدکیوں نے مزدک کا نام سُنا تو بے شمار لوگ اس آدمی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ البتہ جب یہ شخص آتش پرستوں سے ملتا تو ان کے اندر علاقائی عصبیت پیدا کرکے انھیں یہ سوجھاتا کہ حکومت عربوں کے ہاتھ میں آچکی ہے اس شخص نے یہ بھی اعلان کیا کہ حکومت کے عربوں کے ہاتھ میں چلے جانے کے بارے میں ساسانی عہد کی ایک کتاب میں جو اسے دستیاب ہوئی ہے پیش گوئی موجود ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میں کعبتہ اللہ کو ویران کر دوں اس لئے کہ کعبہ نے آفتاب کی جگہ لے لی ہے اور اس کے اعلان میں یہ بھی تھا کہ ہم لوگ سابق کی طرح آفتاب پرستی ہی کرتے رہیں گے۔ خرم دینیوں سے یہ شخص یہ کہتا تھا کہ مزدک تو شیعہ مذہب تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ شیعوں کا ساتھ دو اور ابومسلم کے خون کا بدلہ لو۔ غرض یہ شخص تینوں گروہوں سے ساز باز کئے ہوئے تھا اور انھیں راضی رکھے ہوئے تھا۔ اس نے منصور کے کئی سپہ سالاروں کو قتل کر دیا تھا اور فوجوں کو ہرا دیا تھا۔ سات سال کے بعد کہیں جمہور عجلی نام کے شخص کو اس بات پر مامور کیا گیا کہ خوزستان اور فارس سے فوج اکٹھی کرتے ہوئے اصفہان آئے اور اصفہان کے آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کے رے کے دروازہ پر سنباد سے جنگ کرے۔ اس نے (جمہور عجلی نے) تین دن سخت جنگ کی اور چوتھے دن سنباد کو قتل کر دیا گیا اور اس کی (سنباد کی) جمعیت پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔ اس کے پیرو لوگ اپنے اپنے گھر بیٹھ رہے۔ لیکن خرم دینیوں اور آتش پرستوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا اور در پردہ یہ لوگ آپس میں سازشیں کرنے لگے۔ روز بروز مذہب اباحت (وہ مذہب جس کی رو سے حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے) پرورش پانے لگا۔ جمہور نے سنباد کو قتل کرکے رے میں سکونت اختیار کر لی آتش پرست اسے جو جو بھی ملے انھیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی دولت لوٹ لی۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔

(۴۷)
سینتالیسواں باب

خرم دینوں کا خروج

اشارات

قرامطہ کے مذہب کی ابتدا یوں ہوئی کہ حضرت جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام اسمٰعیل تھا جو باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان اسماعیل کے بھی ایک بیٹا تھا جس کا نام محمد تھا۔ یہ لڑکا باپ کی نشانی کے طور پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ لڑکا ہارون الرشید کے عہد تک زندہ رہا۔ آپ زبیریؓ میں (یعنی حضرت زبیر بن العوامؓ کی اولاد میں) کسی نے چغلی کھائی (غمض غالباً دہی غمز ہے۔ غمز کرنا یعنی چغلی کھانا، مترجم) کہ جعفر الصادق کا ارادہ بغاوت ہے اور وہ خفیہ خفیہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہے ہیں۔ اور خلافت کے خواہشمند ہیں۔ (یہاں عبد الوہاب قزوینی یہ دلچسپ انکشاف کرتے ہیں کہ جعفر الصادقؓ تو ہارون کے تخت خلافت پر بیٹھنے سے ۲۲ سال پہلے ہی یعنی ۱۴۸ھ ہجری میں انتقال فرما گئے مترجم) غرض رشید یعنی ہارون الرشید نے جعفر الصادقؓ کو مدینہ سے بلا بھیجا اور انھیں بغداد میں طلب کیا اور بلا کے قید کر لیا کیونکہ وہ ان سے خائف تھا۔ جعفر الصادقؓ کے پوتے محمد کے پاس ایک غلام تھا۔ وہ حجاز کا رہنے والا تھا اور اس کا نام مبارک تھا۔ اس شخص کا خط بہت ہی باریک ہوتا تھا یعنی جب وہ لکھتا تھا تو مثلاً دو سطروں میں بہت ہی کم فاصلہ ہوتا تھا۔ اس قسم کے خط کو عربی زبان میں مقرمط کہتے ہیں۔ اس باریک نویسی کے سبب مبارک کو لوگ قرمطویہ کہنے لگے اور یہ اسی لقب سے مشہور بھی ہو گیا۔ ایک شخص اہواز کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام عبد اللہ ابن میمون قداح تھا، یہ شخص مبارک کا دوست تھا۔ ایک دن یہ (عبد اللہ ابن میمون) مبارک کے پاس تن تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتہً اس اہوازی شخص نے مبارک سے کہا: مبارک تمہیں معلوم ہے تمہارے آقا محمد بن اسمٰعیل میرے دوست تھے اور اپنی راز کی باتیں بھی مجھ سے کہا کرتے تھے،" یہ سنکر مبارک پر اہوازی کا جادو چل گیا۔ اس کے اندر اپنے آقا کے رازوں کو جاننے

کی بڑی زبردست خواہش پیدا ہوئی) اس نے عبداللہ بن میمون سے اس خواہش کا اظہار کیا، عبداللہ نے مبارک سے قسم لے لی کہ جو کچھ اسے بتایا جائے گا وہ اسے طشت ازبام نہ کرے گا البتہ وہ ان باتوں کو ایسے اشخاص سے کہہ سکتا ہے جو اس کے نزدیک اس کے اہل ہوں۔ اب عبداللہ نے مبارک کو چند باتیں سنائیں۔ یہ باتیں چند حروف اور اقوال تھے، یہ اقوال وحروف ملے جلے تھے، کچھ عجمی، کچھ عربی وغیرہ اسی طرح یہ باتیں ائمہ (جمع امام)، ادباء اور فلسفی حضرات کے اقوال کا مجموعہ تھیں۔ اور آنحضرتؐ، فرشتوں کے لوح، قلم، عرش اور کرسی کے تذکروں سے بھی زیادہ تر، یہ اقوال بھرے ہوئے تھے۔ یہ افسوں مبارک کے کان میں پھونک کے عبداللہ بن میمون تو مبارک کے پاس سے چلا آیا اور مبارک کوفہ چلا گیا۔ ادھر عبداللہ عراق کے کوہستانی علاقوں میں جا بیٹھا۔ اتفاق سے اس زمانہ میں موسیٰ بن جعفر الصادقؒ کی گرفتاری سے اہل تشیّع بے حد ناراض تھے۔ مبارک بھی خفیہ خفیہ اپنا پیغام پہنچاتا رہا۔ اور پھر سواد کوفہ میں غائب ہو گیا۔ جن افراد نے مبارک کی دعوت قبول کی تھی وہ پہلے اہلسنت تھے۔ یہ کچھ تو مبارکی کہلائے اور بعض قرمطی کہے جانے لگے۔ عبداللہ بن میمون نے کوہستان میں اس مسلک کو رواج دینا شروع کیا ایک اور زبردست شعبدہ باز، محمد زکریا تھا۔ اس کا ذکر مخارق الانبیاء (غالباً مخارق الانبیاء یعنی پیغمبروں کے معجزات، مترجم) میں آیا ہے۔ اس شخص نے خلف نام کے شخص کو اپنی خلافت دی اور پھر اسے رے کی جانب روانہ کر دیا۔ اس نے یہ کہا کہ اس وقت رے، آبہ، کاشان، طبرستان اور مازندران میں جو لوگ رہتے ہیں سب ملحد اور رافضی اور بد دین ہیں اور شیعیت کا محض دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ لوگ یقیناً تیری طرف آ جائیں گے اور تیری دعوت قبول کر لیں گے۔ لیکن خود یہ شخص ڈر کے مارے بصرہ چلا گیا۔ اب خلف رے میں آ گیا۔ نشاپویہ (فشاپویہ) میں ایک دیہات ہے جسے کلین کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہیں یہ (خلف) جا کے رک گیا۔ اس دیہات میں ایک بڑا فن کار اور نقش ونگار کا ماہر تھا۔ جو اس دیہات میں نقش ونگار یا نقاشی کا کام کرتا تھا۔ خلف ایک زمانہ تک دیہات میں رہا لیکن اسے اب تک کوئی ہم نفس اور ہم دم ایسا نظر نہ آیا تھا جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا۔ لیکن وہی مثل جوئندہ یابندہ، آخر کار اس شخص کو ایک ایسا آدمی مل ہی گیا جسے اس نے اپنے مسلک سے آشنا کیا یہ آدمی جسے اس نے اپنے مذہب کی تعلیم دی تھی یہی نقاش تھا۔ اسے اپنا دین سمجھاتے وقت خلف نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ یہی مذہب، مذہب اہل بیت ہے۔ اور اس مذہب کو چھپائے رکھنا چاہیے۔ البتہ

مہدی کے آنے کے وقت، جن کا زمانہ ظہور قریب ہے۔ اس مذہب کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ بردست
اسے (اس مذہب کو) محض سیکھنے پر زور دینا چاہیئے۔ دراصل مہدی کے ظہور سے پہلے پہلے لوگوں کو
اس سے واقف ہو جانا چاہیئے۔ پھر کیا تھا اس قریہ کے لوگوں نے اس مذہب کو سیکھنا شروع کر دیا۔
عجب اتفاق کہ ایک دن اسی قریہ کا تحصیلدار قریہ سے باہر کہیں جا رہا تھا کہ اسے ایک ویران سی مسجد
سے کچھ لوگوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ مسجد کے قریب پہنچ کر تحصیلدار نے جو غور سے سُنا تو معلوم ہوا کہ یہ بزرگ
خلف قوم کو اپنا مذہب سکھلا رہے ہیں! اور یہ اُنہی کی آواز تھی جو اس مسجد سے باہر آ رہی تھی۔ بستی
میں واپس آنے کے بعد تحصیلدار نے اپنی بستی کے لوگوں کو خبردار کر دیا اور اُن سے یہ کہا کہ خلف کی نہ
چلنے دیں اور اس کے پاس تک نہ بھٹکیں اس لئے کہ اس کی تعلیم تو ایسی ہے کہ اگر اس کا اثر قبول کر لیا
گیا تو ایک دن یہ بستی اسی کے تصرف اور اقتدار میں آجائے گی۔ ہاں ایک بات اور تھی اور وہ یہ
کہ اس خلف کی زبان میں لکنت تھی اور صاف اور رواں طور پر بات نہ کر سکتا تھا۔ خلف اس افشائے
راز سے دل برداشتہ ہو کر اس بستی کو چھوڑ کے چلا گیا۔ اور رے پہنچ کر مر گیا۔ لیکن یہ مر بھی گیا تو کیا ہوا
جس بستی کا ذکر ہو رہا ہے وہاں کچھ لوگ تو اس نے اپنے حلقہ ارادت میں سمیٹ ہی لئے تھے۔ اب اس کا
بیٹا احمد خلف باپ کی گدّی پر بیٹھ گیا۔ بیٹے نے بھی باپ ہی کا مذہب اختیار کیا تھا۔ اس احمد خلف کو
غیاث نام کا ایک آدمی مل گیا۔ غیاث ادیب اور زبان داں تھا۔ احمد نے یہ دیکھا تو اپنے کاموں کے
سلسلہ میں اسی شخص کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا لیا۔ غیاث نے اس مذہب کے اصول کی عمارت پر قرآن،
احادیث، عرب ضرب الامثال اور عرب روایات کے نقش و نگار بنا ڈالے۔ اور البیان نام کی کتاب،
در بابۂ مذہب قرامطہ، تالیف کر ڈالی! اس کتاب میں نماز، روزہ، طہارت (شرعی نقطۂ نگاہ سے
پاکیزگی)، اور زکوٰۃ اور دوسرے مصطلحات شرعی کی لغوی تشریح درج تھی۔ اس کتاب کی رو سے غیاث
کو دعوت دی اور تبلیغ کے باب میں خلافت سونپی گئی تھی۔ غیاث کو علم نحو اور لُغت پر عبور تھا۔ اس
نے اہل سنت سے مناظرہ اور (مذہبی بحث) شروع کر دی۔ اور لگا اپنے مسلک کی اشاعت کرنے، یہ
خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ایک مناظر (مناظرہ اور مذہبی بحث کرنے والا) آیا ہوا ہے، اور وہ
خلفی مذہب پر ہے۔ نام اس کا غیاث ہے اور باتیں بڑی ہی دل خوش کن کرتا ہے۔ عوام کو وہ ایک
نیا دین سکھلاتا ہے پھر کیا تھا لوگوں نے اس کی جانب رجوع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کا دین سیکھنے

لگے۔ شدہ شدہ یہ خبر عبداللہ زعفرانی کو ملی۔ اب ایک بار پھر ایک پورا گروہ ان لوگوں کی طرف مائل ہو گیا۔ یہ لوگ جو اس مذہب میں داخل ہو گئے تھے خلفی کہلانے لگے۔ لیکن بعض لوگ انھیں باطنی کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ سنہ ہجری میں یہ مذہب بالکل ہی آشکارا اور ظاہر ہو گیا۔ یعنی اس کی تبلیغ کھلم کھلا ہونے لگی۔ اسی سال شام میں صاحب الجبال نے ـ ـ ـ

ظہور کیا۔ اس شخص نے شام کا بڑا حصّہ اپنے تصرف میں کر لیا۔ غیاث بھاگ نکلا اور پہلے خراسان گیا پھر مرد الرود میں قیام پذیر ہو گیا۔ اس نے امیر حسین علی مروزی کو اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ مروزی نے یہ مذہب قبول کر لیا۔ یہ امیر یعنی امیر حسین مروزی خراسان میں اور خاص طور پر طالقان، میمند، ہرات، غرجستان اور غور کے علاقوں میں اقتدار رکھتا تھا۔ چنانچہ مروزی کے آتے ہی ایک بڑی جماعت اس مذہب میں چلی آئی۔ پس غیاث نے ایک شخص کو مرد الرود میں اپنا نائب مقرر کر دیا تاکہ وہ (غیاث کا نائب)، اس کی جانب سے اس کے مذہب کی تبلیغ کرتا رہے۔ خود غیاث دوبارہ رے چلا آیا اور از سرِ نو دعوت اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ نشاپور کے علاقہ میں ایک شخص تھا جو عربی کا شاعر اور حدیث داں تھا۔ نام اس کا ابوحاتم تھا۔ اسے بھی غیاث نے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ خراسان پہنچنے کے بعد غیاث نے اعلان کیا کہ جلد ہی فلاں فلاں سال میں مہدی کا ظہور ہو گا۔ قرامطہ کو تو اس ظہور کا انتظار تھا ہی اور وہ اس کے منتظر تھے ہی گویا، کہ کوئی انھیں مہدی کی آمد آمد کی بشارت دے، ادھر اہل سنت کو بھی خبر لگ گئی کہ غیاث دوبارہ آ گیا ہے اور تبلیغ شروع کر دی ہے۔ مزے کی بات یہ ہوئی کہ جن تاریخوں میں غیاث نے مہدی کے آنے کی بشارت دی تھی وہ تاریخیں آ بھی گئیں مگر مہدی کہاں! چنانچہ غیاث کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ شیعہ بھی غیاث پر چڑھ دوڑے۔ اور اس میں بے محابا خطا تلاش کرنے لگے اور اس سے بالکل ہی کٹ گئے غیاث بھاگ گیا اور پھر کوئی اسے پا بھی نہ سکا۔ اس کے بعد پھر شہر رے میں ایک گروہ خلف کے ایک نواسے سے بیعت ہو گیا۔ اور ایک زمانہ تک اس کے ہی ساتھ رہا۔ اس آدمی نے اپنی موت کے قریب اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ جانشینی کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے بیٹے کو اپنی خلافت بھی سونپ دی۔ یہ ابوجعفر کبیر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس پر جنون غالب آ گیا۔ ابوحاتم نے بھی اسے اس نیابت پر تسلیم کیا لیکن جب اس ابوجعفر کے حالات بہتر ہو گئے تو ابوحاتم نے تمام حقوق خود حاصل کر لئے اور ابوجعفر کو کہیں کا نہ رکھا یوں ریاست کے حقوق یعنی اس فرقہ کی سرداری کے اختیارات خلف کے خاندان سے نکل گئے۔ ابوحاتم نے اپنے

داعیوں کو طبرستان، اصفہان اور آذربائیجان میں پھیلا دیا اور مخلوق کو اپنے مذہب کی جانب بلانے لگا۔ رے کے حاکم احمد بن علی نے اس شخص کی دعوت قبول کر لی اور باطنی ہو گیا۔ اتفاق سے دیلمیوں نے طبرستان کے علویوں کے خلاف بغاوت کی اور ان کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دیلمیوں نے خروج کرتے وقت علویوں سے کہا تھا کہ تم لوگ بدعتوں کے مرتکب ہوتے ہو اور کہتے ہو کہ علم ہمارے خاندان سے رخصت ہو چکا ہے۔ علم تو کسی طبقہ کی میراث نہیں اور کسی خاندان سے مخصوص نہیں۔ سب کے لئے عام ہے۔ تم حاصل کرو گے تو تمہیں حاصل ہو جائے گا، کوئی دوسرا سیکھے گا تو اسے حاصل ہو جائے گا۔ علم میراث کے ساتھ نہیں چلا کرتا کہ بس کسی خاص طبقہ یا خاندان کی میراث ہو جائے۔ خدائے بزرگ و برتر نے آنحضرت ؐ کو یکساں طور پر تمام مخلوق کے لئے بھیجا ہے اور کسی خاص گروہ کو محض مخصوص طور پر پیغمبر اعظم ؐ کی تعلیمات کا مخاطب نہیں قرار دیا۔ اب ہمیں تمہارے جھوٹ کا احساس ہو چکا ہے۔ طبرستان کا امیر ان علویوں کا پشت پناہ تھا، سو یہ دیلمی اس سے (امیر طبرستان سے) بھی بغاوت کر بیٹھے۔ ان لوگوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ یہ بغداد، رے اور خراسان سے اس مضمون کے فتوے لے آئے ہیں کہ علویوں کا مذہب و مسلک خدا اور اس کے رسول اعظم ؐ سے انحراف پر مبنی ہے۔ اور پاکیزہ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہم لوگ کوہستانی علاقوں کے ہیں، بیشتر درانہ زندگی گذارتے ہیں اور شریعت میں کسی قسم کی مداہنت اور کسی قسم کے انحراف کے قائل نہیں۔ کہیں کہیں البتہ ہم اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں۔ اتفاق سے ابو حاتم باطنی اسی عالم میں رے سے طبرستان آیا اور دیلمی گروہ سے ساز باز کر بیٹھا۔ اب دیلمیوں کا سردار شروین دردا وندی تھا۔ یہ اس کے پاس پہنچا اور پھر یہ سب ایک ہو گئے۔ ابو حاتم نے علویوں کی مذمت اور غیبت شروع کر دی اور ان کے خلاف تقریریں کرنے لگا۔ انھیں بداعتقاد اور بد دین کہنے لگا۔ ابو حاتم نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ دیلمیوں میں عنقریب ایک امام آنے والا ہے اور میں جانتا ہوں وہ امام کیا کہے گا اور اس کا مذہب کیا ہو گا۔ یہ سُنکر دیلمی لوگ اس کی جانب مائل ہو گئے۔ ایک زمانہ نو وہ آیا کہ دیلمی اور گیلانی اس خیال کے ماتحت کہ مہدی کے آنے کا وقت قریب آ چکا ہے، بارش کے وقت چھتوں پر چڑھ جاتے اور نا ودانوں سے لٹک جاتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک مہدی بلندی سے ہی نازل ہوں گے۔ غرض یہ سب لوگ ان انوکھی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے اور ایک زمانہ تک ابو حاتم کی قیادت میں بسر کرتے رہے جب مہدی کے کسی بلند مقام پر ظہور کرنے کے لئے جو مدت متعین کی گئی تھی وہ ختم ہو گئی اور امام نہ آئے تو لوگ کہہ اُٹھے یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔

اس مذہب کا اساسی خیال وہی مزدکیت کا تصور ہے۔ چنانچہ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ دفعتہً اس مذہب سے منحرف ہو گئے۔ اور رسول اللہ علیہ السلام کے اہل بیت کے مسلک کی جانب از سر نو رجوع کیا۔ اب ان لوگوں نے ابو حاتم کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن وہ فرار ہو گیا اور مر گیا۔ اب پھر ان باطنیوں کے کام میں رخنہ پڑ گیا۔ بے شمار لوگ اس مذہب سے منحرف ہو گئے۔ اور اس سے توبہ کر لی۔ شیعوں میں ایک زمانہ تک اضطراب بپا رہا یہ لوگ در پردہ سازشیں کرتے رہے۔ آخر میں دو شخص ایسے نکل آئے کہ جو باطنی مذہب کے مرجع و ماویٰ (جس کی طرف رجوع کیا جائے) قرار پائے۔ ایک عبد اللہ کوکبی، دوسرے اسحٰق رازی (رازی: رے کا رہنے والا)

اڑتالیسواں (۴۸) باب

ضوابط بیت المال

اشارات

جس وقت حسین علی مروزی کا، جس نے خراسان میں باطنی مذہب قبول کر لیا تھا، آخری وقت آپہنچا تو اس نے محمد احمد نخشبی کو اپنا منصب سپرد کر دیا گویا مروزی نے نخشبی کو اپنی نیابت سپرد کر دی۔ نخشبی خراسان کے فلسفیوں میں تھا اور علم کلام کا ماہر تھا۔ مروزی نے اسے (نخشبی کو) مرتے وقت وصیت کی کہ وہ خراسان میں کسی آدمی کو اپنا کام سونپ جائے اور دریائے جیحوں کو پار کر کے بخارا اور سمرقند چلا جائے اور وہاں کے لوگوں کو اس مذہب کا پیرو بنانے کی کوشش کرے۔ اور اس بات کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے کہ امیر خراسان، نصر احمد کے بڑے بڑے امراء دربار اس مذہب کو قبول کر لیں۔ حسین علی کے مرنے پر محمد نخشبی اس کا جانشین ہوا۔ اور خراسان کے بے شمار آدمیوں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ بہت سے لوگ اس مذہب میں داخل ہو گئے۔ ان میں ایک نوجوان بھی شامل تھا۔ پسر سوادہ نام کا

یہ شخص رے کے مقام سے بھاگ کے آیا تھا۔ اور خراسان میں حسین علی کے پاس رہتا تھا۔ یہ باطنیوں میں ایک خاص درجہ رکھتا تھا۔ اب اس محمد نخشبی نے پسر سوادہ کو تو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ اور یہ خلافت مرو یا مرو الرود (رود بمعنی دریا) کے علاقہ کے لئے تھی۔ اور خود دریا کو پار کر کے بخارا چلا گیا۔ بخارا میں اسے اپنے مشن میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ بخارا سے نخشب پہنچا۔ نخشب میں اس شخص نے ابو بکر نخشبی کو جو حاکم خراسان کا ندیم تھا، اپنے مذہب میں داخل ہونے پر آمادہ کر لیا۔ ادھر ابو بکر نے اشعث کو بھی جسے پرائیویٹ سکریٹری کا درجہ حاصل تھا اور وہ ندیموں کی حیثیت کا مالک تھا، اس مذہب کا پیرو بنا لیا۔ ابو منصور چغانی جسے عشعش کی بہن بیاہی تھی، اسے بھی یہ دعوت ملی اور وہ بھی اس دام میں گرفتار ہو گیا۔ آیتاش، حاجب خاص (وزیر دربار) اس بنا پر اس مذہب میں آ گیا کہ اس کے ان لوگوں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اب اس گروہ نے نخشبی سے کہا کہ نخشب میں تمہارا رہنا ایسا ضروری نہیں بہتر ہے کہ تم یہاں سے بخارا اٹھ چلو۔ وہاں ہم ایسا کچھ کرتے ہیں کہ تمہارا جاہ و حشم بہت بڑھ جائے گا اور دیکھنا کہ سبھی بڑے بڑے لوگ اس مذہب میں آئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور بخارا جا پہنچا۔ یہ اپنے گروہ کے ساتھ پہنچا تھا وہاں چنانچہ بڑے بڑے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا تھا اور ہر شخص کو جو سنت (رسولؐ) کی راہ پر تھا، راستہ سے ہٹایا جاتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ انھیں اپنے گروہ میں لے آتا تھا۔ نتیجہ کیا تھا یہ ہوا کہ بخارا کا حاکم صاحب خراج (محصولات اور ٹیکس وصول کرنے والا) اسی طرح وہاں کے کاشتکار اور بازاری سبھی اس مذہب میں داخل ہو گئے۔ حسین ملک جو بادشاہ کے خواص میں تھا اور اطراف کے پہاڑی علاقہ کا حاکم تھا باطنی ہو گیا اسی طرح علی زراد بھی باطنی بن گیا۔ یہ لوگ سب کے سب بادشاہ کے معتمدوں اور امیروں میں تھے۔ اس کے پیرووں اور ماننے والوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے بادشاہ کو اپنا پیرو بنانا چاہا۔ اس کی صورت اس نے یہ کی کہ پہلے تو بادشاہ کے خواص کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ (خواص دربار) ہر عالم میں، بادشاہ کے سامنے اس کا نام احترام سے لیں۔ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے اس قدر نخشبی کا ذکر خیر کیا اور اس کی جانب سے باطنی مذہب کی تبلیغ کی کہ نصر (مراد نصر سامانی) کے اندر سے دیکھنے کی خواہش بیدار ہو گئی۔ پھر کیا تھا یار لوگ نخشبی کو امیر خراسان (نصر) کے دربار میں لے آئے۔ اور اس کی دانائی کے گن گانے لگے۔ امیر خراسان بھی نصر کا مربی بن گیا اور اسے عزیز رکھنے لگا۔ عالم یہ ہو گیا کہ نخشبی جب بھی بات کرتا درباری اس پر مرحبا اور صل علیٰ کا شور بلند کر دیتے۔ نتیجہ ظاہر

تھا۔ نصر کی نگاہوں میں یہ شخص کچھ اور معزز اور گرامی ہو گیا۔ اب نخشبی اپنے کام میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اور باطنی مذہب کی اب کھلم کھلا تبلیغ ہونے لگی تھی۔ ترک اپنی جگہ کڑھتے تھے کہ بادشاہ قرمطی مذہب پر کیوں ہو گیا۔ اب علماء نے یہ کیا کہ صورت حال سے متوحش ہو کر فوجی سرداروں کے پاس پہنچے اور عرض پرداز ہوئے کہ آپ لوگ کچھ فکر کیجیے ورنہ اسلام پہ زوال آجائے گا۔ فوجی سرداروں نے علماء کو جواب دیا کہ وہ مطمئن رہیں بگڑے ہوئے کام سب بن جائیں گے۔ غرض فوجی قائدین نے آن کر بادشاہ کو سمجھایا مگر اس کا حاصل کچھ نہ نکلا اور کچھ نتیجہ نکلا تو یہ کہ اس نزاعی مسئلہ کی بنیاد پہ رائیں بٹ گئیں۔ آخر میں فوجی سرداروں نے سپہ سالار لشکر کو اپنے اعتماد میں لیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم ایک بے دین بادشاہ کو نہیں پسند کرتے۔ بہتر ہوگا کہ اب تم ہی بادشاہ بن جاؤ، ہم سب تمہاری بادشاہی پر راضی ہو جائیں گے۔ سپہ سالار نے بھی کچھ تو دین کی خاطر اور کچھ طمع اور جاہ پسندی کی خاطر فوجی سرداروں کی بات مان لی۔ سپہ سالار نے کہا: سب سے پہلے تو ہمیں مل بیٹھنا ہے اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس کام کو کیسے شروع کیا جائے۔ ساتھ ہی ہمیں اس کام کو بادشاہ سے چھپا کے کرنا ہے۔ لشکر میں ایک جہاندیدہ اور آزمودہ شخص تھا جسے طلن اوکا کہتے تھے۔ اس نے ایک ترکیب سوچی اور یوں گویا ہوا:

تم سپہ سالار ہو۔ تم بادشاہ سے کہو کہ اعیان فوج مجھ سے ضیافت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے بادشاہ اس بات سے اتفاق کرے گا اور تمہیں اس کی اجازت دے گا۔ ہاں شاید وہ یہ ضرور کہے گا کہ اگر تمہیں اس کا مقدور ہو تو ضرور ایسا کرو۔ اس موقع پہ تم یہ کہنا کہ حضور کھلانے پلانے کے لئے تو ہے میرے پاس مگر...... یعنی یہ کہو کہ مہمانداری کے اور آداب بھی تو ہوتے ہیں۔ نہ ظروف ہیں میرے یہاں نہ سونے چاندی کے آلاتِ زینت ہیں اور نہ فرش فروش ہی کا انتظام ہے۔ اس پر بادشاہ یقیناً کہے گا کہ شاہی خزانہ، شاہی شراب خانہ اور فراش خانہ سے تمام ضروری اشیاء لے لو۔ ایک بات اور کہنا، کہ میں اس مہمانداری کی ایک شرط بھی لگانی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مہمانی جب ہو چکے تو تمام سرداران لشکر کفار سے جہاد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور میرے ساتھ بلا ساغون کے علاقہ میں چلیں جہاں ترک نژاد کافروں نے قبضہ جما رکھا ہے اور وہاں ایسا اودھم مچا رکھا ہے کہ فریادی عاجز آچکے ہیں۔ یہ سب اس لئے کہنا کہ ممکن ہے کہ اگر یہ تمہید نہ ہو گی تو بادشاہ بدگمان ہو جائے گا۔ اس کے بعد مہمانی کی تیاریاں شروع کر دو اور فوج کو بھی ایک خاص دن مدعو کر لو۔ پھر شاہی خزانہ میں اور شاہی شراب خانہ اور فراش خانہ میں سونے چاندی کے جو بھی ظروف ہوں انھیں اپنے یہاں لے آؤ۔ اب

جب مہمانی کے موقع پر تمہارے مہمان آچکیں تو کسی بہانہ سے اپنے محل کا دروازہ بند کروادو اور اعیان اور امراء لشکر کو الگ، ایک دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ اور بہانہ یہ کرو کہ انھیں ایک مخصوص دعوت دی جارہی ہے اور انتے میں یہ بات بھی طشت از بام کردو کہ فوج کے اصل عناصر تو سب کے سب تمہارے ساتھ ہوگئے ہیں لیکن وہ کسی گنتی شمار میں نہیں وہ البتہ ابھی تک تمہارے ساتھ نہیں آتے ہیں۔ یہ لشکر، دیکھنا کہ سب ہی تمہارے ساتھ مل جائیں گے۔ اور تمہیں بادشاہ مان لینے کا عہد و پیمان کرلیں گے۔ اس کے بعد ہم لوگوں کو چاہیئے کہ خلوت سے باہر آجائیں کھانا کھائیں اور بزم نوشا نوش پہنچیں اور تین چار ساغر لنڈھانے کے بعد زر وجواہر اور سیم و نقرہ کے بنے ہوئے سارے ظروف اور ساتھ ہی فرش فروش وغیرہ اعیان لشکر میں بانٹ دیں اس کے بعد ہم باہر نکل آئیں گے اور بادشاہ کو گرفتار کرکے شہر اور اس کے نواح میں چکر لگائیں گے اور پھر قرامطہ ہمیں (جمع قرمطی) جہاں بھی ملیں گے ہم انھیں پکڑ پکڑ کے ہلاک کردیں گے۔ اور پھر تمہیں ہم بادشاہ بنادیں گے۔

سپہ سالار اس تدبیر پر رضامند ہوگیا چنانچہ دوسرے دن اس نے بادشاہ سے کہا فوجی مجھ سے مہمانی کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب دیکھئے مطالبہ کرتے ہیں۔ نصر سامانی نے کہا: اگر تمہارے پاس مہمانی کے لئے ضروری ساز و سامان ہو تو کوئی تکلف مت کرو ضرور دعوت کرو، سپہ سالار نے عرض کیا: جہاں تک کھانے اور پینے کے سامان کا تعلق ہے وہ تو ہے میرے یہاں، البتہ دوسرے لوازمات کا جہاں تک تعلق ہے میں معذور ہوں۔ نصر احمد نے کہا تمہیں جس جس سامان کی حاجت ہو ہمارے خزانہ سے اٹھالے جاؤ اب سپہ سالار نے یہ کیا کہ خزانہ اور شراب خانہ کی جملہ زریں اور سیمیں (چاندی کی) اشیاء (از قسم ظروف و آلات زینت) اٹھالے گیا اور انھیں اپنے مکان پر لے آیا۔ مکان پہنچ کر اس نے مہمانی کا بندوبست کیا۔ مہمانی کے یہ انتظامات ایسے تھے کہ اس دور میں کسی نے اس قسم کی ضیافت دیکھی تک نہ تھی سپہ سالار نے دراصل تمام لشکر کو مع ساز و سامان کے، یعنی اس عالم میں کہ ان (اہل لشکر) کے گھوڑے ان کے ساتھ تھے۔ مدعو کیا تھا۔ جب یہ سب حاضر ہو لئے تو سپہ سالار کے حکم سے اس کے محل کا دروازہ بند کروادیا گیا۔ تمام اعیان لشکر ایک خاص حجرہ (بند کمرہ) میں لائے گئے۔ ان سے قسم لے لی گئی اور انھوں نے بھی بیعت کرلی اور اس کے بعد حجرے سے باہر آگئے اور دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ اب یہ ہوا کہ ایک آدمی کے ذریعہ بالا بالا ان تمام باتوں کی اطلاع نوح بن نصر (شاہزادہ نوح) کو دے دی گئی۔ (نوح سے سرزد ہوا)

لشکر کے اجتماع اور اُن کے عندیہ کے بارے میں تمام راز فاش کر دیے۔ نوح فوراً تیار ہو گیا اور دوڑتا
بھاگتا اپنے باپ (بادشاہ احمد نصر) کے محل میں پہنچا اور جا کے یہ کہا کہ آپ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں
فوج کے بڑے بڑے سردار سپہ سالار سے عہد کر چکے ہیں اور اس بات پر بیعت تک کر چکے ہیں کہ سپہ سالار
کے دسترخوان سے نان اور تین پیالے شراب کے پینے کے بعد شاہی خزانہ سے لے جائی ہوئی تمام قیمتی اور
نفیس اشیاء کو لوٹ لیں گے اور لوٹنے کے بعد وہاں سے نکل کے ہمارے یہاں دھاوا بول دیں گے اور
پھر آپ کو، مجھے اور ہم سبھوں کو تہ تیغ کر دیں گے! تو گویا اس ضیافت کا مقصد ہماری تباہی ہے۔ اس مہمانی
میں ہماری خرابی کی صورت مضمر ہے۔ نصر نے نوح سے پوچھا کہ ــ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ شہزادہ نے
یہ تدبیر بتلائی۔ آپ اسی وقت یعنی فوراً، یعنی قبل اس کے کہ فوجی سردار کھانا کھا چکیں اور بزم شراب
میں جا بیٹھیں اپنے ایک رازدار اور معتمد آدمی کو سپہ سالار کے پاس روانہ کر دیجیے جو سرگوشی کے انداز میں سپہ سالار
سے کہے کہ بادشاہ سلامت کا ارشاد ہے کہ آج تم نے واقعی بڑی زحمت گوارا کی ہے، خوب ہی تکلف کیا ہے
اور مہمانی کا جیسے حق ادا کر دیا ہے میرے پاس ایک زرکار اور مرصع مجلس خانہ (وسیع اور قیمتی قالین نما
فرش جس پہ بیٹھ کے اہل عجم بزم شراب وغیرہ برپا کرتے تھے) ہے۔ اس جیسا مجلس خانہ آج دنیا میں کسی
دوسرے دربار میں موجود نہیں اتفاق سے یہ خزانہ سے باہر ایک جگہ رکھا گیا تھا اب تم فوراً حاضر ہو تاکہ وہ
زرکار اور زریں فرش بھی تمہیں عنایت کیا جا سکے مگر اپنی بزم شراب منعقد کرنے سے پہلے پہلے آجانا نوح
نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا: ظاہر ہے سپہ سالار حرص دولت میں یہاں تک آجائے گا اب وہ جوں
ہی یہاں آئے اس کا سر قلم کر دیا جائے، جب یہ سب ہو جائے گا تو پھر میں یہاں مزید بتاؤں گا۔ نصر نے
فوراً مندرجہ بالا پیغام دے کے دو ملازمین خاص کو روانہ کر دیا۔ اس وقت لوگ کھانے میں مشغول تھے
سپہ سالار کو جو پیغام ملا تو اس نے چند آدمیوں کو بتایا کہ اسے کس مقصد سے طلب کیا جا رہا ہے لوگوں نے کہا
ضرور جاؤ۔ آج کی شب ہمیں یہ سب زیب دیتا ہے۔ سپہ سالار بڑی عجلت سے قصر شاہی پہنچا۔ فوراً اسے
ایک حجرہ میں طلب کیا گیا اور وہیں اس حجرہ میں غلاموں کو حکم دے دیا گیا کہ سپہ سالار کی گردن اڑادی
جائے۔ اس کے بعد سپہ سالار کا سر ایک تھیلے میں بند کر دیا گیا۔ اب نوح نے باپ سے کہا بس فوراً ہی اُٹھ
جائیے۔ ہم دونوں ہی سپہ سالار کے مکان پر چلتے ہیں اور اس تھیلے کو ساتھ لئے چلتے ہیں۔ وہاں چل کر آپ
سرداران لشکر کے سامنے بادشاہی سے دست بردار ہو جائیے اور مجھے اپنا ولی عہد قرار دے دیجیے تاکہ میں

ان لوگوں سے نمٹ پاؤں اور انہیں جواب دے سکوں۔ اور سلطنت بھی ہمارے خاندان میں محفوظ رہ سکے — اور فوج کی یہ سازش بھی کامیاب نہ ہونے پائے۔ بادشاہ اور شاہزادہ دونوں ہی سپہ سالار کے مکان کی طرف چل پڑے۔ اب بزرگانِ لشکر دفعتہً کیا دیکھتے ہیں کہ بادشاہ مع شاہزادہ کے سپہ سالار کے مکان پر نزول اجلال فرما رہا ہے سب سروقد کھڑے ہوئے اور استقبال کیا۔ مگر معاملہ کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ لوگ کہنے لگے قصہ کیا ہے کیا بادشاہ کو بھی اِس ضیافت میں شریک ہونے کی خواہش پیدا ہوئی یا کیا۔ نصر احمد اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہتھیار بند محافظین اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نوح اپنے تاجدار باپ کے داہنی جانب کھڑا ہو گیا۔ نوح نے لوگوں سے مخاطب ہو کے کہا کہ تم لوگ بیٹھ جاؤ۔ پہلے کھانا ختم کرو پھر خوان کو یغما کر دیعنی خوان پر رکھی ہوئی اشیاء کو لوٹ لو۔ جب یہ سب ہو لیا تو نصر احمد نے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمیں تمہارے ارادوں کی خبر ہو چکی ہے۔ اور ہمیں جب سے اس کا علم ہوا ہے کہ تم ہماری بادشاہی کے خلاف ہو تو میں اس سے بہت ہی بددل ہو گیا ہوں۔ ظاہر ہے تمہارے ان ارادوں کے بعد اب مجھے تم پر اعتماد رہ سکتا ہے اور نہ تمہیں مجھ پر۔ ممکن ہے میرے راہِ راست سے منحرف ہونے یا ایک مذہب کو اختیار کر لینے سے تم لوگ مجھ سے کبیدہ خاطر ہو چکے ہو۔ چلو میں اسی کا مستحق سہی۔ مگر یہ بتاؤ نوح میں تو تمہیں کوئی عیب نہیں نظر آتا لوگ یک زبان ہو کے بولے: نہیں، نصر نے کہا اگر ایسا ہے تو اب سے نوح تمہارا بادشاہ ہے اور میں نے اسے اپنا ولی عہد قرار دے دیا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نیک رہا ہوں یا بد بہر حال اب میں تو توبہ و استغفار میں مشغول ہوا جاتا ہوں اور ہاں یہ بھی سن لو جس نے تمہیں ہمارے خلاف اُکسایا تھا اسے اپنے کیئے کی سزا مل چکی ہے۔ یہاں بادشاہ نے حکم دیا کہ اس تھیلے میں سے جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا سپہ سالار کا سر نکالا جائے۔ بادشاہ نے اس سر کو سردارانِ لشکر کے سامنے ڈال دیا۔ اس کے بعد بادشاہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور نماز کیلئے مصلی پر بیٹھ گیا۔ نوح تخت پر جا بیٹھا اب وہ باپ کی جگہ بادشاہ تھا۔ بزرگانِ لشکر نے یہ سارا کھیل دیکھا اور دیکھتے دیکھتے رہ گئے۔ یہ سب کچھ انھوں نے بغیر کسی عذر کے قبول کر لیا۔ دراصل اب ان کے کسی قسم کے عذر یا کسی قسم کے بہانہ کے پیش کرنے کے لئے کوئی اخلاقی و قانونی جواز بھی تو نہ تھا۔ غرض یہ کہ فوج نے نئے بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس کے سرداروں نے ہم آواز ہو کے اعلان کیا: ہم سب فرمانبردار اور بندگانِ شاہ ہیں، اب نوح نے بحیثیت بادشاہ کے بولنا شروع کیا: تم لوگ یاد رکھو کہ میرے نزدیک اس وقت تک جو کچھ بھی ہوا ہے میں اس میں تمہیں غلطی پر نہیں پاتا۔ تمہیں جو کچھ بھی مطلوب رہا ہے میرے ذریعہ سے مل جائے

اور میں سب کچھ وہی کروں گا جو تم چاہتے ہو۔ تم بس یہ کرو کہ میرے فرمان کو سنتے رہو اور آسائش کی زندگی گذارتے رہو۔ بس، اس کے بعد نئے بادشاہ نے زنجیریں منگوائیں اور حکم دیا کہ اس کے باپ کو پابجولاں کر دیا جائے اور فوراً ہی اسے ایک پرانے قید خانہ میں بھجوا دیا گیا۔ اس کے بعد نئے بادشاہ نے قائدین لشکر کو اذن شراب بخشا۔ مجلس شراب و بادہ میں ہر ایک نے تین تین ساغر لنڈھائے اس کے بعد نوح نے کہا: تم لوگوں نے یہ طے کر ہی لیا تھا کہ شراب کے تین دور ہو جائیں گے تو خوان نعمت کو یغما کر دو گے یعنی اس پر کی چیزیں لوٹ لو گے۔ یغما اور غارتگری یعنی لوٹ مار کی تو خیر میں اجازت نہیں دے سکتا ہاں میں تم لوگوں کو یہ سب چیزیں بخشتا ہوں۔ جاؤ اور آپس میں برابر برابر بانٹ لو۔ لوگوں نے دسترخوان کے تمام آلات اور ظروف وغیرہ اُٹھا لئے۔ اس کی فہرست مرتب کی (آپس میں اشیاء کو تقسیم کیا) فہرست پر مہر لگائی اور معتمد حکومت کے حوالہ کر دی۔ یہ سب ہو چکا تو نئے بادشاہ نے کہا: دیکھو سپہ سالار نے برائی کی سوچی تھی سو اس کا انجام تم نے دیکھ لیا اسے اپنے کئے کی سزا ملی۔ میرے باپ کو الگ اپنے گناہ کی سزا ملی۔ اس لئے کہ آخر وہ بھی تو راہ راست سے منحرف ہوا تھا۔ ہاں تم لوگوں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ مہمانی سے فراغت کے بعد بلاساغون کے (غیر مسلم) ترکوں سے جہاد کے لئے جاؤ گے۔ بلاساغون کو چھوڑو ہمیں خود ملک کے اندر کفار سے نمٹنا باقی ہے۔ کیوں نہ ہم پہلے گھر ہی میں جہاد کریں۔ سب سے پہلے ہمیں ماوراءالنہر اور خراسان کے ملحدوں سے جنہوں نے میرے باپ کا مذہب قبول کیا تھا، ملک کے اندر جہاد کرنا ہے۔ ہمیں ہر ملحد اور ہرمزدکی (پیرو مزدک) کو قتل کر دینا چاہیئے۔ ان ملحدوں سے حاصل شدہ مال و دولت سب تمہیں مل جائے گی۔ مجلس خانہ سے متعلق تمام آلات زر و جواہر جو تھے سو آج تمہیں بخش دیئے گئے۔ کل تمہیں ہم خزانہ کے بقیہ مال و منال اور سیم و زر سے بھی نوازدیں گے۔ اور باطنیوں کا مال تو اسی لئے ہے کہ اسے لوٹا جائے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد البتہ ہم غیر مسلم ترکوں سے جہاد کی جانب متوجہ ہو سکتے ہیں۔ اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ محمد نخشبی اور اپنے والد کے دوسرے ندیموں اور مصاحبوں کو تہ تیغ کر دوں۔ پھر کیا تھا فوج شہر اور اس کے نواح اور اطراف میں داخل ہو گئی۔ محمد نخشبی، نصر کے مصاحبین اور سب مذہب اباحت (اباحت کا مادہ مباح سے ہے مباح سمجھنا یعنی جائز سمجھنا) کے ماننے والے (جو عقائد میں مزدکیت سے قریب تھا اور جس کے ماننے والے اخلاقی بندشوں سے آزاد اور فسق و فجور کو جائز سمجھتے ہیں) موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ عین اسی دن جب اندرون ملک میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک سردار کو ایک دستہ کی کمان

دے کے مرو الرود بھیجا گیا تاکہ وہاں پسر سوادہ کو پکڑ کے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس مذہب کے مبلغین بھی جہاں جہاں بھی وہ پائے گئے، قتل کر دیئے گئے۔ نوح نے اس بات کی خاص طور پر سفارش کی اس دار و گیر اور کشت و خون کا شکار کوئی مسلمان نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر غلطی سے بھی کوئی مسلمان مار دیا جائے گا تو اس کی جانب سے شرع کے اصول کے مطابق قصاص لیا جائے گا۔ چند دن اور چند رات یہ تلاش جاری رہی اور خراسان اور ماوراءالنہر میں اس طبقہ کے پیروں کو اس طرح چن چن کے مارا گیا کہ جیسے ان کی نسل ہی ختم کر دی گئی اور یہ مذہب چھپ گیا۔

شام اور مغرب (مراد مراکش اور ٹیونس وغیرہ) میں باطنیوں کا خروج

ہم اب عبداللہ بن میمون کے بیٹے احمد کے قصے پر پہنچ چکے ہیں اور اس کی کہانی اب سنائی جا رہی ہے۔ عبداللہ بن میمون نے تو بصرہ پہنچ کر خفیہ طور پر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی اور پھر وہیں کا ہو رہا بلکہ وہیں کی مٹی میں مل گیا۔ لیکن اس کے بیٹے احمد نے بصرہ سے اٹھ کے شام میں ڈیرے ڈال دیے (شام میں جب اسے زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی) اور وہ مغرب (مراکش وغیرہ کا علاقہ) میں مشغول کار ہو گیا۔ تو یہاں اس کی تبلیغ رنگ لائی۔ اب یہ (احمد) پھر شام لوٹ کے آ گیا اور سلمیہ نام کے شہر میں ٹِک گیا۔ سلمیہ میں اس کے گھر میں محمد نام کے لڑکے کی ولادت ہوئی۔ احمد جب مرا تو اس کے بیٹے کی عمر چھوٹی تھی۔ اس لئے اس کی جانشینی اس کے بھائی سعید کو ملی۔ سعید نے مغرب جا کے اپنی آمد کا اعلان کروا دیا اور اب اپنے کو عبداللہ بن الحسین کے نام سے متعارف کروانا شروع کیا۔ اس عبداللہ بن الحسین نے ابو عبداللہ محتسب کو جو اس کا دوست تھا، اپنا نائب مقرر کیا۔ اپنی نیابت دینے کے بعد عبداللہ بن الحسین نے محتسب کو بنو اغلب روانہ کر دیا اور ساتھ ہی اس کے متعلقہ اطراف و نواح میں، محتسب نے تمام لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا۔ بنو اغلب نام کے قبیلہ کے لوگ عام طور پر بادیہ نشیں تھے۔ ان لوگوں نے بڑی بھاری تعداد میں اس مذہب کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن الحسین نے اپنے پیروں سے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تلوار اٹھائی جائے چنانچہ جو اس مذہب میں نہ ہو اسے مار دیا جائے۔ پیروؤں نے یہی کیا۔ بنو اغلب کے قبیلہ کے لاتعداد اشخاص جمع ہو گئے۔ یہ لوگ شہروں اور قریوں میں گھس پڑے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اس قتل و غارت گری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے تصرف میں بہت سے شہر آ گئے اور یہ مغرب کے علاقہ میں بہت بڑے حصہ

کے حکمراں بن بیٹھے۔ ایک شخص تھا، علی وہسودان دیلمی، یہ اہل سنت تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار کو ایک لشکر کے ساتھ جو شامی لشکر تھا ابو عبداللہ محتسب کی سرکوبی کے لئے روانہ کردیا بنو اغلب کے بیشمار لوگ مارے گئے اور فرار ہوئے۔ اب عبداللہ شہر پہنچا اور وہاں اس نے ایک نقاب چہرہ پر ڈال لی اور عابدوں اور زاہدوں کے انداز میں زندگی گذارنی شروع کردی۔ لوگوں نے اس شخص سے محبت کرنی شروع کردی۔ اسی سال شام میں ایک شخص زکرویہ صاحب الخال (صاحب الخال کو اس لئے صاحب الخال کہنے لگے ہوں گے کہ اس کے چہرہ پر تل رہا ہوگا) منظر عام پر آیا اور شام کے بڑے حصہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کے بعد یہ شخص بنو اغلب کے جزیرہ میں ٹھہر گیا اور اسے اپنا وطن بنا لیا۔ بنو اغلب زکوٰۃ کی رقوم اسی شخص کو دینے لگے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا (صاحب الخال کا) بیٹا اسکی مسند پر بیٹھا اور یہ گدی اس علاقہ میں قائم ہوگئی

قرمطی اور مزدکی کا ہرات اور غور کے علاقوں میں خروج

۲۹۵ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ ہرات کے گورنر محمد ہرثمہ نے امیر عادل سامانی کو اس امر کی اطلاع دی کہ غور اور غرجستان کے کوہستانی علاقہ میں ایک شخص منظر عام پر آیا ہے، ابو بلال نام کا، اور اس شخص کے ہاتھ پر ہر طبقہ کے لوگ بیعت ہو چکے ہیں۔ اس شخص نے دارالعدل (مرکز انصاف یا آستانہ عدل) لقب اختیار کر رکھا ہے ہرات اور اس کے گردو نواح کے لاتعداد آدمی ابو بلال سے آکر بیعت ہو رہے ہیں۔ ان مریدوں اور متوسلوں کی لاتعداد دس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ اگر کہیں اسے (ابو بلال کو) یونہی چھوڑ دیا گیا تو ایک طرف تو اس کے ماننے والوں کی تعداد بہت بڑھ جائے گی اور دوسری طرف اس پر قابو حاصل کرنا دشوار اور سخت دقت طلب ہو جائے گا یہ بھی قول ہے کہ یہی شخص یعقوب لیث کا ندیم تھا اور خوارج (جمع خارجی)، اسی کی جانب سے تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ امیر عادل کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو بلال کے خون نے جوش مارنا شروع کردیا ہے یعنی وہ بغاوت پر آمادہ ہے چنانچہ امیر نے اپنے حاجب (معتمد خاص) سے جس کا نام ذکری تھا پانچ سو جانباز ترک نوجوانوں کو انتخاب کرنے کو کہا اور یہ بھی کہا انہیں روپے تقسیم کئے جائیں اور بغیش نام کے ترک کو اس دستہ کی سرداری اور سرہنگی دے دی جائے (سرہنگ یعنی کرنل موجودہ فارسی کی رو سے۔ مترجم) حکم نامہ میں یہ کہا گیا کہ بغیش ایک عقلمند اور دانا غلام ہے اور اسے دبغیش کو) دس ہزار درم (طلائی سکہ) دے دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ پانچ سو زرہیں بھی اونٹوں پر پوشیدہ طور پر

لادی جائیں اور جب یہ سب کچھ ہو جائے تو حاجب کو چاہیئے کہ ان لوگوں کو لے کے دریائے مولیان کے کنارے آجائے تاکہ وہاں یہ لوگ امیر عادل کی خدمت میں باریاب ہونے کے بعد روانہ ہو جائیں۔ حاجب ذکری نے احکامات کے مطابق عمل کیا۔ اس کے علاوہ بوعلی مروزی کو لکھا کہ وہ اپنے شہر کے آدمیوں کو بھی دام ودرم دے کر شہر سے باہر لے آئے اور یہ کام اس سے پہلے پہلے انجام پا جائے کہ ترک غلام اس علاقہ تک پہنچ جائیں جب یہ لوگ بھی پہنچ جائیں تو دونوں گروہ (یعنی بغیش اور بوعلی مروزی کے گروہ) ہرات پہنچ کر محمد ہرثمہ سے مل جائیں۔ ادھر محمد ہرثمہ سے یہ کہا گیا کہ وہ ضروری تیاریاں کر کے شہر سے باہر نکل آئے اور اس وقت تک انتظار کرے جب تک بوعلی اور بغیش کی ٹولیاں اس سے نہ آملیں۔ بغیش سے کہہ دیا گیا کہ اگر وہ فتحیاب ہو کے آیا تو اسے ولایت یعنی گورنری ملے گی۔ ترک غلاموں سے کہا گیا کہ یہ کوئی علی شیر دیں، ابن عمر لیث یا محمد ہروی کی جنگ نہیں کہ ان لوگوں کے پاس ہتھیار بھی کافی تھے اور ان کے لڑنے والوں کی تعداد بھی بھاری تھی۔ یہ مہم جو تم لوگوں کو درپیش ہے اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہرات کی پہاڑیوں کے دامن میں کچھ خارجی اور قرمطی ظاہر ہوئے ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے یہ لوگ گلہ بان اور کاشتکار ہیں، بس انھیں سے ٹکر لینی ہے۔ تم لوگ یہ فتح حاصل کر لو گے تو تم کو خلعت اور دوسرے انعامات دیئے جائیں گے۔ ایک قدآور اور سخت کوش قسم کے دبیر (سکریٹری) کو بھی ان لوگوں پر متعین کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ (یہ ترک غلام) مروالرود پہنچے۔ بوعلی اپنے آدمیوں کے ساتھ فوراً ہی اس جماعت کے ساتھ ہو گیا اب ان لوگوں نے راستوں کے تمام ناکوں پر قبضہ کر لیا تاکہ خارجیوں کو ان کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے ہرات میں ان سے (ان فوجی ٹکڑیوں سے) ملنے کے لئے محمد ہرثمہ مع اپنے لشکر کے آملا۔ اب تمام راستوں پر بھی قبضہ جما لیا گیا اور ابوبلال کو خبر نہ ہونے دی گئی۔ سب لوگ پہاڑیوں میں گھس گئے اور تین دن اور تین رات تک گنجان اور ناقابلِ عبور کوہستانی رکاوٹوں کو کاٹتے رہے یہاں تک کہ جنہیں گرفتار کیا جانا تھا ان تک پہنچا جا سکا۔ اب ان لوگوں پر یہ سب کے سب (بغیش، مروزی اور ہرثمہ کے آدمی) ٹوٹ پڑے اور سبھوں کو ہلاک کر دیا۔ بوبلال، حمدان اور دس دوسرے سرداروں کو البتہ پکڑ لیا گیا۔ ستّر دن گذرنے کے بعد مہم سر کر کے یہ جماعتیں واپس آئیں۔ بوبلال کو ایک پرانے قلعہ میں محبوس کر دیا گیا اور وہ مر گیا۔ دوسرے لوگوں کو بھی مختلف شہروں میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں انھیں پھانسی دے دی گئی۔ غرض یوں غور اور غرجستان سے ان فتنہ انگیزوں کی جڑیں اکھڑ گئیں اسی سال امیر عادل بھی فوت ہو گیا اور امیر عادل کی جانشینی نصر احمد کو ملی جس کا قصہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں

خوزستان اور بصرہ میں علی ابن محمد برقعی کا زنگی لشکر کیسا تھ خروج

۲۵۵ھ ہجری میں برقعی نام کے شخص نے اہواز اور بصرہ میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس شخص نے ایک زمانہ تک زنگیوں کو ورغلایا تھا، ان میں تبلیغ کی تھی اور ان سے مختلف وعدے کئے تھے، زنگیوں کو اس عیار نے جو سبز باغ دکھائے تو سب اسکے دام میں گرفتار ہو گئے۔ سب سے پہلے تو یہ لوگ اہواز پر قابض ہو گئے پھر بصرہ پر، پھر رفتہ رفتہ تمام خوزستان کے علاقہ پر، زنگی گروہ (پہلے تو اپنے ولی نعمتوں کا مطیع رہا) پھر اس نے خود اپنے سرداروں کو ہی پکڑ لیا۔ اور انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ظلم اور فساد کا آغاز کر دیا۔ المعتمد باللہ، عباسی خلیفۂ وقت نے متعدد بار ان کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا لیکن زنگیوں نے سب کو مار دیا۔ برقعی نے چودہ سال، چار ماہ اور چھ دن تک بادشاہی کی اور آخر کار معتمد کے بھائی موفق باللہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ یہ گرفتاری بڑی تدبیروں سے ہوسکی۔ غرض تمام زنگی مارے گئے اور علی بن محمد برقعی کو بغداد بلوا کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس شخص کا مذہب بھی مزدک اور بابک اور قرامطہ (جمع قرمطی)، کا مذہب تھا اور ہر اعتبار سے یہ شخص بتر (یعنی ایسا شخص جس کی نسل نہ چل سکے) ثابت ہوا۔

بوسعید جنابی اور اس کے بیٹے ابوطاہر کا بحرین اور لحساء میں خروج

معتصم کے زمانہ میں بوسعید الحسین بن بہرام جنابی نے بحرین اور لحساء میں خروج کیا یعنی خلیفۂ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ان علاقوں کو اس شخص نے باطنی مذہب کی طرف بلایا اور یوں گمراہ کر دیا۔ اور اپنے کام کو فروغ دیا: ذرا اسے اقتدار حاصل ہوا تو اس نے راستوں کو بھی لوٹنا شروع کر دیا اور حلال و حرام کی تمیز اٹھادی۔ اس بات پر ایک مدت گذر گئی۔ پھر اسے اسی کے ایک خادم نے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد سے بحرین اور لحساء میں لوگوں نے ملازمین پر کوئی بھروسہ نہیں کیا۔ بہرام جنابی کا ایک بیٹا ابو طاہر نام باپ کے مرنے کے بعد باپ کی گدی پر بیٹھا۔ ایک زمانہ تک یہ راہ راست پر رہا اور اس میں باطنیوں کی کوئی بات نہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہ فساد سے دور رہتا تھا۔ لیکن آخر میں اس نے بھی باطنی مبلغوں کو بلا بھیجا اور ان کی کتاب کنز بلاغۃ السابع (لغوی معنی: بلاغت کا خزانہ) منگوا بھیجی پھر اس کا مطالعہ کیا۔ اور باطنیوں کے عقائد قبول کر لیے۔ اس کے بعد اس نے بحرین اور لحساء کے لوگوں کو مسلح ہو جانے کا حکم دیا اور

ان سے یہ کہا کہ انھیں ایک ضرورت سے مسلح ہونے کو کہا جا رہا ہے۔ حج کا زمانہ قریب آچکا تھا۔ بے شمار لوگ ابوطاہر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ یہ (ابوطاہر) ان کو لے کے مکہ معظمہ جا پہنچا۔ اس سال بیشمار لوگ حج کے لئے آئے ہوئے تھے وہاں ابوطاہر نے اپنے ساتھیوں کو تلواریں سونت لینے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور دفعتہً لوگوں پر جھپٹ پڑے۔ اور بہت سے آدمی مار دیئے۔ لوگوں نے حرم میں پناہ لی۔ کعبہ کے دروازے بند کر لئے اور قرآن مجید کے حمائل اٹھا لئے اور تلاوت شروع کر دی۔ اُدھر اہل مکہ بھی مسلح ہو کے آگئے اور ابوطاہر سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ ابوطاہر نے جب یہ رنگ دیکھا تو اپنا ایک نمائندہ بھیجا اور اہل مکہ سے یہ کہلوایا کہ ہم تو دراصل حج کے لئے آئے ہیں، جنگ کے لئے نہیں۔ اگر تمہارے آدمی حرم کے دروازے ہم پر بند نہ کرتے تو ہم ہرگز ہتھیار نہ اٹھاتے۔ چنانچہ اب تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اور جو لوگ حج کی غرض سے آئے ہیں انھیں زیادہ مت ستاؤ۔ خود ہم اسی نیت سے آئے ہیں۔ اس طرح اگر حج کی راہ اوروں پر مسدود ہو جائے گی تو تم لوگ بدنام ہو جاؤ گے۔ کم از کم ہمیں اتنی اجازت تو دے ہی دو کہ ہمارا حج کا نقصان نہ ہو اور ہم لوگ حج کر سکیں۔ اہل مکہ نے سوچا یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہوں گے۔ غالباً ان لوگوں کے معاملہ میں کچھ دھاندلی ہوئی ہے جس سے بدظن ہو کے انھوں نے سنبھال لئے ہیں۔ لیجئے جنگ بندی کا اعلان ہو گیا فریقین نے ہتھیار رکھ دیئے اور کعبہ کے طواف میں لگ گئے۔ ابوطاہر نے جب دیکھا کہ مسلح لوگ پراگندہ ہو چکے ہیں تو اس نے اپنے آدمیوں کو پھر حکم دیا کہ ہتھیار اٹھا لیں اور حرم کے اندر گھس کر حرم کے اندر یا باہر جسے بھی دیکھیں ہلاک کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا ابوطاہر کے پیروؤں نے تلوار سنبھال لی اور لگے لوگوں کو قتل کرنے۔ ان لوگوں نے خود اپنے آدمیوں کو پہاڑیوں کے اوپر چڑھا دیا تاکہ وہ مارے جانے سے محفوظ رہیں۔ یہ شورہ پشت حجر اسود کو الگ کعبہ کے اندر سے نکال لائے اور حرم کے طلائی ناودان کو بھی کھرچ ڈالا۔ اب ان لوگوں نے علی الاعلان دین سے تمسخر شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر تم لوگوں کا کوئی خدا آسمان پر ہے تو اسے زمین پر اپنے مکان کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ ہم تو اس خانہ کو (خانہ خدا کو) تباہ و برباد کریں گے۔ اور ان لوگوں نے کعبہ کا غلاف علیحدہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر ٹھٹھول بازی پر اتر آئے اور اعلان یہ کیا کہ جو بھی اب کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے کوئی گزند نہیں پہنچایا جائے گا۔ اسی طرح یہ لوگ سورہ ایلاف کے الفاظ — "و آمنهم من خوف" (انہیں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیا گیا) بھی دہرا کے استہزاء اور سوفیانہ مذاق کرنے لگے۔ پھر کہنے لگے جب تم لوگ حرم میں داخل ہو گئے تھے تو پھر ہماری تلواروں سے تم کیوں نہ محفوظ

رہ سکے۔ تمہارا کوئی خدا ہوتا کہیں اگر تو یقیناً تمہاری حفاظت کرتا۔ غرض اسی قسم کی دلآزار باتیں شروع کردیں۔ دوسری طرف یہ مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنانے لگے۔ ان مظلوموں کے ماسوا جنہیں ان ظالموں نے کنووں کے اندر پھینک دیا تھا اس موقع پر ان لوگوں نے بیس ہزار کے اوپر اوپر آدمی تہ تیغ کردیئے۔ لعد میں اس ابوطاہر نے حکم دیا کہ مقتولوں کو ان لوگوں پر ڈال دیا جائے جنہیں کنووں میں پھینکا گیا تھا۔ چنانچہ مُردوں کے دہشت ناک اور وحشت ناک بوجھ تلے دب کے کھڈوں میں ڈالے ہوئے لوگ بڑی دردناک موت مرگئے۔ ابوطاہر کے آدمیوں کو زر و جواہر اور سیم (چاندی) عطر اور مختلف نفیس اشیاء جو بھی دستیاب ہوئیں سب لے گئے۔ بحرین پہنچ کر ابوطاہر نے اپنے مسلک کے مبلغوں کو اس غارت شدہ مال وزر سے اتنے تحائف روانہ کئے جن کی نہ حد تھی نہ حساب۔ اسلام پر یہ سانحہ مقتدر باللہ کے عہد میں نمودار ہوا۔ یہ سنہ ۳۱۷ھ ہجری کی بات ہے۔ یہ تحائف ہر جگہ بھیجے گئے، مغرب یعنی مراکش کے علاقہ میں، ابوسعید کے پاس بھی بھیجے گئے۔ یہ ابوسعید بڑا لڑکا تھا۔ عبداللہ میمون قداح کے ایک بیٹے احمد نے اس کی ماں سے شادی کی۔ اس کی پرورش کی اور اسے اس کے کام سمجھائے۔ ادب اور فضل و دانش کی تعلیم دی۔ اسے آراستہ کیا اور پھر اپنی ولی عہدی عطا کی۔ ولی عہدی عطا کر کے اسے فن تبلیغ کی تعلیم دی اور ساتھ ہی اسے ضروری نشانات اور اعزازات سے بھی نوازا۔ اس ابوسعید نے سلجماسہ نام کے مقام کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں اس کے کام میں ترقی ہوئی اور یہ مذہب عام لوگوں میں رواج پا گیا۔ تبلیغ میں سختی اور نرمی دونوں سے کام لیا گیا۔ اس شخص نے دعویٰ یہ کیا کہ وہ مہدی ہے اور علوی ہے اس نے بڑے بڑے محاصل عائد کردیئے، شراب کو حلال کردیا اور مال اور رہن کو بھی جائز قرار دیدیا آلِ مروان اور بنو عباس پر اس کے حکم سے لعنت بھیجی جانے لگی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر اس شخص کے اور اس کی خونریزیوں اور اس کی ستم ایجادیوں کی داستان مرتب کی جائے تو بحث بے حد طویل ہو جائے گی۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ مصر میں آج تک کہیں زندہ موجود ہے۔ ابوسعید اور ابوطاہر جس وقت لحساء میں آئے تو ان کے حکم سے تمام مقدس کتابیں، توراۃ، انجیل اور قرآن، سب جنگلوں اور کھلے میدانوں میں پھینکوادی گئیں۔ لوگ ان کتب مقدسہ پر نجاست ڈالنے لگے۔ اسی بوطاہر کا قول ہے کہ دنیا کو تین آدمیوں نے تباہ کیا ہے، ایک گلہ بان نے، ایک طبیب نے، ایک شتربان نے، البتہ شتربان (نعوذ باللہ) دوسروں سے زیادہ شعبدہ باز تھا۔ (بظاہر گلہ بان، طبیب اور شتربان سے بوطاہر کی

مراد جناب نوحؑ، جناب عیسیٰؑ اور رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتسلیم سے ہے۔ مترجم) ابو طاہر نے بہن، ماں اور بیٹی کو جائز قرار دے دیا۔ مزدک کے مسلک کو از سرِ نو آشکارا کردیا۔ حجرِ اسود (کعبہ کا سیاہ پتھر) کو دو ٹکڑے کردیا۔ ان دو ٹکڑوں کا مصرف یہ ہوا کہ پاخانہ کے قدمچوں پر انھیں رکھوا دیا گیا۔ یہ ابو طاہر ایک پاؤں ایک ٹکڑے پر اور دوسرا پاؤں دوسرے ٹکڑے پر رکھکر حوائجِ ضروری سے فارغ ہوتا تھا۔ انبیاء اور پیغمبروں پر اس شخص نے لعنت کرنے کا حکم جاری کیا۔ یہ بات عربوں کو حد درجہ ناگوار اور ناقابل برداشت محسوس ہوئی۔ ماں اور بہن سے ․ ․ ․ ․ جائز قرار دی گئی بیشمار عربوں نے بعض اور یہ اس قسم کی کھائیں کہ وہ مردمی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجائیں تاکہ کم از کم ماں سے ․ ․ ․ کرنے کے عذاب سے بچے رہیں۔ اہلِ مغرب (مراکش کے علاقہ کے لوگ) اور بادیہ نشین لوگ جو جاہل تھے، کچھ خوف سے اور کچھ برضا و رغبت اس دینِ فساد میں داخل ہوگئے۔ ایک بار پھر ان لوگوں نے حاجیوں کے قافلوں کو لوٹا اور بیشمار لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ اس پر اہلِ عراق اور اہلِ خراسان ان لوگوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہوئے۔ یہ (اہلِ عراق وخراسان) خشکی اور دریا دونوں ہی راستوں سے آنا چاہتے تھے۔ ڈر کے مارے ابو طاہر کے آدمی حجرِ اسود کو دوبارہ لے آئے۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں لاکے اسے رکھدیا۔ دفعتہً جب لوگوں نے حجرِ اسود کو اس حالت میں کوفہ کی مسجد میں دیکھا تو اس کے دونوں ٹکڑوں کو لوہے کی سلاخوں سے اٹھا کے مکہ لے آئے اور انھیں دوبارہ ان کی جگہوں پر رکھ دیا گیا۔ اسکے بعد ابو طاہر نے اصفہان سے وہاں کے سب سے بڑے آتش پرست (پیرمغاں) کو لحساء میں لاکے بادشاہی کو مسند پر بٹھادیا۔ یہ آتش پرست بھی عجیب نکلا۔ اسنے ابو طاہر ہی کی جماعت کے سات سو آدمیوں کو تہ تیغ کردیا۔ بلکہ اس نے تو یہ چاہا کہ ابو طاہر اور اس کے بھائی کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دے۔ ابو طاہر ایک عیار تھا اسے اس کا احساس ہوگیا اور خود اس نے اس آتش پرست کو ٹھکانے لگادیا اور از سرِ نو اقتدار سنبھال لیا۔ اسکے بعد اس سگ (کتا) نے کیا کیا کرتوت کئے۔ جہاں اسلام میں کیسی کیسی فساد انگیزیاں کیں، کن کن لوگوں کو مارا، یہ سب واقعات اس کتاب میں نہیں سما سکتے۔ یہ فتنے راضی باللہ کے عہد تک جاری رہے۔ راضی کے زمانہ میں دیلمی بھی منظرِ عام پر آگئے۔ میں نے یہ سب اس لئے لکھاہے کہ خداوند عالم کو کم از کم اسکا احساس ہوجائے کہ ان لوگوں نے اسلام کے ساتھ کیا برتاؤ کیاہے۔ ان کے قول و فعل کا اور قسم اور سوگند کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرمطیوں کو جب کبھی موقع ملاہے انھوں نے قتل کا بازار گرم کیاہے۔ اسی زمانہ میں ماوراء النہر کے علاقہ میں مقنع مروزی (ابنِ مقنع۔ مترجم) ظاہر ہوا۔

اس شخص نے شریعت کے قوانین مطلقاً منسوخ کر دیئے۔ عوام پر سے تمام شرعی پابندیاں اٹھالیں۔ سب سے پہلے اس شخص نے بھی وہی دعویٰ کیا جو باطنی لوگ کرتے ہیں۔ یہی دعویٰ بو سعید جنابی مغربی، محمد علوی برقعی اور مقنع اور باطنی دعاۃ (جمع داعی۔ معنی: مبلغ) نے بھی کیا تھا۔ یہ سبھی لوگ ایک ہی زمانہ میں تھے۔ ان لوگوں میں آپس میں دوستی اور خط و کتابت تھی۔ مقنع مروزی نے ماوراء النہر میں ایک طلسم (جادو اور سحر یا شعبدہ) بنایا۔ طلسم یہ تھا۔ یہ شخص ایک کوہ یعنی غار سے چاند کی قسم کی ایک چیز برآمد کرتا تھا۔ یہ قمر ماشے اسی وقت برآمد ہوتی جب چاند نکلا ہوتا۔ علاقہ کے لوگ اس چاند کو بھی باقاعدہ دیکھتے تھے۔ مصنوعی چاند کو فضا میں بلند کرنے کا یہ سلسلہ ایک زمانے تک جاری رہا۔ مقنع نے پہلے تو وہی باطنیوں والا دعویٰ کیا۔ پھر اس علاقہ کے لوگوں کو شریعت اور دیگر آداب مسلمانی سے باہر نکالا اور پھر خدائی کا دعویٰ کیا۔ اس کے دور میں بھی حد درجہ قتل و خون ریزی کا بازار گرم رہا۔ مسلمانوں کی اس سے بڑی بڑی جنگیں ہوئیں۔ ایک مدت تک اس شخص نے باضابطہ طور پر بادشاہی کی۔ تمام تفصیلات لکھی جائیں تو بحث خاصی طویل ہو جائے گی۔ دراصل ان دنیا کے کتوں میں سے ایک ایک کے بارے میں ایک ایک پوری کتاب لکھی جانی چاہیئے۔ باطنی جب بھی نکلتے ہیں ایک نئے ڈھنگ سے اور ایک نئے عنوان سے نکلتے ہیں۔ انھوں نے مختلف شہروں میں مختلف چولے بدلے ہیں۔ چنانچہ حلب اور مصر میں یہ اسماعیلی کہے جاتے ہیں۔ بغداد، ماوراء النہر اور غزنین میں یہ قرمطی کہلاتے ہیں۔ کوفہ میں انھیں مبارکی، بصرہ میں راوندی اور برقعی، رے میں خلفی اور باطنی کہتے ہیں۔ گرگان میں یہ محمرہ (اس مناسبت سے کہ انکا عَلَم سرخ ہوتا ہے۔ مترجم)، شام میں مبیضہ (سفید علم رکھنے والے)۔ مغرب یا مراکش میں سعیدی، لحسا اور بحرین میں جنابی اور اصفہان میں باطنی کہے جاتے ہیں۔ یہ لوگ خود اپنے کو تعلیمی کہتے ہیں۔ ان کا اصل مدعا اور اصل مقصد اسلام کی بیخ کنی کرنا ہے یہ اہل بیت کے دشمن اور مخلوق کو گمراہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

اصفہان اور آذربائیجان میں خرم دینوں کا خروج،

اب مختصراً خرم دینوں کے بارے میں کچھ باتیں لکھوں گا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ خداوند عالم (مراد ملکشاہ سلجوقی) کو انکے بارے میں بھی بصیرت حاصل ہو جائے۔ خرم دینیاں جب بھی ظاہر ہوئے ہیں باطنی ان کیساتھ یعنی ان کے ہمنوا رہے ہیں۔ بلکہ باطنیوں نے اول الذکر طیفہ کو مدد بھی پہنچائی ہے۔ اصل میں یہ دونوں مذہب

ایک ہیں۔ اور اصولاً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ۱۶۲ھ ہجری کا ذکر ہے یہ کہ گرگان کے باطنیوں نے جھنڈے اور علم سرخ رنگ کے ہوتے تھے اور جنہیں اسی مناسبت سے محمرہ (سرخ علم والے) کہتے ہیں۔ یہ لوگ خرم دینوں سے مل گئے۔ اور اعلان یہ کرنے لگے کہ ابومسلم زندہ ہے۔ ہم ملک پر قبضہ کئے لیتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ ابومسلم کے بیٹے ابولغرار کو اپنا پیشوا تسلیم کرلیا اور رے تک چڑھ دوڑے۔ حلال و حرام کی تمیز انھوں نے اُٹھادی۔ عورتوں کو جائز قرار دیدیا۔ یعنی زنا کو جائز کردیا۔ مہدی نے چاروں طرف فرامین صادر کئے۔ طبرستان کے حاکم عمرو بن العلا کہ کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ آپس میں مل جاؤ اور متحد ہو کے ان لوگوں سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ گئے چنانچہ یہ لوگ اور خرمدینوں کی ٹولی ٹوٹ گئی اور قوت بجھ گئی۔ اس کے بعد جن دنوں ہارون الرشید خراسان میں تھا خرم دینوں نے از سرِ نو بغاوت شروع کی۔ اب کے یہ لوگ اصفہان کے علاقہ سے اور ترمدین، کابلہ اورہ خاب اور دوسرے دیہاتوں سے نکل پڑے، رے اور ہمدان سے بھی لوگ نکل پڑے اور خرمدینوں سے مل گئے۔ تعداد میں یہ لوگ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ ہارون الرشید نے ان لوگوں سے ٹکر لینے کے لئے عبداللہ ابن مبارک کو خراسان سے بیس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ لوگ ڈر گئے اور تمام گروہ منتشر ہو گئے اور اپنی اپنی بستیوں میں چلے گئے۔ عبداللہ مبارک نے اس بات کی اجازت طلب کی کہ بودلف کو بھی اس کے ساتھ کردیا جائے۔ اس بات کی تائید کی گئی۔ چنانچہ اب یہ دونوں جمع ہو گئے۔ اُدھر سے خرم دینیاں اور باطنیان بھی اکٹھے ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ عبداللہ مبارک اور بودلف نے دفعتہً حملہ کردیا اور ان اہلِ فساد کے بلشمار آدمی مار دیئے۔ انھیں بغداد لیجایا گیا اور وہاں انھیں فروخت کردیا گیا۔

بابک کا خروج

اس واقعہ کے نو سال کے بعد بابک منظرِ عام پر آیا۔ یہ آذربائیجان سے اُٹھا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کی قیادت قبول کرلینی چاہی لیکن جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ انھیں ایک فوج سے ٹکر لینی ہے تو یہ گھبرا اُٹھے اور بھاگ نکلے۔ دوسرے سال مامون کے زمانہ میں دوبارہ خرم دینوں سے ظہور کیا۔ یہ اصفہان کے علاقہ سے نکلے تھے۔ باطنی ان کے ساتھ ہو گئے اور یہ آذربائیجان پہنچے اور وہاں یہ بابک سے مل گئے۔ مامون نے محمد بن حمید الطائی کو ان سے لڑنے کو روانہ کیا۔ مامون نے یہ بھی کہا تھا کہ زریق علی بن صدقہ سے بھی جنگ کی جائے اس لئے کہ وہ بھی باغی ہو گیا تھا۔ اور عراق کے کوہستانی علاقوں میں گشت لگا رہا تھا۔ اور

لوٹ مار مچائے ہوئے تھا اور قافلوں کو تاراج اور غارت کر رہا تھا۔ محمد بن حمید بغیر مامون سے کوئی مالی مدد لئے ہوئے بڑی تیزی سے چل پڑا۔ اس نے (محمد بن حمید نے) اپنی فوج کو اپنے پاس سے مال و زر عطا کئے۔ اور زریق سے جنگ شروع کر دی۔ اسے گرفتار کر لیا اور پھر اسے ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ مامون نے اس کارنامہ کی کامیابی پر محمد بن حمید کو قزوین اور آذربائیجان کے علاقے سونپ دیئے۔ اس محمد بن حمید نے بابک سے چھ عدد معرکہ کی جنگیں لڑیں۔ آخر میں محمد بن حمید بھی مارا گیا۔ اب بابک نے زور پکڑنا شروع کر دیا خرم دیناں پھر اصفہان لوٹ کے آ گئے۔ ادھر مامون کو محمد بن حمید کے قتل ہو جانے کا سخت ملال ہوا۔ مامون نے فوراً خراسان کے اس وقت کے حاکم عبد اللہ طاہر کو بابک سے لڑنے پر نامزد کر دیا۔ ساتھ ہی اسے بھی کوہستان اور آذربائیجان کے علاقے تفویض کر دیئے۔ بابک طاہر کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور ایک سخت اور مضبوط قسم کے قلعہ میں بند ہو گیا۔ فوج اس کی پراگندہ ہو گئی۔ یعنی اِدھر اُدھر ہو گئی۔ ۲۱۸ ہجری کے شروع میں خرمدینوں کے گروہ نے اصفہان، فارس، آذربائیجان اور تمام کوہستان میں بغاوت کا آغاز کر دیا۔ اس ناگہانی اتحاد اور اجتماع کا باعث یہ ہوا کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ مامون روم (غالباً موجودہ ایشیا نے کوچک کا علاقہ) کا جائزہ لینے گیا ہے۔ ان لوگوں نے ایک ہی رات میں معاملات طے کرتے ہوئے اور مختلف صوبوں میں انتظامات مکمل کرتے ہوئے راتوں رات دھاوا اور ہلہ بول دیا۔ شہروں کو لوٹ لیا فارس کے علاقہ میں لاتعداد مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا۔ اصفہان میں ان کا علی مزدک تھا۔ اس نے شہر کے دروازے پر بیس ہزار آدمی لا کھڑے کئے۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ کوہ پر یعنی فوجی اڈے پر ہلہ بول دیا۔ بودلف موجود نہ تھا اس کا بھائی معقل البتہ تھا لیکن وہ غریب پانچ سو سواروں کے برتے پر مقابلہ بھی کیا کرتا۔ مجبوراً بغداد فرار ہو گیا۔ اب علی مزدک کوہ پر قابض تھا۔ پھر کیا تھا اس نے تباہی مچا دی۔ جو مسلمان نظر آیا اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔ عجلیوں کے بیٹوں کو غلام بنا دیا گیا۔ بغداد سے لوٹ کے یہ شخص آذربائیجان پہنچا۔ مقصد یہ تھا اس مراجعت کا کہ یہ بابک سے ملے جلے۔ بابک آذربائیجان میں تھا ہی۔ چنانچہ چاروں طرف سے خرمدینی عقائد کے لوگ اس کے پاس آنے لگے۔ پہلے تو یہ دس ہزار تھے لیکن بعد میں پچیس ہزار ہو گئے۔ کوہستان کے بیچ میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ شہرستانہ، وہاں یہ سب جمع ہو گئے۔ بابک بھی ان کا سرغنہ بن کے آ گیا۔ اب معتصم نے اسحٰق نامی فوجی قائد کو چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ اسحٰق دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑا۔ جنگ شروع

ہوئی اور سب ہی مارے گئے۔ عالم یہ تھا کہ پہلی جنگ میں ہی ایک لاکھ خرمدینی مارے گئے ایک گروہ نے اصفہان کا قصد کیا اور تقریباً دس ہزار آدمیوں نے علی مزدکیند کے بھائی کی معیت میں اہل اصفہان کے مکانات اور اصفہان کے دیہات لوٹ لئے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ چونکہ اس وقت اصفہان کا امیر کہیں گیا ہوا تھا اس لئے اس امیر کی جس کا نام علی ابن علیسیٰ تھا غیر موجودگی میں اصفہان کے قاضی اور دوسرے اعیان اور مقتدر اصحاب ان لوگوں سے جنگ کرنے نکل آئے۔ ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، نتیجہ ان کی شکست تھی۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے اور حسب معمول ان کی عورتیں اور اُن کے بچے غلام بنا لئے گئے۔ اس کے کہیں چھ سال بعد معتصم کو خرمدینیوں کی سرکوبی کے عمل سے نجات ملی۔ اب افشین نام کے شخص کو نامزد کیا گیا کہ وہ بابک سے ٹکر لے۔ افشین بابک سے جنگ کے لئے چل پڑا۔ دو سال دونوں میں جنگ جاری رہی اس دو سال میں دونوں جانب کے لاتعداد افراد کھیت رہے۔ آخر میں جب افشین نے دیکھا کہ وہ بابک پر قابو نہیں پا سکتا تو اس نے ایک تدبیر سوچی اور اپنے لشکر کو اس نے یہ حکم دیا کہ راتوں رات خیمے اکھاڑ لیں اور دس فرسنگ اور آگے بڑھ جائیں۔ اہل لشکر نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد افشین نے اپنا ایک آدمی بابک کے پاس روانہ کیا۔ اور یہ پیغام دیا: بابک تو ایک عقل مند اور دانا انسان کو میرے پاس بھیج دے مجھے اس سے چند باتیں کہنی ہیں اور اسی میں ہم دونوں کی مصلحتیں بھی مضمر ہیں۔ جب بابک کا آدمی افشین کے پاس آیا تو افشین نے اس سے کہا کہ بابک سے کہنا کہ ہر چیز کا ایک انجام ہوتا ہے۔ آدمی دوبارہ اس دنیا میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کوئی پودا نہیں کہ دوبارہ لگ جائے۔ ہمارے آدمی تو اتنے مارے گئے ہیں کہ اگر دس تھے تو ایک رہ گیا ہے، تمہاری جانب بھی یقیناً یہی صورت ہوگی آؤ اب صلح کر لیں۔ تمہیں جس ولایت پر تصرف حاصل ہے اسی پر قناعت کرو اور وہیں بیٹھ جاؤ ہم واپس چلے جاتے ہیں بلکہ خلیفہ سے تمہارے لئے ہم ایک دوسری ہی ولایت کا منشور لے آئیں گے۔ بلکہ وہیں سے ایک مثالِ خلافت آ جائے گی اور اگر تمہیں میری یہ بات قبول نہیں تو آؤ پھر ایک بار ہم ایک دوسرے سے نمٹ لیں۔ دیکھیں تقدیر کس کا ساتھ دیتی ہے۔ افشین کا آدمی بابک کے پاس سے واپس آ گیا۔ افشین نے دو ہزار سوار اور تین ہزار پیادوں کو غاروں اور پہاڑیوں کی دوسری درزوں میں چھپا دیا۔ ان پانچ ہزار آدمیوں کو چھپا دیا گیا تھا لیکن ہدایت یہ تھی کہ یوں چھپے رہیں جیسے یہ مارے ہوئے ہیں۔ غرض افشین کا آدمی

بابک کے پاس پہنچا۔ پیغام دیا اور فوج کی تعداد اور اس کی حیثیت کے متعلق بتایا۔ جو باتیں یوں نہ معلوم ہو سکی تھیں وہ جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہو گئیں۔ اب یہ ہوا کہ تین دن کے بعد لڑائی کی ٹھن گئی۔ افشین نے اپنے دائیں اور بائیں، ایک ایک فرسنگ کے فاصلہ پر، اپنے لشکر کو چھپا دیا اور یہ کہہ دیا کہ جس وقت میں ہار جاؤں اور بابک کے آدمی لوٹ مار میں لگ جائیں تو تم لوگ پیچھے سے آکر ان پر جھپٹ پڑو۔ اور ایسا حملہ کرنا کہ یہ کہیں بھاگنے نہ پائیں۔ اور حملہ میری واپسی تک جاری رکھو۔ اس وقت میں ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔ جنگ کے دن بابک اپنے لشکر گراں کے ساتھ جس میں ایک لاکھ سے زائد پیادے اور سوار تھے۔ باہر نکلا۔ افشین کے لشکر کو بابکی فوج نے بے حد حقیر اور معمولی پایا۔ جنگ شروع ہو چکی تھی، دونوں ہی طرف سے دادِ شجاعت دی گئی اور بیشمار لوگ مارے گئے۔ سہ پہر جب کچھ ڈھلنے لگی تو افشین نے بظاہر اپنی شکست تسلیم کر لی اور فرار اختیار کرنے لگا۔ ایک میل کے قریب بھاگ کر آ نکلنے کے بعد افشین نے اپنے پرچم برداروں سے رک جانے کو کہا۔ لوگ ٹھہر گئے۔ گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لی گئیں۔ ہر طرف سے لشکر اس نقطہ پر جمع ہونا شروع ہو گیا۔ اُدھر بابک اپنے آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ پہلے افشین اور اس کے لشکر کی طرف سے ہمیں بالکل مطمئن ہونا چاہیئے۔ بابک کے تمام کے تمام سوار تو افشین کے پیچھے لگ گئے اور پیادے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ پھر کیا تھا دائیں بائیں سے بیس ہزار آدمی جو گوشوں میں چھپے ہوئے تھے۔ افشین کے پیچھے آ گئے۔ تمام میدان خرمدینی پیادوں سے بھر گیا تھا۔ دروں کے راستہ ہو کے بھاگنے کی راہ ان پر بند کی جا چکی تھی۔ تلواریں سونت لی گئیں۔ اب افشین پلٹ آیا اور بابک اور اس کی فوج گھر گئے۔ بابک نے لاکھ سر مارا مگر راہ فرار نہ مل سکی۔ افشین اب خود پہنچ چکا تھا۔ بابک کو اس نے گرفتار کر لیا اس دن رات تک مار دھاڑ جاری رہی۔ اسی ہزار آدمی کھیت رہے۔ دن بڑے گھمسان کا ہوا تھا۔ افشین نے اپنے ایک خاص غلام کی سرداری میں اپنے بارہ ہزار پیادے اور سوار وہاں چھوڑ دیئے اور بابک اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بغداد آیا۔ بابک کو نمایاں طور پر (تاکہ سب لوگ جان لیں) بغداد لایا گیا۔ معتصم کی بابک پر جوں ہی نظر پڑی کہا کہ کیوں اے سگ (کتا) تو نے دنیا میں یہ کیا اودھم مچا رکھا ہے اور اتنے مسلمان کیوں ہلاک کر دیئے ہیں۔ بابک نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب معتصم نے حکم دیا کہ بابک کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ ڈالے جائیں۔ بابک کا ایک ہاتھ جوں ہی کاٹا گیا ظالم نے اپنے دوسرے ہاتھ کو خون میں تر کر کے اپنے چہرہ پر خون مل لیا۔ معتصم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بابک نے جواب دیا اس میں

ایک حکمت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قلم کئے جائیں گے۔ تو کیوں نہیں اس عالم میں بھی سرخ رو رہوں۔ عموماً جب آدمی کے بدن سے خون نکل جاتا ہے تو اس کے چہرہ پر زردی چھا جاتی ہے میں نے اپنا چہرہ خون سے رنگین کیا تاکہ جس وقت میرے بدن سے خون بالکل ہی نکل جائے اس وقت بھی میں زرد رو نہ رہوں بلکہ میرے چہرہ پر خون کی سرخی قائم رہے۔ اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں ڈر کے مارے زرد پڑ گیا۔ اس کے بعد معتصم نے حکم دیا کہ بابک کو گائے کی تازہ کھال میں سی دیا جائے۔ اسی انداز میں یہ عمل انجام پایا یعنی بابک کو یوں گائے کی کھال میں سی دیا گیا کہ گائے کی دونوں سینگیں بابک کے دست بریدہ اور پا بریدہ جسم میں، کانوں کے اوپر نظر آنے لگیں۔ جب یہ کھال بابک کے بدن پر خشک ہوگئی تو اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے وہ بڑی بیدردی سے ہلاک ہوگیا۔ بابک کے ظہور سے اس کے ہلاک ہونے تک ایک طویل داستان خونچکاں ہے ایک حکایت زہرہ گداز ہے جن جلادوں نے بابک کے حکم سے لوگوں کو قتل کیا تھا ان میں سے ایک بار ایک جلاد لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا، تم نے کتنے آدمی مارے، اس جلاد نے جواب دیا، مارنے کو تو میں نے بیشمار آدمی مارے ہیں لیکن تخمیناً میں نے چھتیس ہزار تو محض مسلمان ہی مارے ہیں۔ الامان والحفیظ!! معتصم کو تین عظیم فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور حق یہ ہے کہ ان تینوں فتوحات سے اسلام کو تقویت پہنچی ان تینوں فتوحات میں ایک تو وہی معتصم کی روم پہ فتح تھی۔ دوسری بابک پر، تیسری طبرستان کے آتش پرست مازیار گبر (آتش پرست) پر، اگر ان تینوں فتوحات میں سے ایک بھی ہونے سے رہ جاتی تو اسلام تو تباہ ہو چکا تھا۔

حکایت

معتصم ایک دن بزم نوشا نوش میں چلا آیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم بھی موجود تھے۔ دفعتہً معتصم مجلس بادہ ناب سے اٹھ گیا اور قصر کے ایک دوسرے حصہ میں چلا گیا۔ بڑی دیر میں معتصم وہاں سے باہر آیا۔ یعنی خلوت شاہی سے بزم مے و ساغر کی طرف پلٹا۔ معتصم نے شراب پی، حمام گیا اور غسل کیا۔ اور حمام سے نکل کے آیا تو مصلیٰ منگوایا اور نماز ادا کی یعنی دو رکعتیں پڑھیں۔ اور پھر بزم میں لوٹ کے آگیا۔ اب کے معتصم نے قاضی یحییٰ بن اکثم سے کہا کچھ سمجھے بھی تم یہ نماز کیا تھی اور اس کی تقریب کیا تھی۔ قاضی صاحب بولے،

نہیں ہیں اس کی مصلحت نہیں سمجھ سکا۔ معتصم نے کہا یہ نماز شکرانہ تھی۔ جب یحییٰ نے پوچھا کہ وہ کون سی نعمت تھی جس کے ملنے پر شکرانہ کی یہ نماز ادا ہوئی تو معتصم بولا: اس وقت میرے تصرف میں میرے تین دشمنوں، بادشاہ روم، بابک اور مازیار آتش پرست، کی بیٹیاں آئی تھیں یہ اسی کا شکرانہ تھا۔ ان لوگوں نے واثق کے زمانہ میں از سر نو خروج کیا۔ ان خرمدینوں نے اصفہان کے اطراف میں بہت زیادہ شر و فساد برپا کیا اور سنہ ۳۰۰ہجری تک ان کے خروج کا سلسلہ جاری رہا۔ کرہ خاک ان کے فتنوں سے غارت و تباہ ہوگیا۔ بلشمار لوگ قتل ہوئے اور بے شمار لاتعداد لوگ تابو میں آئے۔ بہرحال ان خرمدینوں نے از سر نو حاکم وقت کے خلاف بغاوت کردی۔ اب کے انہوں نے اصفہان کی پہاڑیوں کو اپنا نشیمن بنایا۔ ان کا کام قافلوں کو لوٹنا اور دیہاتوں کو تباہ کرنا تھا۔ بوڑھے، جوان، عورت اور بچے سب ہی ان کی تیغ تیز کے نیچے آرہے تھے۔ ان کا فتنہ اکتیس سال کی مدت تک تباہی مچائے رہا۔ ان کے مقابل کوئی لشکر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ لوگ عاجز آچکے تھے ان کے شر سے، اور ان میں یہ قوت نہیں پیدا ہوسکی کہ ان کے (خرمدینوں کے) مضبوط اور محکم قلعوں تک پہنچ سکیں۔ اور انھیں قبضہ میں کرلیں۔ آخر میں یہ لوگ گرفتار ہو ہی گئے ان کو پکڑ کے انھیں قتل کردیا گیا اور ان کے سر اصفہان بھیج دیئے گئے جہاں ان کے سروں کو (؟) پایا گیا۔ اس فتح پہ پوری دنیائے اسلام نے مسرت کا اظہار کیا فتحنامے لکھے گئے۔ ان خرمدینوں کا ذکر تفصیل کیساتھ تجارب الامم (قوموں کے تجربات)، تاریخ اصفہان اور اخبار خلفائے آل عباس میں (عباسی خلفاء کے دور کے واقعات) موجود ہے جہاں تک اس مذہب (باطل) کے عقائد کا تعلق ہے وہ یہ ہیں کہ اس میں حرام اور حلال کی تمیز نہیں رہ جاتی۔ جسم کو کسی قسم کی اذیت اور مشقت نہیں دی جاتی۔ شریعت کے تمام ضوابط بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں۔ جیسے مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ شراب کو حلال جانا جاتا ہے۔ اسی طرح دولت اور عورت کو بھی مشترک مانا جاتا ہے۔ کلیہ فرائض اور جملہ قوانین سے دوری برتی جاتی ہے۔ یہ لوگ جب کبھی مشورہ کے لیے مجلس منعقد کرتے ہیں یا انہیں کوئی مہم درپیش ہوتی ہے تو ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ ابو مسلم پہ درود بھیجتے ہیں، پھر مہدی پر اور پھر فیروز پر، یہ فیروز ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کا بیٹا تھا۔ اسے عربی میں الفتی العالم یعنی نوجوان خردمند اور دانا کہتے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ مزدک مذہب کی اصلیت کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ظاہر ہوجاتی ہے کہ اصولاً مزدکی اور خرمدینی مذہب ایک ہیں دونوں کی مستقل کوشش یہ اور صرف یہ رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر ڈالیں۔ ان

ملحدوں کا یہ ایک بہت بڑا حربہ ہوتا ہے کہ یہ آلِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی محبت کا دم بھرتے ہیں ،
یوں یہ لوگ عوام کو اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ لیکن جوں ہی انھیں ذرا قوت میسر آجاتی ہے یہ شریعت کو بیخ و بن
سے اکھاڑنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ (در حقیقت) آلِ رسول کے دشمن ہوتے ہیں۔ یہ کسی پر رحم
نہیں کرتے، کسی کو نہیں بخشتے۔ کافروں کی جماعت میں بھی ان لوگوں سے بڑھ کر خالی از مروت کوئی طبقہ
نہیں ہوتا۔ ان لوگوں میں ایکا اور اتحاد بڑا ہوتا ہے۔ ان کا یہ تفصیلی ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ احتیاط برتی جا سکے
ان لوگوں کا ایک انداز یہ بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ، خداوند عالم کو یہ غلط باور کراتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی
تمام لذتیں اور یہ تمام انسان سب اس لئے ہیں کہ بس خداوند عالم کے کام آئیں۔ غرض دولت کے استحصال
اور مستحق اور نادار لوگوں سے رقم اینٹھنے کے وسیلے سے یہ لوگ بادشاہ میں زر و مال کی حرص پیدا کر دیتے ہیں
لیکن نادان سے حاصل کئے ہوئے مال کو یہ بداندیش توفیر (فراوانی) نہ بتاتے ہیں۔ یہ اس بات کو بھول
جاتے ہیں کہ دامن پھاڑ کے آستین میں پیوند لگانا کہاں کی عقلمندی ہے اس سے لباس کی زینت نہیں ہوتی
وہ تو اس سے برباد ہو جاتا ہے۔ میری بات یہ اس وقت یاد آئے گی جب یہ لوگ بلند رتبہ لوگوں اور اعیانِ
سلطنت کو حرص کے اس کنویں میں دھکیل دیں گے اور ان کے نقارے ہر جگہ گونجیں گے۔ اور ان کی
سازشیں آشکارا اور ظاہر ہو جائیں گی۔ اس تخریبی عمل کے باب میں اس مخلص اور نیازمند نے جو بھی
کہا ہے صحیح ہے۔ اس اظہار خیال میں میرے پیش نظر ملک و قوم کی بھلائی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جلیل القدر
اور با اقتدار حکومت کو زمانے کی نگاہِ بد سے محفوظ رکھے اور اس کے (حکومت کے) دشمنوں کو ان کی مراد
تک نہ پہنچنے دے۔ اور خدا کرے تا قیامت تک اس درگاہ، اس بارگاہ اور اس دیوان کی زینت صرف وہ لوگ
بنے رہیں جو نیک نہاد ہیں۔ خدا کرے اس حکومت کو ہمیشہ مخلص اور سچے لوگ ملتے رہیں اور محمدؐ اور ان کی پاک و
طاہر آل اور عترت کے طفیل اس حکومت کو نت نئی مسرتیں، فتوحات، بزرگیاں اور بلندیاں نصیب ہوں۔

دو شعروں کا مفہوم :

اس دنیا میں مجھے ایسا نفع کوئی نظر نہ آیا جس میں بعد میں خسارہ نہ مضمر اور پوشیدہ ہو۔ بہت کم ہم پیالہ
اور ہم نوالہ مجھے ایسے ملے جن میں جذبہ رشک و حسد نہ موجزن رہا ہو۔ اور مجھے تو حسرت ہی رہی کہ اس دنیا
میں مجھے کوئی ایسا دوست بھی ملے جو آخر وقت تک دوستی پر قائم رہے اور اس کی دوستی دشمنی نہ بننے پائے۔

(۴۹)

اُنچاسواں باب

مظلوموں کی دادرسی اور قیام عدل

اشارات

سلاطین ہمیشہ دو قسم کے خزانے رکھتے ہیں۔ ایک خزانہ اصل (ریزرو بینک کے مشابہ) کہلاتا ہے اور دوسرا خزانہ مصارف کہلاتا ہے۔ حکومت کو جو آمدنیاں ہوتی تھیں وہ عموماً خزانہ اصل میں شامل ہو جاتی تھیں۔ خزانہ مصارف میں نہیں۔ خزانہ اصل کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگایا جاتا تھا جب تک انتہائی سخت ضرورت پیش نہ آجاتی تھی۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خزانہ اصل سے جو کچھ بھی نکالا جاتا تھا قرض سمجھ کر نکالا جاتا تھا اور نکالی ہوئی رقم کے بدلے میں کوئی قیمتی چیز رکھوا دی جاتی تھی (جسے رقم واپس کرتے وقت دوبارہ نکلوا لیا جاتا تھا) تاکہ سلطان کو یہ فکر نہ سنتاتی رہے کہ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ سب کی سب خرچ ہو جاتی ہے اور اگر دفعتہً زر کی ضرورت پیش آجائے گی تو سخت قسم کے افکار لاحق ہو جائیں گے اور ممکن ہے کسی پیش آمدہ مہم کے سر کرنے میں تاخیر پیدا ہو جائے یا اس کا حق ادا نہ کیا جا سکے۔ خزانہ اصل ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتا تھا۔ اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہ ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تمام مصارف اپنے اپنے وقت پر پورے ہو جاتے تھے۔ انعام و اکرام، مصارف ضروری اور مرسومہ (رسوم اور معمولات سے متعلق) اور دوسرے مصارف خیراتی میں کسی قسم کی کمی نہیں واقع ہوتی تھی ادھر خزانہ الگ ہمیشہ پر رہتا تھا

حکایت

امیر التونتاش، حاجب بزرگ یا وزیر دربار، سلطان محمود کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ اسے (امیر موصوف کو) خوارزم کی بادشاہت عطا ہوئی تو وہ خوارزم کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں خوارزم سے ساٹھ ہزار دینار محصول، اور آمدنی کی شکل میں حاصل ہوتے تھے۔ مگر مزے کی بات یہ تھی کہ امیر

کہ ایک لاکھ بیس ہزار دینار کا میزانیہ، برائے مصارف خود و خدام وحشم، منظور ہوا تھا۔ امیر ایک سال تک خوارزم ٹھہرا رہا۔ ایک سال کے ختم ہونے پر اس نے اپنے سکرٹریوں کو غزنین بھیجا اور درخواست یہ کی کہ خوارزم کے سال اول (امیر کے پہلے سال حکومت) اور آئندہ سال کی آمدنیاں اور محاصل جو ایک سو بیس ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار کے مساوی ہوں گے۔ اس کے (امیر کے) مصارف سالانہ میں محسوب سمجھے جائیں۔ اور دیوان یعنی (حکومت کے مرکزی دفتر حسابات) سے مزید دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان دنوں وزارت عظمیٰ احمد حسن میمندی کے سپرد تھی۔ التونتاش کا خط پڑھتے ہی حسن میمندی نے ذیل کا جواب لکھا:

"مہربان اور کرم گستر پروردگار کے نام سے۔ امیر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی کچھ بھی ہو جائے محمود بہر حال نہیں ہوا جا سکتا۔ وہ رقم جو امیر نے مرکز میں بھیجنے کی ضمانت لی ہے۔ اسے کسی صورت نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس لئے امیر کو چاہیئے کہ پہلے محاصل کی شکل میں حاصل شدہ کل مال واسباب کو خزانہ سلطانی میں لا کے رکھ دے۔ اس کے بعد دلائل سے اپنے حقوق ثابت کرے تاکہ اسے خوارزم کے علاوہ سیستان بھی لکھ دیا جائے۔ اس وقت البتہ امیر اس لائے ہوئے مال کو (از سر نو سلطان کی جانب سے اور خاص اس کے حکم سے اپنی مدد معاش اور مصارف خدم وحشم کے طور پر قبول کرتے ہوئے) سیستان اور وہاں سے خوارزم لے جائے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ و آقا اور شاہِ خوارزم اور سلطان محمود کا فرق واضح ہو جائے۔ بادشاہ (محمود) کی بات دوسری ہے۔ اس کے کارہائے جہانبانی کی اہمیت اور سلطانی لشکر کی نگہبانی کی مشکل ظاہر اور عیاں ہیں۔ البتہ شاہِ خوارزم کی یہ بات (کہ اسے اپنے مطالبات کے سلسلہ میں خوارزم کی آمدنی بالا بالا لے جانے دی جائے) نا قابل قبول ہے۔ اس کی اس درخواست سے یا تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے سلطان محمود غزنوی کی صولت و جبروت اور عظمت کا خیال نہیں کیا یا یہ کہ شاید وہ وزیر اعظم کو یہ سمجھتا ہے کہ وہ غافل اور مسائل سے ناواقف ہے۔ ہمیں (خط کا مضمون جاری ہے) خوارزم شاہ کی اس درخواست سے حیرت ہوئی۔ یہ اُس کے عقل و خرد کے بالکل منافی ہے کہ وہ ایسی خواہش کرے۔ اسے چاہیئے کہ اس غلطی پر نادم ہو اور ہم سے معافی مانگے۔ اس کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ بندہ اور آقا کی تمیز اٹھا دے۔ یہ بیج خطرناک ہے۔"

محمود کے وزیر اعظم نے یہ خط ایک فوجی سردار کی معرفت جس کے ساتھ دس جوان بھی کر دیئے گئے تھے، خوارزم شاہ کے پاس بھجوا دیا۔ نتیجہ ظاہر تھا وزیر اعظم کے آدمی ساٹھ ہزار دینار لے کے آگئے اور ان سے شاہی خزانہ کو معمور کر دیا۔ اور اس کے عوض خوارزم شاہ کے آدمیوں کے حوالہ بست اور سیستان کی مالگذاری لکھدی گئی۔ بست و سیستان کا محصول بھی پوست انار، مازو اور پشم وغیرہ کی شکل میں وزیر اعظم کو پیش کر دیا گیا۔ پس مملکت کے کام یوں انجام پاتے چاہئیں کہ ملکی مصلحتیں ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہ ہونے پائیں۔ اور رعایا کی فلاح و بہبود، خزانہ مملکت کی ثروت وغیرہ سب قائم رہیں۔ اور ساتھ ہی لوگوں میں مملکت کی دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت پیدا نہ ہو سکے، ہر وہ بادشاہ اور ہر وہ حکمراں جو اپنا وقت بیہودہ مشاغل اور لہو و لعب اور غفلت میں گذارتا ہے، اس کے لئے ایک وقت آتا ہے جب اس کا حال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور آئندہ مورخ اسے برے نام سے یاد کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ سلطنت کی زمام دوسرے خاندان میں چلی جاتی ہے اور پھر نیک نام بادشاہوں کا دور شروع ہو جاتا ہے گویا

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

(۵۰)

پچاسواں باب

قومی دولت کا محاسبہ اور خزانہ

اشارات

بیشمار فریادی ہمیشہ قصر شاہی کے سامنے پڑے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے باوجود کہ ان کی دادخواہی کا انھیں جواب نہیں دیا جاتا، بدستور در دولت پر پڑے رہتے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے، باہر سے سفراء یا سیاح جب پائے تخت میں آتے ہیں۔ اور فریادیوں کا یہ ہجوم دیکھتے اور اُن کی یہ داد فریاد سنتے ہیں

تو انھیں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس حکومت میں بڑا ظلم وستم ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر ان فریادیوں کو قصر سلطنت کے سامنے سے اٹھوا دینا چاہئے۔ اور وہ یوں کہ جلد ہی ان کی حاجتیں پوری کردی جایا کریں یہ نہ ہو کہ (ان فریادیوں کی) ضرورتوں اور حاجتوں کا علم شہریوں اور مسافروں سب کو ہوتا جائے۔ چنانچہ درخواست دہندگان پر واجب ہے کہ جوں ہی ان کی معروضات اور گزارشات پر حکم صادر ہو جائے وہ اسی وقت دردولت سے اٹھ کر چلے جائیں اور یہ فریاد و فغاں کی مصیبت کم ہو۔ (اس سے باہر کے آنے والوں پر غلط قسم کے اثرات پڑتے ہیں)

حکایت

یزدگرد، بادشاہ ایران، نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایلچی یعنی سفیر روانہ کیا۔ سفیر اپنے ساتھ یزدگرد کا ذیل کا پیغام لایا تھا:

"آج دنیا میں ہماری بارگاہِ شاہی سے بڑھ کر بارونق بارگاہ نہیں، آج دنیا میں ہمارے خزانہ سے بڑھ کر معمور کوئی خزانہ نہیں، آج ہمارے لشکر اور ہماری فوج سے زیادہ شجاع، دلیر اور جاں باز کوئی لشکر، کوئی فوج نہیں ہے۔ تعداد لشکر اور سازوسامان میں ہم بے نظیر اور بے مثال ہیں، کون ہمارے مقابل بھی آسکتا ہے"؟ فاروق اعظم رضؓ نے اس بلند بانگ پیغام کا یہ جواب بھیجا:

"ہاں تمہاری بارگاہ بارونق ہے مگر یہ رونق، یہ ہجوم، ہجوم فریاد کناں ہے، ہاں تمہارا خزانہ معمور ہے لیکن اس کی یہ معموری مال حرام سے ہے، فوج تمہاری بیشک جری ہے لیکن اس میں نظم وضبط نہیں، جب حکومت کا نظم برہم ہوا تو تعداد کیا اور سازوسامان کیا، یہ تو دلیل ہے اس بات کی کہ تم لوگ محروم دولت ہو چکے ہو اور تمہارا زوال یقینی ہے۔ صورت حال کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمہارا نظامِ حکومت عدل و انصاف پر مبنی ہو تاکہ تم بھی اپنے اندر صفتِ عدل و انصاف پیدا کر سکیں اور ظلم وستم کا اپنے دل میں خیال تک نہ لاسکیں"

اس کے بعد کی حکایت سے ظاہر ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے یہی کیا تھا (نظام الملک)

⁂⁂⁂⁂⁂⁂⁂⁂⁂⁂

حکایت

ایک تاجر محمود کی عدالت (محمود کی دادگاہ میں) کسی اور کی نہیں اسی کے بیٹے مسعود کے خلاف شکایت لے کے آیا۔ تاجر نے دربار غزنوی میں آکر عرض کیا:

"عالی جاہا! میں ایک تاجر پیشہ انسان ہوں اور ایک مدت سے یہیں غزنین میں پڑا ہوا ہوں چاہتا یہ ہوں کہ اپنے وطن پہنچ جاؤں لیکن بس مجبور ہوں کہ یہیں خاک چھانتا پھروں۔ تیرے بیٹے شاہزادہ مسعود نے مجھ سے ساٹھ ہزار کی مالیت کا سامان خرید تو لیا ہے۔ مگر قیمت اس کی مجھے ابھی تک ادا نہیں کی۔ شاہنشاہ اگر حکم دے دیں تو میں اور مسعود دونوں عدالت میں حاضر ہو جائیں۔ اور میرا انصاف کر دیا جائے"

یہ سنکر محمود کی ابروئے عدالت پر شکن پڑ گئی! سخت مضطرب ہوا۔ اور بیٹے کے نام ایک نہایت ہی سخت اور تند و تیز قسم کا حکم صادر کیا۔ حکم یہ تھا کہ تاجر کی رقم فوراً واپس کر دی جائے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس بات کے لئے تیار ہو جائے کہ تاجر کے ساتھ عدالت شرعی میں (ایک عام شہری کی طرح) حاضر ہو۔ تاکہ شریعت کے قانون کی رو سے اس مسئلہ کا فیصلہ کیا جائے۔ لیجئے ادھر تاجر نے قاضی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ادھر محمود کا آدمی مسعود کے پاس آگیا۔ اور بادشاہ کا حکم سنایا گیا۔ مسعود اپنی محلسرا گیا! اور اپنے خزانچی سے کہا کہ ذرا وہ یہ دیکھ لے کہ شاہزادہ کے خزانہ میں کتنی نقد رقم ہوگی؟ مسعود کے خزانچی نے حساب لگا کے بتایا کہ اس وقت شاہزادہ کے خزانہ میں بیس ہزار دینار موجود ہیں۔ مسعود نے یہ سنکر فوراً حکم جاری کر دیا کہ اتنی رقم تو فوری طور پہ تاجر کے حوالہ کر دی جائے۔ اور بقیہ رقم کے لیے تین دن کی مہلت طلب کر لی جائے۔ مسعود نے اپنے طور پہ یہ کارروائی کی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ بیس ہزار تو میں نے فوراً دے دیئے ہیں۔ اور تین دن کے اندر اندر بقیہ رقم بھی ادا کر دوں گا۔ اور اس خیال کے پیش نظر کہ مجھے کسی وقت بھی عدالت میں جانے کا حکم مل سکتا ہے میں بس لباس پہن کر گویا ایک پاؤں سے کھڑا ہوں کہ ادھر حکم آیا اور اُدھر میں عدالت کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس پر محمود نے مسعود کو کہلا بھیجا کہ مسعود جب تک لوگوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ اس سے ملاقات نہیں کر سکے گا۔ یعنی محمود بیٹے سے ملنا تک پسند نہیں کرے گا! مسعود بھی فوراً نچلا نہ بیٹھا اور ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیئے اور دوستوں

سے بطور قرض کے رقوم منگوا بھیجیں ۔ دوسری نماز کے وقت تک تاجر کو ساٹھ ہزار دینار نقد مل چکے تھے ۔ یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی ۔ دور و نزدیک سب جگہوں کے تجار (غزنین میں وقوع پذیر ہونے والی اس خوش معاملگی سے) واقف ہو گئے پھر کیا تھا چین، خطا، مصر، مراکش، سب جگہ کے تجار غزنین آن پہنچے ۔ اور بے تکلف اپنے اپنے سرمائے لگانے شروع کر دیئے ۔

کہاں وہ زمانہ تھا کہ (محمود نے اپنے چہیتے بیٹے اور جانشین کا منہ اس وقت تک دیکھنا پسند نہ کیا جب تک وہ ایک تاجر کا حق نہ ادا کر دے) اور کہاں یہ زمانہ آیا ہے کہ خراسان کے حاکم یا اصفہان کے علاقہ کے سیکریٹری تک کو فراش یا رکابدار (سائیس) کے ساتھ عدالت میں نہیں بلوایا جا سکتا !

حکایت

شہر حمص کے عامل (حاکم) نے عمر بن عبد العزیز رضؓ کو لکھ بھیجا کہ شہر کی شہر پناہ (وہ مضبوط دیوار جو پہلے زمانہ میں شہر کے چاروں طرف حفاظت کے طور پر بنوا دی جاتی تھی) ویران ہو چکی ہے ۔ اس کی مرمت لازمی ہے ۔ امیر المومنین کیا احکام صادر فرماتے ہیں ۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جواب لکھ بھیجا حمص کے چاروں طرف عدل و انصاف کی دیوار کھڑی کر دو، راستوں کو اتنا پُر امن بنا دو کہ ان میں کسی کو ظلم و ستم کا خدشہ ہو اور نہ کسی اور قسم کا خوف ہو ۔ راستوں کے لئے یہ زیادہ ضروری ہے کہ وہ پُر امن رہیں خواہ وہ پختہ بن سکیں یا نہ بن سکیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے دنیا میں تمہیں اپنی خلافت سونپی ہے ۔ اس سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ تم حق و انصاف کے ساتھ انسانوں کے مسائل حل کرو ۔ جو کچھ کہو راستبازی اور سچائی کے ساتھ کہو اور جو کام بھی کرو راستی اور عدل کے ساتھ کرو ۔ اور رہا کیا انسان کی نصرت اور دستگیری کرنے کے لئے خدا کی ذات کافی نہیں ہے ؟

رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لئے کسی نا اہل انسان کو ان پر تھوپ دیتا ہے اگرچہ اسے اس کا علم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بہتر اشخاص موجود ہیں تو گویا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کرتا ہے ۔ اس کا اصل مفہوم یہ ٹھہرا کہ انتظام مملکت کے لئے ہمیشہ دیانت دار لوگوں کو انتخاب کرنا چاہیئے تا کہ یہ لوگ ایک طرف تو یہ کہ اللہ کی مخلوق کو آزار پہنچانے تک

اور دوسری جانب یہ کہ ملت کی غم گساری کریں۔ دیانت دار اشخاص کو مناصب نہ سونپنا ایک قسم کی خیانت ہے۔ یہ خیانت خدا اور اس کے رسول گرامی اور مسلمان معاشرہ سے ہوگی۔ بادشاہوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کا ایک نامہ اعمال اس دنیا کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اگر یہ (سلاطین) اچھے اعمال انجام دیتے ہیں تو انھیں اس دنیا میں اچھے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے برخلاف اگر سلاطین اپنے دور حکومت میں جبر و ستم کرتے ہیں تو آئندہ مورخ ان سے بیزاری اور تنفّر کا اظہار کرتا ہے۔ اور قوم ان پر لعنت بھیجتی ہے۔ عنصری نے (جو مسیحی فرخی اور فردوسی کا معاصر تھا) اس مفہوم سے قریب، ایک بے حد دل کش قطعہ لکھا ہے جس کا منظوم مفہوم یہ ہے:

هر چند کہ مل جاتے ہیں ساتھی بہت اچھے
انسان کو لازم ہے کہ افلاک پہ پہنچے
بے سود ہے پابندیِ افکارِ زمینی،
اے کاش کہ تو عظمت لولاک کو پہنچے
کیا بات ہے ہر بات میں گر وزن ہو تیرے
صد شعلہ اعجاز تری خاک سے پیدا ہے

(منظوم ترجمہ از مترجم)

اکیانواں باب (۵۱)

اشارات

ولایت کا حساب اور مصارف کی تمام مدیں ضبط تحریر میں آجانی چاہئیں۔ اور یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ ولایت کی مجموعی آمدنی کیا ہوئی اور اسے کس کس طرح خرچ کیا گیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مصارف

کے باب میں مکمل طور پر غور و خوض ہوتا ہے اور نظر ثانی پر زائد مصارف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں کہ جمع کل Grand Total میں کچھ کمی بیشی ہو جائے اور اس کمی یا اس اضافہ کے بارے میں حساب کتاب رکھنے والے کچھ واضح دلائل پیش کریں تو ان کی بات سننی چاہیئے اور اگر وہ جو کہیں وہ صحیح ہو تو ان رقوم کا جن کا حساب نہیں پیش کیا جا سکتا مطالبہ کیا جانا چاہیئے تاکہ رقوم ضائع اور برباد نہ ہونے پائیں۔ اور تمام کے تمام مسائل اور حالات بالکل روشن رہیں۔ بادشاہوں کے معاملہ میں میانہ روی سے یہ مراد ہے کہ وہ انصاف کریں اور قدیم بادشاہوں کی برتی ہوئی روایات کا پاس کریں۔ اور بری روایات نہ شروع کر دیں۔ ایک بادشاہ عادل کو لازم ہے کہ کسی بیگناہ کے قتل پر کسی حال راضی نہ ہو۔ اس کا یہ بھی کام ہے کہ حکام اور رعایا کے حالات کا جائزہ لے۔ آمدنی اور مصارف کے بارے میں چھان بین کرے اور مشکل حالات میں قوم کی دستگیری کے قابل ہونے کے لئے سرکاری ذخیرہ کو پُر رکھے اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بھی بچا جا سکے گا۔ بادشاہ کے بلند منصب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس پر بخیل ہونے کا الزام نہ لگنے پائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بادشاہ دینے دلانے کا ایسا انداز اختیار کرے کہ لوگ اسے فضول خرچ، اور دولت کو برباد کرنے والا سمجھ بیٹھیں بخشش اور عطا کا معتدل اور مناسب انداز ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ جہاں ایک دینار دینا ہو وہاں سو دینار اور جہاں سو دینار سے کام چل سکے وہاں ہزار دینار لٹا دیئے جائیں۔ اس انداز جود و عطا سے بڑے درجہ کے لوگ آزردہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی حیثیتوں کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ بڑے اور چھوٹے میں پھر کوئی تمیز باقی نہیں رہ جاتی۔ اور دوسروں کو بھی یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ بادشاہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ نہ کسی کی قدر و منزلت سے واقف ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس میں کتنی دانش اور کس میں کتنی آگہی ہے۔ اس (غلط بخشی سے) لوگ بے سبب رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے کاموں میں متوقع دلچسپی نہیں لیتے بادشاہ کو اپنے مخالفوں سے اس انداز میں جنگ لڑنی چاہیئے کہ صلح کے امکانات بہر صورت قائم رہیں۔ بادشاہ میں اور اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان ایسے مضبوط اور ساتھ ہی نازک روابط ہونے چاہئیں کہ بادشاہ کی جانب سے یہ روابط منقطع ہو سکیں یعنی بادشاہ اگر چاہے تو ایک دوست کو اپنے سے دور کر دے اور اگر چاہے تو ایک دشمن کو از سر نو اپنا مصاحب بنا لے! ایک حکمراں بادشاہ کو لازم ہے کہ لہو و لعب میں اس درجہ مشغول نہ ہو جائے کہ بالکل ہی غافل اور مست ہو جائے۔ اس

کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر وقت لوگوں سے خندہ روئی سے پیش آئے مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ بس یکلخت ترش رو اور سخت گیر ہو جائے۔ بہتر ہے کہ اگر کچھ دن سیر و تفریح اور شکار تماشہ میں گذارے جائیں تو کچھ دن تہجّد اور صوم وصلوۃ، تلاوت قرآن اور اعمالِ حسنہ میں بھی گذارے جائیں۔ تاکہ بادشاہ دین اور دنیا دونوں سے بہرہ ور اور بہرہ اندوز رہے۔ مرد کو جو چیز سب سے زیادہ زیب دیتی ہے وہ میانہ روی کی خو ہے۔ پیغمبر اعظم علیہ السلام (مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ سب سے بہتر قسم کے کام وہ ہوتے ہیں جن میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیا جاتا ہے۔ معتدل المزاج اور میانہ رو ہونا قابل ستائش ہے۔ بادشاہ پر فرض ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالی کے احکامات کا لحاظ رکھے تاکہ وبالِ آخرت سے محفوظ رہ سکے۔ عادل اور منصف بادشاہ کا فرض ہے کہ حتی الامکان جن باتوں سے شرع نے منع کیا ہے ان سے باز رہے اور جن باتوں کا اس نے حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہو۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ اس سے دنیا میں باقی رہ جانے والے کام سرزد ہوں۔ انسان دنیا میں یہ جو پاپڑ بیلتا ہے آخر اس سب مصیبت کا مقصد سوائے نام نیک، کے اور ہے بھی کیا؟ دینی امور میں بادشاہ کو اجتہاد سے کام لینا چاہیئے بلکہ جو جو مہمیں اسے درپیش ہیں سب پہ اسے قابو حاصل ہو سکے۔ اور اسے دونوں جہاں کی مرادیں مل سکیں۔ اس کی ساری آرزوئیں پوری ہوں۔

یہ ہے کتاب سیاست نامہ جو ضبط تحریر میں آگئی۔ خداوند عالم (مراد بادشاہ) نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس موضوع پہ ایک مجموعہ مرتب کردوں سو مطابقِ فرمان عمل کیا گیا۔ ابتداء میں میں نے انتالیس[۳۹] ابواب فی البدیہہ لکھ دیئے تھے اور لکھکر مجلس عالی (مراد دربار) بھجوا دیئے تھے۔ یہ پسند کئے گئے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ اس شکل میں یہ کتاب ضرورت سے زائد مختصر تھی۔ چنانچہ بعد میں کتاب کے متن میں اضافہ کیا گیا۔ اول تو یہ کہ ہر باب کے مناسب اس میں نکات اور اشارات بڑھائے گئے اور دوسرے یہ کہ واضح الفاظ میں مسائل کی تشریح کر دی گئی۔ ۴۸۵ھ ہجری میں ہم کو (نظام الملک کو) بغداد کا سفر درپیش آگیا۔ چنانچہ کتاب محمد مغربی یعنی مخصوص شاہی کتب کے محرّر اور کاتب کو دے دی گئی۔ مغربی کو ہم نے تاکید کر دی کہ اس کتاب کو جلی حروف میں لکھ ڈالے اور اگر ہم اپنے سفرِ بغداد سے واپس نہ آسکیں تو اس دفتر (مراد کتاب سیاست نامہ) کو خداوند عالم (یعنی ملکشاہ سلجوقی) کی خدمت میں پیش کر دے تاکہ اس کتاب کی روشنی میں مجلس عالی (بادشاہ کی مجلس شوریٰ) مسائل کا بہتر درک کر سکے۔ بادشاہ

کو لازم ہے کہ اس کتاب کو مستقل طور پر اپنے مطالعہ میں رکھے۔ اس سے یہ ہوگا کہ بادشاہ کے دل پر کبھی، گرانی نہ ہوگی۔ یعنی اس کی خوش طبعی اور دماغ و دل کا نشاط قائم رہیں گے۔

یہ کتاب وعظ و نصیحت سے پر ہے۔ اس میں دانائی کے موتی پروے ہوئے ہیں۔ اس میں مثالیں ہیں، آیاتِ قرآنی کی تفسیریں ہیں۔ احادیث اور انبیاء کے قصص (جمع تتمہ) ہیں۔ عدل پسند تاجداروں کے واقعات ہیں۔ غرض یہ کتاب ماضی کی یادگار ہے، حال کی مونس اور غم گسار ہے، جامع اور مانع ہے یعنی ضخیم ہونے کے باوجود گراں نہیں گذرتی، اور یادشاہ دادگر (مراد ملکشاہ) اور تاجدار عادل کے شایانِ شان ہے اور اللہ کا علم ہر ایک کے علم سے زیادہ ہے یعنی حقیقت کا علم اسی کے پاس ہے۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

مولانا عبدالباری ندوی سابق پروفیسر فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی کی

چار معرکۃ الآرا تصنیفات

تجدید دین کامل

جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی ہر طرح کی فلاح و صلاح کا مدار پورا پورا مسلمان ہونے پر ہے جس کے لئے ہماری دینی کوتاہیوں اور بیماریوں کی ایسی آسان اور کارگر تدبیریں بتلادی گئی ہیں کہ پورا پورا مسلمان بن جانا ہر شخص کے لئے بالکل اپنے اختیار میں ہے اور محرومی کا عجز محرومی کے کوئی عذر نہیں رہ جاتا بس قدم اٹھا کر چل پڑنا ہے۔ (بڑی سائز ۴۰۰ صفحات، قیمت نو روپے پچھتر پیسے)

تجدید تصوف و سلوک

جس میں تصوف کے متعلق ہر قسم کی علمی و عملی غلطیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر کے بتلایا گیا ہے کہ حقیقی تصوف دراصل کمال اسلام اور کمال ایمان کے سوا کچھ نہیں ہے اور بے صوفی بنے اسلام کی دنیوی و اخروی انفرادی اور اجتماعی برکات و ثمرات کا حاصل ہونا عملاً ناممکن ہے

(زیر طبع، بڑی سائز ۴۳۲ صفحات مجلد قیمت آٹھ روپے پچیس پیسے

تجدید معاشیات

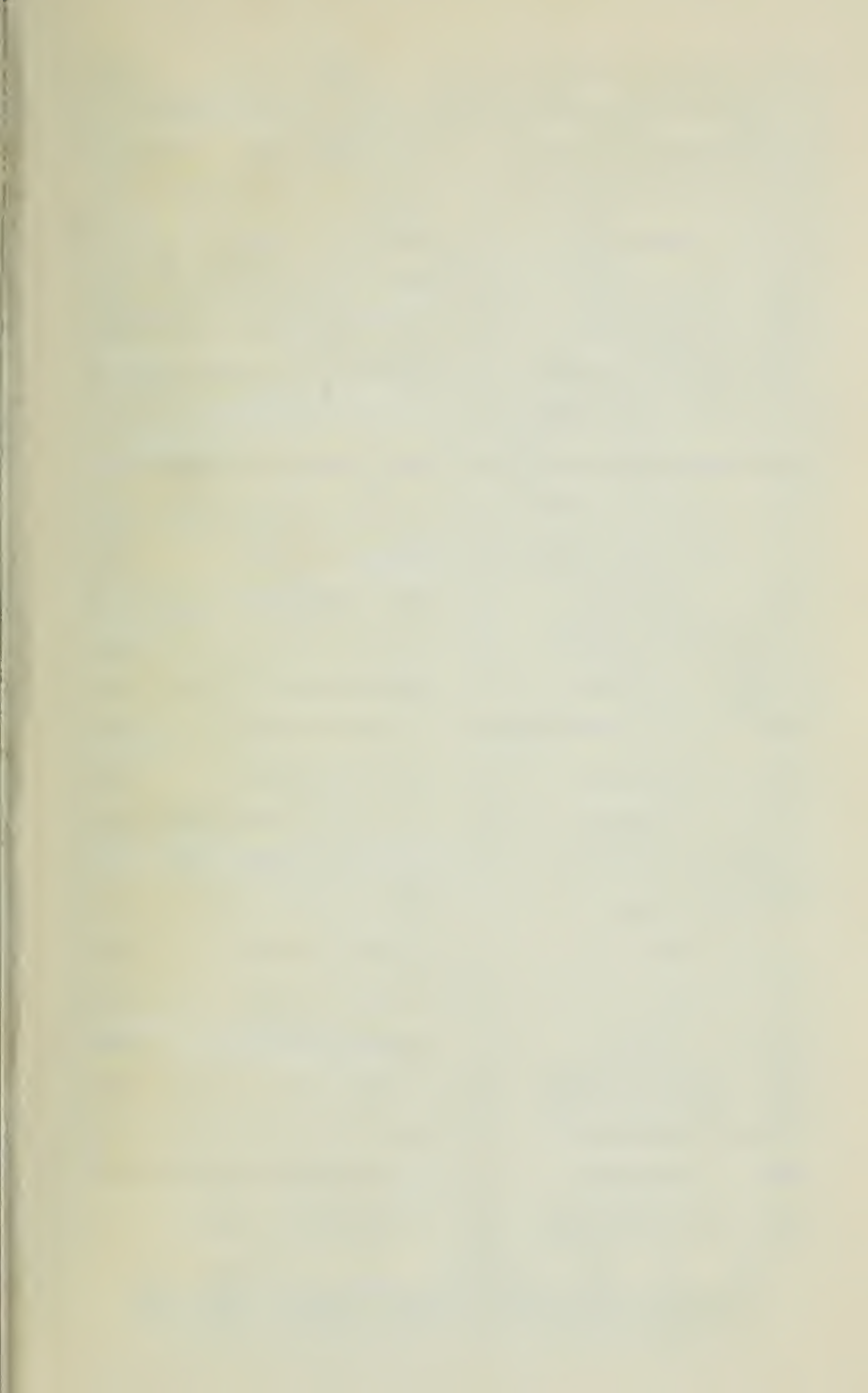
جس میں معاشیات کے نوپید انظریوں اور نعروں سے مرعوب ہوئے بغیر خالص اسلامی و ایمانی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ رزق و معاش کا مسئلہ نہیں جو فرد یا سماج (مسلمان ہی نہیں غیر مسلمان بھی) ان تعلیمات پر کم زیادہ جتنا بھی عمل کرلے جائے گا اتنا ہی انشاء اللہ دن رات کے معاشی غم و غصہ کی جہنم سے دنیا ہی میں اپنے کو ضرور بچا لیگا۔ بڑی سائز ۴۰۰ صفحات مجلد نو روپیہ پچھتر پیسے

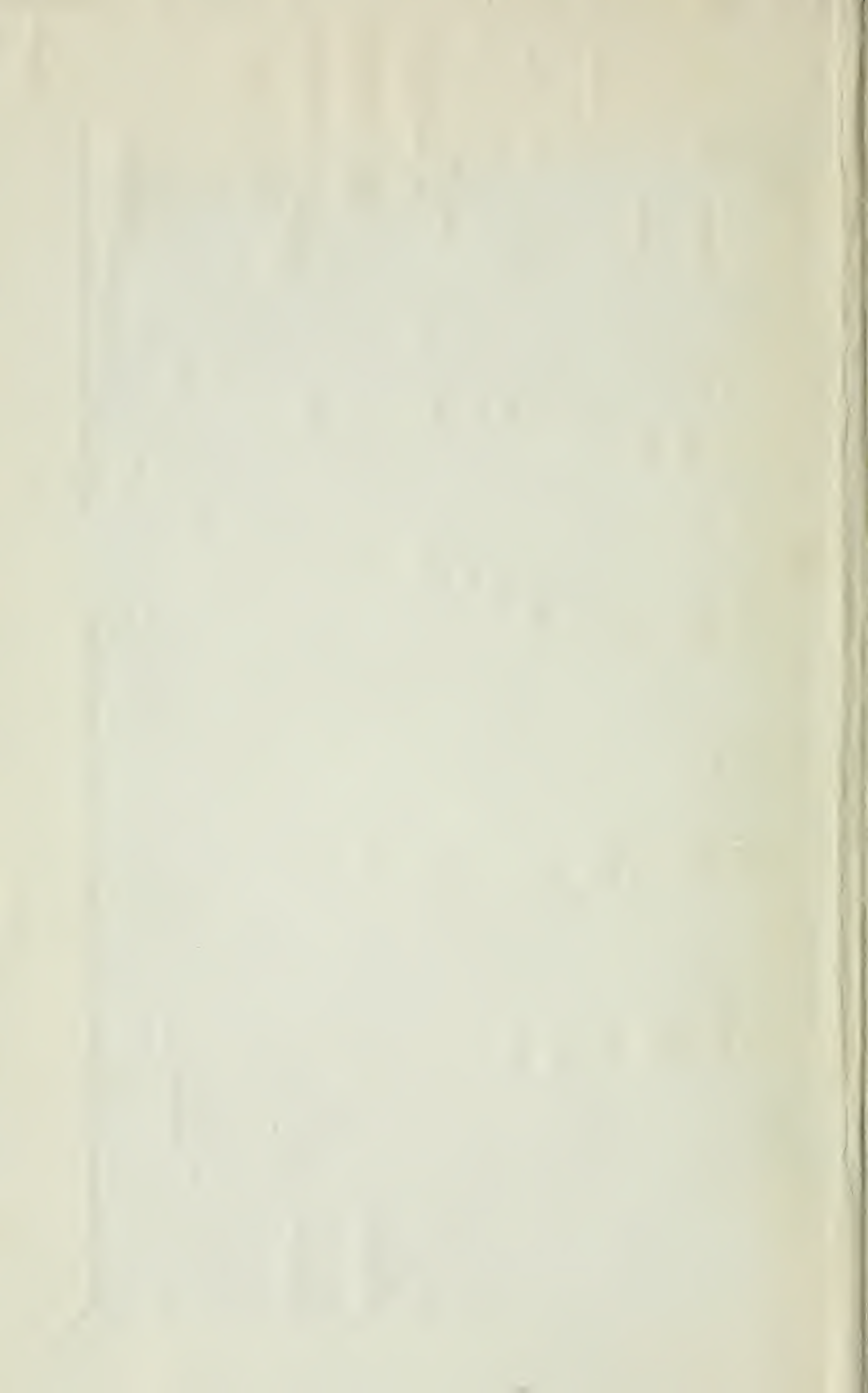
تجدید تعلیم و تبلیغ

خالص اسلامی بنیادوں پر بہترین قوم (خیر امۃ) بنانے کی تعلیمی و تبلیغی تجدیدات و تدابیر جو ہر فرد انسان کو ظاہری و باطنی طور پر بہترین مسلمان اور کامل انسان بنانے کا یہ تعلیمی و تبلیغی نظام نسلی و وطنی قومیتوں اور سیاسی و معاشی خیال پرستیوں (آئیڈیالوجیوں) کی جہنم سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔

بڑی سائز ۴۴۰ صفحات قیمت چھ روپے

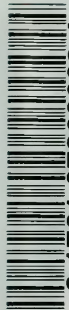
نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ، کراچی ۱





سیاست نا

مع متن



مصنفہ

خواجہ نظام الملک طوسی

اردو ترجمہ

شاہ حسن عطا
ایم۔اے علیگ

نفیس اکیڈمی
کراچی